خطوطِ اقبال

رفیع الدین ہاشمی

بہ تعاون پاکستان ہائی کمیشن نئی دہلی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطوطِ اقبال

خطوطِ اقبال

علامہ اقبال رحمۃ اللہ کے ایک سو گیارہ غیر مدوّن مکاتیب

مع حواشی و تعلیقات

مرتبہ

رفیع الدین ہاشمی

مکتبہ خیابانِ ادب © لاہور

اشاعت اول: ۱۹۷۶ء

ناشر: مرزا طارق نصیر بیگ
مکتبہ خیابانِ ادب چیمبرلین روڈ لاہور

کتابت: تمکین شیرازی

مطبع: پیک آرٹ پریس چیمبرلین روڈ لاہور

قیمت: چالیس روپیہ

"شاعر کے لٹریری اور پرائیویٹ خطوط سے اس کے
کلام پر روشنی پڑتی ہے اور اعلیٰ درجے کے شعراء کے
خطوط شائع کرنا لٹریری اعتبار سے مفید ہے۔"

محمد اقبال

رفیع الدین ہاشمی

ایم۔ اے، اُردو۔ اوّل بدرجہ اوّل

(یونیورسٹی گولڈ میڈل و تمغہ بابائے اُردو)

پیدائش: یکم اپریل ۱۹۴۲ء، مصریال (ضلع کیمبلپور)

تعلیم: انبالہ مسلم ہائی سکول سرگودھا

گورنمنٹ کالج، سرگودھا

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

سابق: لیکچرر، شعبۂ اُردو، غزالی کالج، جھنگ صدر

لیکچرر، شعبۂ اُردو، انبالہ مسلم کالج، سرگودھا

لیکچرر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج، مری

حال: لیکچرر، شعبۂ اُردو، گورنمنٹ کالج، سرگودھا

تصانیف: اقبال کی طویل نظمیں ۱۹۷۰ء

سرور اور فسانۂ عجائب ۱۹۷۱ء

اصنافِ ادب ۱۹۷۳ء

کتبِ اقبالیات ۱۹۷۵ء

خطوطِ اقبال (ترتیب و حواشی) ۱۹۷۶ء

اقبال، بحیثیتِ شاعر (ترتیب و حواشی) ۱۹۷۶ء

کتابیاتِ اقبال ۱۹۷۶ء

مستقل پتا: ۲۳۔ اے سیٹلائیٹ ٹاؤن سرگودھا

انتساب

مکاتیب اقبال کے اوّلین مرتبّین:

ڈاکٹر محی الدین قادری زور

اور

شیخ عطاء اللہ ایم اے

کے نام

Indeed, I am more than certain that there is a great deal of material still awaiting discovery and compilation. This should particularly apply to letters.

—— Mumtaz Hasan

ترتیب

پیش لفظ	ڈاکٹر سید عبداللہ		۱۷
عرضِ مرتب	رفیع الدین ہاشمی		۱۹
(۱) اقبال کے خطوط ——	تحقیقی و تنقیدی جائزہ	رفیع الدین ہاشمی	۲۷
(۲) خطوطِ اقبال ——	ایک سو گیارہ غیر مدون خطوط		۶۵

بنام ——

۱۔	سید محمد تقی	مئی	۱۹۰۳ء	۶۷
۲۔	شاطر مدراسی	۲۴ فروری	۱۹۰۵ء	۶۹
۳۔	شاطر مدراسی	۱۲ مارچ	۱۹۰۵ء	۷۰
۴۔	شاطر مدراسی	۲۹ اگست	۱۹۰۸ء	۷۲
۵۔	شاطر مدراسی	۲۴ ستمبر	۱۹۲۹ء	۷۳
۶۔	مولوی انشاء اللہ خاں	۱۲ ستمبر	۱۹۰۵ء	۷۴
۷۔	مولوی انشاء اللہ خاں	۲۵ نومبر	۱۹۰۵ء	۹۳
۸۔	تلوک چند محروم	۴ جنوری	۱۹۰۹ء	۱۰۴

۹۔	اراکین انجمن کشمیری مسلمانان	مئی ۱۹۰۹ء		۱۰۶
۱۰۔	وحشت کلکتوی	۳۰ مارچ ۱۹۱۰ء		۱۱۰
۱۱۔	خواجہ حسن نظامی	۱۹۱۳ء		۱۱۱
۱۲۔	خواجہ حسن نظامی	۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء		۱۱۴
۱۳۔	خواجہ حسن نظامی	۲۷ ستمبر ۱۹۲۲ء		۱۱۹
۱۴۔	خواجہ حسن نظامی	۱۹۳۶ء		۱۲۰
۱۵۔	ملا واحدی	۱۹۱۴ء		۱۲۱
۱۶۔	میر سردار احمد خان	۱۰ فروری ۱۹۱۴ء	(انگریزی)	۱۲۲
۱۷۔	مدیر پیغام صلح لاہور	۱۳ نومبر ۱۹۱۵ء		۱۲۳
۱۸۔	سید فصیح اللہ کاظمی	۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء		۱۲۴
۱۹۔	سید فصیح اللہ کاظمی	۱۴ جولائی ۱۹۱۶ء		۱۲۹
۲۰۔	سید فصیح اللہ کاظمی	۲۳ فروری ۱۹۱۷ء		۱۲۶
۲۱۔	میاں محمد شاہ نواز	۴ جولائی ۱۹۱۸ء	(انگریزی)	۱۳۰
۲۲۔	سید شوکت حسین	۳ جنوری ۱۹۱۹ء	(انگریزی)	۱۳۱
۲۳۔	سید شوکت حسین	۶ جنوری ۱۹۱۹ء	(انگریزی)	۱۳۲
۲۴۔	سید شوکت حسین	۷ فروری ۱۹۲۶ء		۱۳۵
۲۵۔	ڈاکٹر محمد حسین	۷ فروری ۱۹۱۹ء		۱۳۶
۲۶۔	شیخ نور محمد	۱۶ جولائی ۱۹۱۹ء		۱۳۸
۲۷۔	شیخ اعجاز احمد	۳ مارچ ۱۹۲۰ء	(انگریزی)	۱۴۰
۲۸۔	شیخ اعجاز احمد	۱۰ جون ۱۹۲۱ء	(انگریزی)	۱۴۱
۲۹۔	شیخ اعجاز احمد	۱۹۲۴ء		۱۴۱

۳۰-	شاہ اسد الرحمٰن قدسی	۲۴ ستمبر ۱۹۲۰ء		۱۴۶
۳۱-	سید رحمت اللہ شاہ	۲۲ نومبر ۱۹۲۰ء		۱۴۷
۳۲-	سید رحمت اللہ شاہ	۲۰ اکتوبر ۱۹۲۵ء		۱۴۸
۳۳-	سید رحمت اللہ شاہ	۲ نومبر ۱۹۲۵ء		۱۴۹
۳۴-	سید سجاد حیدر یلدرم	دسمبر ۱۹۲۲ء		۱۵۰
۳۵-	سید سجاد حیدر یلدرم	دسمبر		۱۵۱
۳۶-	ایڈیٹر "زمیندار"	۲۳ جون ۱۹۲۳ء		۱۵۱
۳۷-	ایڈیٹر "زمیندار"	۳ اکتوبر ۱۹۲۶ء		۱۵۰
۳۸-	جسٹس شیخ دین محمد	۲۳ جولائی ۱۹۲۳ء	(انگریزی)	۱۵۱
۳۹-	جسٹس شیخ دین محمد	۱۹ اپریل ۱۹۲۹ء		۱۶۰
۴۰-	سید محمد سعید الدین جعفری	۲۴ جولائی ۱۹۲۳ء		۱۶۲
۴۱-	سید محمد سعید الدین جعفری	۱۴ نومبر ۱۹۲۳ء		۱۶۳
۴۲-	ڈاکٹر سید یامین ہاشمی	۱۹۲۳ء		۱۶۸
۴۳-	مدیر "نیرنگ خیال"	۱۷ اگست ۱۹۲۴ء		۱۶۹
۴۴-	شاد عظیم آبادی	۲۵ اگست ۱۹۲۴ء		۱۷۰
۴۵-	مسٹر سمتھ	۱۹ اکتوبر ۱۹۲۴ء	(انگریزی)	۱۷۲
۴۶-	صوفی غلام مصطفٰے تبسم	۶ ستمبر ۱۹۲۵ء		۱۷۴
۴۷-	شیخ عطا محمد	۱۵ اکتوبر ۱۹۲۵ء		۱۷۵
۴۸-	شیخ اکرام الحق سلیم	۱۱ مئی ۱۹۲۶ء		۱۷۸
۴۹-	منشی رام پرشاد	۲۸ جون ۱۹۲۶ء		۱۷۹
۵۰-	سراج نظامی	۱۵ جون ۱۹۲۷ء		۱۸۰

۵۱۔ مرزا محمد سعید	اکتوبر	۱۹۲۶ء	(انگریزی)	۱۸۱
۵۲۔ ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین		۱۹۳۳ء	(انگریزی)	۱۸۴
۵۳۔ مہتمم رسالہ نور جہاں	۲۹ر جنوری	۱۹۲۸ء		۱۸۶
۵۴۔ ایڈیٹر انقلاب	۱۳ر مئی	۱۹۲۷ء		۱۸۷
۵۵۔ ایڈیٹر انقلاب	۲۹ر مئی	۱۹۲۷ء		۱۸۸
۵۶۔ ایڈیٹر انقلاب	۸ر جولائی	۱۹۲۸ء		۱۸۹
۵۷۔ ایڈیٹر انقلاب	۱۸ر فروری	۱۹۲۹ء		۱۹۰
۵۸۔ ایڈیٹر انقلاب	۵ر جنوری	۱۹۳۲ء		۱۹۱
۵۹۔ پروفیسر محمد عبد الغنی	۱۵ر مارچ	۱۹۳۰ء	(انگریزی)	۱۹۲
۶۰۔ بیگم صاحبہ (؟)	۱۸ر جولائی	۱۹۳۰ء		۱۹۳
۶۱۔ سردار محمد رب نواز خاں	۲۶ر جولائی	۱۹۳۰ء		۱۹۴
۶۲۔ ایڈیٹر رسالہ پیشوا		۱۹۳۰ء		۱۹۷
۶۳۔ فقیر سید سراج الدین	۳ر ستمبر	۱۹۳۰ء		۱۹۸
۶۴۔ سیکریٹری انجمن حمایت اسلام	۳۰ر ستمبر	۱۹۳۰ء		۱۹۹
۶۵۔ سیکریٹری انجمن حمایت اسلام	یکم جولائی	۱۹۳۷ء		۲۰۱
۶۶۔ شیخ عظیم اللہ	۲۶ر نومبر	۱۹۳۵ء		۲۰۱
۶۷۔ منشی طاہر الدین	۲۱ر ستمبر	۱۹۳۱ء		۲۰۲
۶۸۔ منشی طاہر الدین	۲۶ر جنوری	۱۹۳۳ء		۲۱۱
۶۹۔ محمد عبد القوی فانی	۲۱ر مئی	۱۹۳۲ء	(انگریزی)	۲۱۲
۷۰۔ مس فارقوہرسن	۲۲ر مئی	۱۹۳۲ء	(انگریزی)	۲۱۳
۷۱۔ مس فارقوہرسن	۳ر اکتوبر	۱۹۳۳ء	(انگریزی)	۲۱۶

۷۲۔ ڈاکٹر کشتر "ہمدم"		۱۹۳۳ء		۲۱۸
۷۳۔ ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال		۱۹۳۲ء		۲۲۲
۷۴۔ لارڈ لوتھین	۱۷ مارچ	۱۹۳۳ء	(انگریزی)	۲۲۳
۷۵۔ ڈاکٹر ریاض الحسن	۲۹ مئی	۱۹۳۳ء	(انگریزی)	۲۲۷
۷۶۔ علامہ سید غلام شبیر بخاری	فروری	۱۹۳۴ء		۲۳۰
۷۷۔ فقیر سید وحید الدین	۲۷ جولائی	۱۹۳۴ء		۲۳۱
۷۸۔ پروفیسر محمد طاہر فاروقی		۱۹۳۴ء		۲۳۳
۷۹۔ قاضی تلمذ حسین	۳ جنوری	۱۹۳۵ء		۲۳۵
۸۰۔ قاضی تلمذ حسین	۱۷ جنوری	۱۹۳۵ء		۲۳۷
۸۱۔ قاضی تلمذ حسین	۸ مارچ	۱۹۳۶ء		۲۳۸
۸۲۔ قاضی تلمذ حسین	۲۷ جولائی	۱۹۳۶ء		۲۳۸
۸۳۔ خواجہ سجاد حسین	۱۲ ستمبر	۱۹۳۵ء		۲۳۸
۸۴۔ ڈاکٹر سید عبدالباسط	۲ اکتوبر	۱۹۳۵ء		۲۴۱
۸۵۔ ڈاکٹر سید عبدالباسط	۱۸ اکتوبر	۱۹۳۵ء		۲۴۴
۸۶۔ ڈاکٹر سید عبدالباسط	۷ دسمبر	۱۹۳۵ء		۲۴۶
۸۷۔ ڈاکٹر سید عبدالباسط	۱۳ دسمبر	۱۹۳۵ء		۲۴۶
۸۸۔ ڈاکٹر سید عبدالباسط	۸ فروری	۱۹۳۶ء		۲۴۷
۸۹۔ سید ہاشمی فرید آبادی	۲۰ نومبر	۱۹۳۵ء		۲۴۸
۹۰۔ مولانا مسعود عالم ندوی	۲۸ نومبر	۱۹۳۵ء		۲۵۰
۹۱۔ صادق الخیری	۱۰ فروری	۱۹۳۶ء		۲۵۲
۹۲۔ عبدالوحید خان	۱۱ جون	۱۹۳۶ء		۲۵۳

۹۳۔ عبدالوحید خان	۲۲ جون ۱۹۳۶ء		۲۵۴
۹۴۔ پنڈت جواہر لال نہرو	۲۱ جون ۱۹۳۶ء	(انگریزی)	۲۵۵
۹۵۔ شیخ عنایت اللہ	۲۴ جون ۱۹۳۶ء		۲۵۹
۹۶۔ سر راس مسعود	۲۹ جون ۱۹۳۶ء		۲۶۱
۹۷۔ خلیفہ فضل حسین	۲ جولائی ۱۹۳۶ء		۲۶۴
۹۸۔ میجر شمس الدین قریشی	۲۴ جنوری ۱۹۳۷ء		۲۶۵
۹۹۔ فضل شاہ گیلانی	۱۴ ستمبر ۱۹۳۶ء		۲۶۸
۱۰۰۔ حفیظ ہوشیار پوری	یکم نومبر ۱۹۳۶ء		۲۶۹
۱۰۱۔ نامعلوم	۲۳ جنوری ۱۹۳۷ء		۲۷۱
۱۰۲۔ میاں بشیر احمد	۲۲ مئی ۱۹۳۷ء		۲۷۲
۱۰۳۔ سکندر علی وجد	۹ جون ۱۹۳۷ء		۲۷۳
۱۰۴۔ سر اکبر حیدری	۱۳ جون ۱۹۳۷ء	(انگریزی)	۲۷۵
۱۰۵۔ ڈاکٹر حبیب النساء بیگم	یکم جولائی ۱۹۳۷ء		۲۷۸
۱۰۶۔ جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام	۳۱ جولائی ۱۹۳۷ء		۲۸۰
۱۰۷۔ مصطفٰے المراغی	۵ اگست ۱۹۳۷ء	(عربی)	۲۸۳
مکتوب مصطفٰے المراغی بنام اقبال	۱۲ اگست ۱۹۳۷ء	(عربی)	۲۸۹
۱۰۸۔ محمد نعمان	۱۹۳۷ء		۲۹۰
۱۰۹۔ فضل کریم	۱۹۳۷ء	(انگریزی)	۲۹۱
۱۱۰۔ مرتضٰے احمد خان میکش	۱۹۳۷ء		۲۹۶
۱۱۱۔ سید مبارک شاہ جیلانی			۲۹۷

(۳) ضمیمے

۱۔ اقبال کا سفر دہلی (بسلسلہ مکتوب ث) ۳۰۱

۲۔ "نظم سلام و پیام" از: "تلوک چند محروم" (بسلسلہ مکتوب ب) ۳۰۳

۳۔ مثنوی "خطاب بہ اقبال" (بسلسلہ مکتوب ۲۴) ۳۰۵

۴۔ نظم "عروج ملحیات" از، حفیظ ہوشیارپوری (بسلسلہ مکتوب ۱۰۱) ۳۰۹

(۴) ماخذ

۲۹۹

(۵) کتابیات

۳۴۵

(۶) اشاریہ

۳۵۱

اشخاص ۳۵۳

کتب ۳۶۳

اخبارات و رسائل ۳۶۷

ادارے، انجمنیں، مطابع، کتب خانے ۳۶۹

موضوعات ۳۷۲

فہرست عکسی خطوط

۲۴۔	سید شوکت حسین	۱۳۵
۲۶۔	شیخ نور محمد	۱۳۹
۴۸۔	شیخ اکرام الحق سلیم	۱۶۸
۶۳۔	فقیر سید سراج الدین	۱۹۸
۷۱۔	مس فارقو ہرسن	۲۱۶
۷۷۔	فقیر سید وحید الدین	۲۳۱
۹۵۔	شیخ عنایت اللہ	۲۵۹
۹۸۔	میجر شمس الدین قریشی	۲۶۵
———	مکتوب علامہ المراغی بنام اقبال	۲۸۹
۱۰۹	فضل کریم	۲۹۱

☆ ☆ ☆

پیش لفظ

ڈاکٹر سیّد عبداللہ

پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے اقبالیات کے موضوع پر پہلے بھی خاصا کام کیا ہے۔ اب وہ حضرت علاّمہ کے ایک سو گیارہ مکاتیب کا مجموعہ لے کر آئے ہیں۔ ان میں ایسے خطوط شامل ہیں جو مکاتیب کے سابقہ آٹھ مجموعوں میں سے کسی میں موجود نہیں اگرچہ چند خطوط ایسے بھی ہیں جو سابقہ مجموعوں میں موجود تو ہیں لیکن ان کا متن صحت کے ساتھ نقل نہیں کیا گیا۔

رفیع الدین ہاشمی صاحب نے اس مجموعے کو مرتب کرنے، اور ان کے متن کو درست کرنے میں کتنی محنت کی، اس کی تفصیلات انھوں نے خود اپنے مقدمے میں بیان کر دی ہیں قارئین کو اس کے مطالعہ سے اندازہ ہو جائے گا کہ مرتب نے یہ اہم کام کتنی ذمّے داری سے کیا ہے۔ ان کے اس احساسِ ذمہ داری میں وہ محبت بھی شامل ہے جو انہیں حضرت علاّمہ کی ذات اور ان کی تعلیمات سے ہے۔ سچ یہ ہے کہ یہ مشکل کام اس محبت کے بغیر ممکن ہی نہ تھا۔

ایک نہایت ہی مفید پہلو اس مجموعے کا یہ ہے کہ مرتب نے ان تمام شخصیتوں کے مختصر کوائف بھی ہر خط کے ضمن میں پیش کر دیے ہیں جن سے حضرت علامہ نے خط و کتابت کی۔ اس کے علاوہ حواشی و تعلیقات بھی لکھے ہیں جن کے باعث اس کتاب کی افادیت میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔

راقم الحروف کی رائے میں رفیع الدین ہاشمی نے یہ مجموعہ مرتب کر کے اقبالیاتی ادب کی وقیع خدمت انجام دی ہے، اس کتاب سے اقبال شناسی کی تحریک کو بہت مدد ملے گی، علامہ کے معاصرین کے تعلقات کی نوعیت کا صاف صاف پتہ چلے گا۔ اور عہد کی فکری و سیاسی تاریخ پر کام کرنے والوں کو ایک قابلِ اعتماد مأخذ مل جائے گا۔

مجھے کامل یقین ہے کہ ہاشمی صاحب کی یہ گراں بہا کوشش قدر کی نگاہوں سے دیکھی جائے گی اور اہلِ فکر و تحقیق اس مجموعے کو ایک نعمتِ غیر مترقبہ خیال کریں گے۔

(سید عبداللہ)

سابق پرنسپل یونیورسٹی اورینٹل کالج لاہور

و

حال صدر ادارہ اردو دائرۂ معارفِ اسلامیہ

پنجاب یونیورسٹی، لاہور

المرقوم

۲۵ اپریل ۱۹۷۶ء

عرضِ مرتّب

اردو ادب کی تاریخ میں علامہ اقبالؒ کی حیثیت کا تعین بالعموم ان کی شاعری کے حوالے سے کیا جاتا ہے بلاشبہ اپنی شاعرانہ عظمت کے پیشِ نظر اقبال اُردو شاعری کی آبرو ہیں مگر انہوں نے شاعری کے علاوہ نثر کا ایک بڑا ذخیرہ بھی یادگار چھوڑا ہے اور کم ہی لوگوں نے ان کی عظیم نثر کو درخورِ اعتنا سمجھا ہے۔ حالانکہ حضرت علامہ کی نثری تصانیف، بالخصوص ذخیرۂ مکاتیب، ان کی شعری تخلیقات سے کسی طور بھی کم اہمیت نہیں رکھتا۔ ایک لمحے کے لیے دوسری نثری تخلیقات سے قطع نظر کر لیجئے تو مکاتیبِ اقبال کے آٹھ مجموعوں کو عددی اعتبار سے بھی تو شعری مجموعوں کے بعد اوّلیت حاصل ہے۔ مفاہیم و مطالب کے نقطۂ نظر سے، خطوطِ اقبالؔ، کلامِ اقبال کی سب سے زیادہ معتبر اور مستند تفسیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مزید برآں اقبالؔ کی شخصیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے خطوط کی اہمیت کلیدی ہے۔

تاحال مکاتیبِ اقبالؔ کے آٹھ مجموعے چھپ چکے ہیں:

(۱) شادِ اقبال	مرتبہ: ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ	۱۹۴۲ء
(۲) اقبال نامہ حصہ اوّل	مرتبہ: شیخ عطاءاللہ، ایم اے	۱۹۴۵ء
(۳) اقبال نامہ، حصہ دوم	مرتبہ: شیخ عطاءاللہ، ایم اے	۱۹۵۱ء
(۴) مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان مرحوم	مرتبہ: بزمِ اقبال	۱۹۵۴ء
(۵) مکتوباتِ اقبال بنام سید نذیر نیازی	مرتبہ: سید نذیر نیازی	۱۹۵۷ء
(۶) انوارِ اقبال	مرتبہ: بشیر احمد ڈار	۱۹۶۷ء
(۷) Letters and Writings of Iqbal	مرتبہ: بشیر احمد ڈار	۱۹۶۷ء
(۸) مکاتیبِ اقبال بنام گرامی	مرتبہ: محمد عبداللہ قریشی	۱۹۶۹ء

زیرِ نظر ـــــ

"خطوطِ اقبال" ـــ حضرت علامہ کے خطوں کا نواں مجموعہ ہے۔ اس میں اقبالؔ کے ۱۱۱ غیر مدوّن اور غیر مرتب خطوط (اردو: ۹۲، انگریزی: ۱۹) جمع کیے گئے ہیں۔ ان میں ۱۹ انگریزی خطوط کے اصل متن اور دس اردو و انگریزی خطوط کی عکسی نقول بھی شامل ہیں۔

"خطوطِ اقبال" میں حضرتِ علامہ کے صرف ایسے خطوط شامل ہیں جو:

(۱) مکاتیب کے متذکرہ بالا آٹھ مجموعوں میں سے کسی میں موجود نہیں۔

(ب) اگر کوئی خط کسی مجموعے میں شامل تو ہے مگر نامکمل شکل میں۔ یا اس کا متن صحت کے ساتھ نقل نہیں کیا گیا یا اگر انگریزی خط ہے تو اس کا ترجمہ غلط یا ناقص ہے ـــ اس لحاظ سے زیرِ نظر مجموعے میں چند خطوط ایسے بھی ہیں جو سابقہ مجموعوں میں موجود تو ہیں مگر ان کا مکمل اور صحیح متن پہلی بار منظرِ عام پر آرہا ہے۔

لہ "اقبال کے خطوط، جناح کے نام" الگ کتابچے کی شکل میں بھی دستیاب ہے مگر یہ سارے خطوط "اقبال نامہ" میں شامل ہیں۔ اس لیے خطوط کے اس کتابچے کو ایک علیحدہ مجموعہ کے طور پر شمار نہیں کیا گیا۔

بات ناخوشگوار سہی مگر اظہار ضروری ہے کہ خطوطِ اقبال کے اکثر مرتبین و مترجمین نے اصل خطوط پڑھنے خطوں کے متن نقل کرنے اور انگریزی خطوں کا اردو ترجمہ کرنے میں خاصی بے احتیاطی سے کام لیا ہے مثلاً:

❋ اقبال کے بعض خطوط روزنامہ "انقلاب" اور روزنامہ "زمیندار" میں شائع ہوتے رہے۔ ان خطوط کو "گفتارِ اقبال" میں نقل کیا گیا۔ میں نے "انقلاب" اور "زمیندار" کے پرچے تلاش کر کے جب مطبوعہ متون سے موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ نقل نویسی میں بے احتیاطی کے سبب بعض جگہ کئی الفاظ اور کئی مقامات پر کئی کئی جملے چھوٹ گئے ہیں (خطوط کے حواشی میں ایسے مقامات کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو: مکتوب ۳۶، ۵۱، ۶۷

❋ ایک خط میں القاب "مخدومی" ہے مگر ایک صاحب نے نقل کرتے ہوئے اسے "محترمی" بنا دیا۔ (مکتوب ۲۲) ایک انگریزی خط کا القاب sir ہے اسے نقل کرتے ہوئے Dear sir بنادیا گیا (مکتوب ۲۲) ایک اور خط میں "اللّٰھم زدفرد" کا عربی جملہ چھوڑ دیا گیا اور "جولائی" کو "جون" سے تبدیل کر دیا گیا (مکتوب ۶۱ وغیرہ۔)

❋ بعض اوقات ایک ہی خط کو دو مختلف مقامات پر مختلف اشخاص نے نقل کیا ایسے متون میں کئی اختلافات نظر آئے۔ مثلاً مکاتیب ۶۱، ۶۴، ۶۷ وغیرہ۔ لاپروائی کا نتیجہ کبھی یوں ظاہر ہوا کہ مثلاً اکبر شاہ خان نجیب آبادی کے نام ایک خط دو جگہ نقل ہوا ہے، اس میں ایک جملے کی شکل تبدیل ہو گئی ہے:

(۱) "... زندگی کے تمام واقعات ایک شعر میں بند کر دیے ہیں" (اقبال نامہ حصہ اوّل ص ۷۰)

(۲) "... زندگی کے تمام واقعات ایک شعر میں جمع کر دیئے تھے" (اقبال کے آخری دو سال ص ۱۲)

اصل خط سامنے نہیں، اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ جملے کی صحیح شکل کیا تھی۔

❋ انگریزی خطوط کے اردو ترجموں میں اس سے بھی زیادہ لاپروائی برتی گئی مثلاً:

پنڈت نہرو کے نام انگریزی خط کے تین مختلف اردو ترجمے ملتے ہیں:

(۱) پہلے ترجمے میں Ahmadi Press کا ترجمہ "احمدی جماعت" کیا گیا ہے ———

continued illness کا ترجمہ "مستقل بیماری" اور ———

a life practically of retirement.

کا ترجمہ "مسلسل گوشہ نشینی کی زندگی" کیا گیا۔

(۲) دوسرے ترجمے میں مندرجہ ذیل انگریزی عبارت

Indeed, the main reason why I wrote a reply was to show, especially to you, how Muslim loyalty had originated and how eventually it had found a revelational basis in Ahmadism

کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

"بلاشبہ یہ جواب لکھنے کا اہم سبب یہ تھا کہ میں بالخصوص آپ پر یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی وفاداری کا اصل سرچشمہ کیا ہے اور احمدیت میں کس طرح اس کو نیا رنگ دیا گیا ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس ترجمے کو کسی اعتبار سے بھی درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔

میرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ خطوط کے متون کو نقل یا ترجمہ کرنے میں معمولی سی بے احتیاطی کو بھی راہ نہیں ملنی چاہیے۔ متن کی صحت کا خیال رکھنا کس قدر ضروری ہے۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایک خط کے دو مختلف متون میں ۲۴ اختلافات بھی دریافت ہوئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض خطوط کے نقل کرنے میں کئی کئی سطور چھوڑ دی گئی ہیں۔ علمی نقطۂ نظر سے غور کیجیے تو مستفیدین کے ہاں اس طرح کی بے احتیاطی، کسی قوم کے علمی مذاق کے افسوسناک معیار کا پتہ دیتی ہے۔

میں نے اوّل تو خطوط کی عکسی نقول مہیا کرنے کی کوشش کی اور جس قدر خطوں کی عکسی نقول مل سکیں، انہیں سامنے رکھ کر، خطوط کے متون نقل کرنے میں حتی الامکان پوری احتیاط سے کام لیا، یہاں تک کہ حضرت علامہ کا اصل املا بھی جوں کا توں برقرار رکھا ہے۔ اسی طرح اگر تاریخ کسی خط کے آغاز میں درج ہے تو آغاز ہی میں درج کی، اگر آخر میں ہے تو آخر میں۔ خط میں سن "۱۶" لکھا ہے تو اسے "۱۹۱۶" نہیں بنایا یعنی نقل نویسی میں نقل کی اصل سے مطابقت کو برقرار رکھا گیا ہے۔ پھر جن خطوں کی عکسی نقول دستیاب نہیں ہو سکیں، دوسرے ذرائع سے امکانی حد تک ان کا صحیح متن دریافت کرنے کی سعی کی گئی۔ اس کے باوجود کئی خطوط کے دو دو متن ملے

چنانچہ نسبتاً زیادہ قابلِ ترجیح متن اختیار کر کے اختلافات کی نشان دہی، حواشی میں کر دی گئی۔ اسی طرح انگریزی خطوط کے ترجموں میں بھی خاصی احتیاط سے کام لیا ہے۔ جس جس انگریزی خط کا متن دستیاب ہو سکا وہ اُردو ترجمے کے ساتھ درج کر دیا گیا ہے تاکہ قارئین ترجمے کا موازنہ اصل متن سے کر سکیں۔ ترجمے کے ضمن میں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ میں نے انگریزی خطوط کے القاب کا اردو ترجمہ نہیں کیا بلکہ انہیں جوں کا توں رہنے دیا ہے کیوں کہ اوّل تو ان القاب کا ایسا مناسب و موزوں ترجمہ کرنا آسان نہیں جو پوری طرح اس مفہوم کو ادا کرے جو خط لکھتے ہوئے علامہ اقبال کے ذہن میں، کسی خاص مکتوب الیہ کے لیے موجود تھا دوسرے ڈیر سر، مائی ڈیر اکبر وغیرہ ایسے القاب ہیں جو حضرتِ علامہ نے اپنے اردو خطوں میں بھی کئی جگہ استعمال کئے ہیں اس لیے ایسے القابات کو اردو میں بھی علیٰ حالہٖ برقرار رکھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

"خطوطِ اقبال" پانچ حصوں میں منقسم ہے:

(۱) پہلے حصے میں اقبال کے پورے ذخیرۂ مکاتیب پر ایک تحقیقی و تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ حضرتِ علامہ کے مختلف مجموعہائے مکاتیب کے مختصر جائزے کے ساتھ، اقبالیات میں مکاتیب کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ تنقیدی جائزے میں علامہ کی خطوط نویسی کے انداز، مکاتیب کے علمی، تاریخی اور سوانحی پہلو اور اُن کے اسلوبِ نثر پر اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ آخر میں مکاتیبِ اقبال کی تدوینِ نو کے سلسلے میں چند تجاویز بھی پیش کی گئی ہیں۔

(۲) دوسرا حصہ اقبال کے ایک سو گیارہ اردو اور انگریزی غیر مدوّن اور غیر مرتب خطوط پر مشتمل ہے جنہیں تاریخ وار مرتب کیا گیا ہے تاہم بعض صورتوں میں تاریخی ترتیب کو نظر انداز کر کے موضوعاتی ترتیب کو فوقیت دی گئی ہے۔

عمومی روش سے ہٹ کر، میں نے یہ طریق اختیار کیا ہے کہ ہر خط کے آغاز میں مکتوب الیہ کا مختصر تعارف، حضرتِ علامہ سے تعلقات و مراسم کی نوعیت اور پیشِ نظر مکتوب کا پس منظر بیان کر دیا ہے۔ اس کے بعد اصل مکتوب کا متن جلی خط میں دیا ہے۔ خط کے متن میں اگر کسی شخصیت، تحریک، کتاب یا مسئلے کا ذکر آیا ہے تو حواشی میں اختصار کے ساتھ اس کا تعارف کرا دیا ہے اور مبہم اشارات کی قدرے وضاحت

کر دی ہے۔ بعض مقامات پر حواشی قدرے طویل ہو گئے ہیں مگر مکاتیب کی تفہیم کے لیے ایسا ہونا ناگزیر تھا۔ ممکن ہے علمائے اقبال ان حواشی کو غیر ضروری تفصیل قرار دیں مگر میرے پیشِ نظر وہ عام قارئین ہیں جن کے لیے حواشی اور تعلیقات کے بغیر خطوط کے بعض مقامات کو سمجھنے میں دقت پیش آسکتی ہے۔ سابقہ مجموعوں میں بجز "مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی" اور "مکاتیب اقبال بنام گرامی" کے کسی بھی مجموعے میں اس بات کا خیال نہیں رکھا گیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ہمیں متعدد مقامات کو سمجھنے میں الجھن پیش آتی ہے۔ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ حواشی اور تعلیقات کی اہمیت اور قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ پھر یہ کام آج جتنا آسان ہے، شاید چند برسوں کے بعد اس قدر سہل نہ رہے بلکہ ممکن ہے کہ بہت سی معلومات ہماری دسترس میں نہ رہیں۔ اسی لیے میں نے حواشی فراہم کرنے میں کسی قدر اہتمام سے کام لیا ہے۔

اسی حصے میں جامعۂ ازہر کے شیخ، محمد مصطفےٰ المراغی کے نام حضرت علامہ کے ایک عربی خط کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہ متن مکمل نہیں تاہم اردو ترجمہ مکمل شکل میں دیا جا رہا ہے۔ معلوم نہیں یہ عربی متن اقبال کا اپنا لکھا ہوا ہے یا اسے کسی اور شخص نے ڈرافٹ کیا تاہم اس اعتبار سے اہم ہے کہ عربی میں یہ اُن کا واحد خط ہے جو دستیاب ہوا۔ اس خط کا عربی متن اور مکمل اردو ترجمہ پہلی بار منظرِ عام پر آرہا ہے (اس کے ساتھ ہی قارئین کی دلچسپی کے لیے جناب المراغی کا جوابی عربی خط اور اس کا اردو ترجمہ بھی دیا جا رہا ہے)

(۳) کتاب کا تیسرا حصہ چند ضمیموں پر مشتمل ہے۔ خطوط کے متن سے متعلق بعض امور ایسے تھے جن کی تفصیلی وضاحت، حاشیے میں ممکن نہ تھی۔ لہٰذا ایسے مفصل حواشی کو ضمیموں کی صورت میں اس حصے میں جمع کر دیا گیا ہے۔

(۴) مکاتیبِ اقبال کے بعض مجموعوں (مثلاً اقبال نامہ، اور انوارِ اقبال وغیرہ) میں خطوط کی ایک بڑی تعداد کو جمع تو کر دیا گیا ہے مگر مرتبین نے یہ وضاحت نہیں کی کہ مختلف خطوط کہاں سے اور کس ذریعہ سے حاصل ہوئے۔ آیا انھوں نے اصل خطوط ملاحظہ کیے یا محض ان کی مطبوعہ یا غیر مطبوعہ نقول ہی دستیاب ہوئیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض خطوط کو مشکوک ٹھہرایا گیا۔ بنابریں ہر خط کے ماخذ کی نشان دہی نہایت ضروری ہے کتاب کے اس حصے میں "خطوطِ اقبال" میں مشمولہ تمام خطوط کے ماخذ پر بحث کی گئی ہے۔ میں نے اپنے علم کی حد تک ہر خط کے بارے میں بالتفصیل وضاحت کی ہے کہ سب سے پہلے وہ کہاں شائع ہوا؟ اگر اسے دوبارہ یا سہ

بارہ کہیں نقل کیا گیا تو کہاں ؛ نقل نویسی میں کس حد تک احتیاط یا بے احتیاطی برتی گئی ؛ اصل خط یا اس کی عکسی نقل دستیاب ہے یا نہیں ؛ انگریزی خط ہے تو اس کا اردو ترجمہ شائع ہوا یا نہیں ؛ اگر ایک سے زائد ترجمے کیے گئے تو ان کی خوبیوں اور خامیوں سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بتایا ہے کہ میرا ماخذ کیا ہے اور کن وجوہ کی بنا پر کسی خاص متن کو اختیار کیا گیا اور دوسرے متون کو رد کیا گیا ہے ۔ ماآخذ کی بحث عام قارئین کے لیے کسی دلچسپی کا باعث نہیں ہوسکتی اس لیے خطوط سے علیٰحدہ کتاب کا ایک الگ حصّہ اس کے لئے مخصوص کیا گیا ہے

(۵) "کتابیات" کے تحت اُن تمام کتب و رسائل کی فہرست دی گئی ہے جن سے خطوط کے متن اور حواشی وغیرہ کی ترتیب کے سلسلے میں ، میں نے استفادہ کیا ہے ۔

(۶) آخر میں ایک مفصّل "اشاریہ" بھی شاملِ کتاب کیا گیا ہے ۔

☆ ☆

"خطوطِ اقبال" ، مکاتیبِ اقبال کا نواں مجموعہ ہے ۔ مزید تلاش کے بعد ممکن ہے حضرتِ علامہ کے مزید کچھ خطوط دستیاب ہوجائیں لیکن سرِدست یہ کہا جا سکتا ہے کہ زیرِ نظر مجموعے کی تدوین کے ساتھ ہی شاعرِ مشرق کا پورا ذخیرۂ مکاتیب بتمام و کمال ان نو مجموعوں میں جمع و محفوظ کیا جا چکا ہے ۔ البتہ شاد کے نام اقبال کے پچاس خطوط : (مرتبہ : محمد عبداللہ قریشی ، مشمولہ : "صحیفہ" اقبال نمبر - حصّہ اول ، ۱۹۷۳ء) ایک استثنیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ انہیں بوجوہ زیرِ نظر مجموعے میں شامل نہیں کیا گیا ۔

"خطوطِ اقبال" میں مشمولہ ایک سو گیارہ خطوط کی تلاش و جستجو ، حصولِ نقول ، جمع و ترتیب ، پھر مکتوب الیہم کے حالات ، مختلف خطوط کے سیاق و سباق ، پیش منظر و پس منظر اور متونِ خطوط سے متعلق طویل و مختصر حواشی کی فراہمی کے سلسلے میں مجھے کاوش و کوشش اور تگ و دو کے جن " دو چار بہت سخت مقامات " سے گزرنا پڑا ، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ان " مقامات " کو میرے لیے آسان بنا دیا اور مجھے زیرِ نظر مجموعے کی ترتیب و تدوین کی توفیق بخشی ۔ مجھے امید ہے کہ قارئین ، اس مجموعے کو مزید بہتر و مکمل بنانے کے سلسلے میں اپنے قیمتی مشوروں سے نوازیں گے ۔

اہم بات تو یہ ہے کہ زیرِ نظر مجموعے کی صورت میں ، میں نے اس اندازِ ترتیب و تدوین کی ابتدائی

جھلک دکھانے کی کوشش کی ہے۔ جس انداز میں "کلیاتِ مکاتیبِ اقبال" کی ایک جامع تدوین اقبالیاتی ادب کی نہایت اہم ضرورت ہے۔

اس مجموعے کی ترتیب و تدوین جن بزرگوں اور دوستوں کی مدد سے ممکن ہو سکی، اُن میں میرے عزیز دوست قاضی افضل حق قریشی سرِ فہرست ہیں۔ پرانے رسائل و کتب سے بعض خطوط کی بازیافت انہی کا کارنامہ ہے۔ برادرم پروفیسر خورشید رضوی نے عربی اور بعض انگریزی خطوط کے ترجمے کیے اور بعض تراجم اور مسودے کی تدوین کے ضمن میں قیمتی مشورے عطا کیے۔ ڈاکٹر وحید قریشی، ڈاکٹر غلام جیلانی برق، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، سید اسعد گیلانی، جناب محمد عبداللہ قریشی، ڈاکٹر سید معین الرحمٰن، پروفیسر احمد اعجاز پیرزادہ، سردار محمد رب نواز خان، سردار کریم نواز خان، پروفیسر رحیم بخش شاہین، پروفیسر غلام مرتضیٰ شاکر ترک، پروفیسر اختر راہی، جناب محمد حنیف شاہد، جناب عابد نظامی اور پروفیسر عبدالمجید خاں نے بعض گرانقدر معلومات فراہم کیں۔ یہ اصحاب کا تہِ دل سے ممنون ہوں۔

سرگودھا کے احباب کے تعاون اور نیک تمناؤں کے بغیر اس کام کی تکمیل آسان نہ تھی، چنانچہ میرے لیے ڈاکٹر وزیر آغا، ڈاکٹر سہیل بخاری، پرنسپل غلام جیلانی اصغر، جناب انور سدید، پروفیسر انیس احمد اعظمی اور پروفیسر سجاد نقوی کا شکریہ بھی واجب ہے۔ میں اُن تمام مصنفین کا بھی شکر گزار ہوں، جن کی گرانقدر تصانیف و مقالات سے میں نے استفادہ کیا اور جن کے بغیر اس مجموعے کی تدوین ممکن نہ تھی۔

استاد الاساتذہ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب نے زیرِ نظر مجموعے کا پیشِ لفظ تحریر فرمایا ہے۔ ان کے لطف و شفقت کا شکریہ ادا کرنا آسان نہیں مگر اس مشفقانہ حوصلہ افزائی کا اعتراف بہرطور واجب ہے۔

رفیع الدین ہاشمی

۱۹ر مئی ۱۹۷۶ء

(۱)

اقبال کے خطوط

(مکاتیب کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ)

(۱)

- اقبالیات میں مکاتیبِ اقبال کی اہمیت
- اقبال کی مکتوب نویسی
- خطوط نویسی میں مستعدی اور باقاعدگی
- خطوط میں اختصار
- خطوط کی اشاعت
- مکاتیبِ اقبال کے مختلف مجموعے

شادِ اقبال۔ اقبال کے خطوط، جناح کے نام۔ اقبال نامہ، جلد اوّل دوم۔ مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الد[illegible]۔ اقبال از عطیہ بیگم۔ مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی۔ انوارِ اقبال۔ مکاتیبِ اقبال بنام گرامی

Letters and writings of Iqbal.

- مکاتیبِ اقبال کی تدوینِ نو کے سلسلے میں چند تجاویز

(۲)

- ایک قلندر کی خط نویسی
- مکاتیب اور حیاتِ اقبال
- مکاتیب میں اقبال کی شخصی عظمت
- القاب میں تنوع
- مکاتیب کا علمی اور تاریخی پہلو
- تصانیفِ اقبال کا پس منظر
- مکاتیب کا اسلوب

۱

علامہ اقبال کی شہرت و عظمت کا سارا مدار ان کی شاعری پر ہے۔ ان کی شاعری کے حوالے سے ہی انہیں ایک عظیم مفکر، فلاسفر اور شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ شعری مجموعوں سے قطع نظر، اقبال کے نثری ذخیرے پر بہت کم توجہ دی گئی ہے اور نثری ذخیرے کے خطبات، مقالات و مضامین، تقاریر و بیانات، اور مکاتیب ہیں سے مؤخر الذکر یعنی اقبال کے خطوط بے توجہی کا سب سے زیادہ شکار ہوئے ہیں۔ ان کی نثری تحریروں کے مختلف مجموعے متعدد بار چھپ چکے ہیں اور اب علامہ کا شاید ہی کوئی مضمون، مقالہ یا بیان ایسا ہو جو کسی نہ کسی مجموعے میں شامل ہونے سے رہ گیا ہو۔ البتہ مکاتیبِ اقبال معقول طریقے سے مرتب و مدوّن نہیں ہو سکے۔ مکاتیب کے جو مجموعے شائع ہوئے، وہ بھی بس ایک ہی بار چھپ کر رہ گئے، ایک آدھ مختصر مجموعے کے سوا کسی مجموعۂ مکاتیب کی دوسری اشاعت کی نوبت نہیں آسکی۔

اقبالیات کے سلسلے میں یہ بڑی تعجب انگیز بات ہے کہ اقبال کی شخصیت کے مطالعے اور ان کے شعر و فلسفے کی تفہیم کے لیے ان کے مکاتیب جس قدر اہم اور بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اسی قدر ان سے اعراض و اغماض برتا گیا۔ اس بے توجہی کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اقبال کے خطوط ان کی باقاعدہ "تصنیف" کی ذیل میں نہیں آتے۔ مکاتیبِ اقبال کا کوئی مجموعہ اقبال کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا کیونکہ غالب کی طرح اقبال بھی اپنے خطوط کی اشاعت کو ناپسند کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے بعض مکتوب الیہم کو خط محفوظ رکھنے سے منع کیا۔[۱]

---

[۱] "امید ہے آپ میرے خطوں کو اشاعت کے خیال سے محفوظ نہ رکھتے ہوں گے۔" (مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان مرحوم ص ۱۴۲)

لیکن یہی چیز ان کے خطوں کے مطالعے کو زیادہ ضروری اور تفہیمِ اقبال کے لئے انہیں زیادہ اہم بنا دیتی ہے۔ غالب نے بھی اپنے خطوں کو چھاپنے سے منع کیا تھا لیکن ان کے مکاتیب کا ایک ایک پرزہ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالا اور شائع کیا گیا اور آج مکاتیبِ غالب کے بغیر، مطالعہ غالب نامکمل رہتا ہے۔ غالبیات میں مکاتیبِ غالب کی جو اہمیت ہے، اقبالیات میں مکاتیبِ اقبال کی اہمیت کسی صورت بھی اس سے کم نہیں بلکہ شاید اس سے زیادہ ہی ہوگی۔

اقبال ایک بسیار گو شاعر تو نہ تھے مگر مکتوب نویسی کے بارے میں ان کی "زود گوئی اور بسیار گوئی" سے انکار مشکل ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں بلا مبالغہ ہزاروں ہی خطوط لکھے ہوں گے اور اس کا سبب ان کی عظیم الشان شخصیت ہے۔ اقبال ہندوستان کے علاوہ سمندر پار کے ملکوں میں بھی ایک قادر الکلام شاعر، مفکرِ اسلام اور سیاسی قائد کی حیثیت سے جانے اور پہچانے جاتے تھے۔ معاشرے کے ہر طبقے سے لوگ انہیں بکثرت خط لکھتے۔ زندگی کے دوسرے معمولات سے قطع نظر، خط کا جواب لکھنے میں اقبال کی باقاعدگی ایسی مسلّم ہے کہ ممتاز حسن مرحوم کے اس بیان کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا:

مجھے کسی ایسی شخص کا علم نہیں جس نے اقبال کو خط لکھا ہو مگر جواب سے محروم رہا۔[۱]

اور نہ ڈاکٹر عبد اللہ چغتائی کی اس رائے کو رد کیا جا سکتا ہے:

"میرے خیال میں آج تک کسی کو یہ شکایت نہیں ہوئی کہ اقبال کی طرف سے وہ جوابِ خط سے محروم رہا۔"[۲]

۱۔ دیباچہ: Letters and Writings of Iqbal. کراچی، ۱۹۶۷ء، ص ۵

۲۔ "نویدِ صبح" اقبال نمبر-۱۹۵۲ء، ص ۴۲

باقاعدگی کے علاوہ اقبال، جواب میں ہمیشہ تعجیل بھی مدِنظر رکھتے۔ اقبال کے ہاں جواب کے لئے کاغذ یا پوسٹ کارڈ ہمیشہ کافی تعداد میں گھر میں موجود رہتے۔ اکثر اوقات خط ملتے ہی اسی لمحے جواب لکھ کر حوالۂ ڈاک کر دیتے۔ احبابِ اقبال کے بیانات کے علاوہ مکاتیبِ اقبال کے داخلی شواہد بھی اس کے مؤید ہیں۔

اقبال نے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں خط لکھے۔ زندگی کے آخری دو برسوں کے علاوہ ہمیشہ اپنے ہاتھ سے خط لکھتے تھے۔ مکاتیبِ اقبال کے عکس دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں کا خط نہایت عمدہ، پختہ اور صاف تھا۔ آخری عمر میں بصارت کمزور ہو گئی تو دوسروں سے خط لکھوا کر خود دستخط کر دیتے۔ مکاتیبِ اقبال کے کاتبین میں منشی طاہرالدین، میاں محمد شفیع، ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، سید نذیر نیازی اور جاوید اقبال وغیرہ شامل تھے۔

مکاتیبِ اقبال کی کل تعداد کا حتمی تعین آسان نہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اقبال کے بے شمار خطوط ضائع ہو گئے۔ نواب مشتاق احمد خاں کا بیان ہے کہ ان کے والد مرحوم نواب فخر یار جنگ (سابق وزیر مالیات حکومت آصفیہ اسلامیہ حیدر آباد) کے نام اقبال کے خطوط حیدر آباد پر بھارتی یلغار کے وقت ضائع ہو گئے [۱]۔ اسی طرح مولانا گرامی کے نام اقبال کا ایک خط ایک بسکٹ فروش کی دکان سے پڑیہ کی صورت میں دستیاب ہوا [۲]۔ عطیہ فیضی کے نام اقبال کے بہت سے خطوط بھی تغافل یا مصلحت کی نذر ہو گئے [۳]۔ اس سے قیاس کرنا مشکل نہیں کہ یقیناً اقبال کے سینکڑوں خطوط مکتوب الیہم کی بے توجہی یا بعض

۱۔ "نقوش": خطوط نمبر (اوّل)، ص ۴۵۹

۲۔ "اقبال نامہ" (اوّل)، ص "ح"

۳۔ "اقبال" از عطیہ بیگم۔ ص ۵

دیگر وجوہ سے ضائع ہو چکے ہیں۔ مکاتیب اقبال کی صحیح تعداد کا تعین اس لیے بھی مشکل ہے کہ متعدد مطبوعہ خطوط پرانے اخبارات اور رسائل کے فائلوں میں دب کر گویا معدوم ہو گئے لیکن مکاتیب کی دریافت کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔ بعض افراد اور اداروں کے پاس اقبال کے غیر مطبوعہ خطوط ابھی تک موجود ہوں گے۔ اقبال کے موجود و معلوم مطبوعہ خطوط کی تعداد گیارہ بارہ سو سے کسی طرح بھی کم نہیں، اور اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

اقبال، خطوط نویسی میں مائل بہ اختصار نظر آتے ہیں۔ مکاتیب میں انہوں نے حشو زوائد سے ہمیشہ اجتناب برتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے سینکڑوں خطوط میں سے صرف چند ایک طویل خطوط ملیں گے، اور ان میں سے بھی بیشتر عطیہ فیضی کے نام ہیں۔ باقی خطوں میں اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ مختصر ترین خط شاکر صدیقی کے نام ہے جس کا مضمون صرف ایک مختصر جملے ("میری رائے میں یہ استعارہ درست نہیں") پر مشتمل ہے۔ مکتوب نویسی میں اقبال کی اختصار پسندی کے اسباب و محرکات پر بحث کا یہ موقع نہیں مگر یہاں اس بات کا اظہار بے جا نہ ہوگا کہ اقبال کی اختصار پسندی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس طرح اقبال کے مکاتیب کا ایک عظیم الشان ذخیرہ جمع ہو گیا۔ اگر اقبال اختصار نویس نہ ہوتے تو وہ شاید اتنی بڑی تعداد میں خطوط نہ لکھ سکتے اور یوں اردو ادب، اور اقبالیات کے ایک اہم باب میں بہت بڑا خلا باقی رہتا۔

اقبال اپنے خطوں کی اشاعت کو پسند نہ کرتے تھے۔ خان محمد نیاز الدین خاں کے نام لکھتے ہیں:

"مجھے یہ سن کر تعجب ہوا کہ آپ میرے خط محفوظ رکھتے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ کچھ عرصہ ہوا جب انہوں نے میرے بعض خطوط ایک کتاب میں شائع کر دیئے تو مجھے بہت پریشانی ہوئی کہ خطوط ہمیشہ عجلت میں لکھے جاتے ہیں اور ان کی اشاعت مقصود نہیں ہوتی۔ عدیم الفرصتی تحریر میں ایک ایسا انداز پیدا

کر دیتی ہے جس کو پرائیویٹ خطوط میں معاف کر سکتے ہیں، مگر اشاعت ان کی نظرِ ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیئے۔ اس کے علاوہ میں پرائیویٹ خطوط کے طرزِ بیان میں خصوصیت کے ساتھ لاپرواہ ہوں۔ امید ہے آپ میرے خطوط کو اشاعت کے خیال سے محفوظ نہ رکھتے ہوں گے۔"[1]

چنانچہ اقبال کی اس توقع کے بعد، جو درحقیقت شریفانہ انداز کی ایک درخواست ہے کہ ان کے خطوط نہ تو محفوظ رکھے جائیں اور نہ شائع کیے جائیں، اس عظیم ہستی کی خواہش کے احترام میں بظاہر تو مکاتیبِ اقبال کی حفاظت و اشاعت ایک بے باکانہ جسارت ہے مگر جسٹس ایس۔ اے رحمان کے الفاظ میں "کسی مشہور و معروف علمی و ادبی شخصیت کے نجی خطوط کی اشاعت ایک نازک مسئلہ ہے۔"[2] اور اس نازک مسئلے پر اختلاف ایک قدرتی امر ہے۔ شاید اسی "نزاکت" کے پیشِ نظر "اقبال نامہ" (مرتبہ شیخ عطاء اللہ) کو معدوم کرنے کی کوشش کی گئی۔ مکاتیبِ اقبال کی علمی، تاریخی اور ادبی اہمیت متقاضی ہے کہ نہ صرف انہیں شائع کیا جائے بلکہ ساتھ ہی ہر خط کا پس منظر بھی واضح کیا جائے لیکن دوسری طرف اقبال کی خواہش کہ "اشاعت ان کی نظرِ ثانی کے بغیر نہ ہونی چاہیئے" بھی بڑی اہم ہے۔ میرا خیال ہے کہ حالات و ماحول میں تبدیلیوں کے بعد اور ایک عرصہ گذرنے کے بعد ان خطوط کی اشاعت میں چنداں مضائقہ نہیں۔ مکاتیبِ اقبال کی نشر و اشاعت کے کثیر التعداد اور گوناگوں فوائد کے مقابلے میں اقبال کی یہ خواہش چنداں اہمیت نہیں رکھتی جس کے تحت انہوں نے خط محفوظ نہ کرنے کی توقع ظاہر کی، اقبال کی یہ خواہش بھی خاص حالات کے تحت تھی ورنہ وہ عظیم ادبی شخصیتوں کے خطوط کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے، چنانچہ حاجی محمد احمد خاں صاحب

---

[1] "مکاتیبِ اقبال بنام خان نیاز الدین خان مرحوم" ـــــ ، ص ۲۴

[2] پیش لفظ: "مکاتیب اقبال بنام خان نیاز الدین خان مرحوم"

کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں :

"شاعر کے لٹریری اور پرائیویٹ خطوط سے اس کے کلام پر روشنی پڑتی ہے اور اعلیٰ درجے کے شعراء کے خطوط شائع کرنا لٹریری اعتبار سے مفید ہے۔" [۱]

چنانچہ اقبال کی اس قیمتی رائے کے پیش نظر ان کے خطوں کی اشاعت دنیائے ادب کے لیے باعث افادیت اور ذخیرہ اقبالیات میں بیش بہا اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔

اقبال کی زندگی میں، مکاتیب اقبال کا کوئی مجموعہ شائع نہیں ہوا۔ البتہ وفات کے چند سال بعد ۱۹۴۲ء میں "شاد اقبال" سب سے پہلے مجموعہ مکاتیب کی حیثیت سے شائع ہوا۔ اس کے بعد سے اب تک ان کے خطوں کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے کیونکہ خطوں کی دریافت ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اشاعت پذیر ہونے والے مجموعہ ہائے مکاتیب کی تفصیل حسب ذیل ہے :

شاد اقبال، ۱۹۴۲ء

ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے مہاراجہ کشن پرشاد مدار المہام حیدرآباد دکن کے ساتھ اقبال کی مراسلت مرتب کر کے حیدرآباد دکن سے شائع کی۔ "شاد اقبال" میں اقبال کے اکیاسی خطوط شامل ہیں۔ یہ مجموعہ مکاتیب کمیاب ہے۔ مہاراجہ کے نام اقبال کے مزید پچاس خطوط بعد میں دستیاب ہوئے، جنھیں محمد عبداللہ قریشی نے حواشی کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ [۲] شیخ عطاء اللہ نے "شاد اقبال" سے اٹھارہ خطوط انتخاب کر کے اپنے مجموعہ "اقبال نامہ" (جلد دوم ص ۱۷۲-۲۰۷) میں شامل کیے ہیں۔

---

[۱] انوار اقبال، کراچی، ۱۹۶۷ء ص ۱۱

[۲] ملاحظہ ہو صحیفہ" : اقبال نمبر (حصہ اول) میں محمد عبداللہ قریشی کا مضمون، "نوادر اقبال"۔

❋ اقبال کے خطوط، جناح کے نام، ۱۹۴۲ء

تیرہ خطوں کا یہ مختصر مجموعہ پہلے انگریزی میں شائع ہوا تھا بعد میں عبدالرحمٰن سعید نے ان کا ترجمہ کیا اور حیدر آباد دکن کے ادارہ اشاعتِ اردو نے اس کے کئی ایڈیشن شائع کیے۔ یہ واحد مجموعۂ مکاتیب ہے جس کے متعدد انگریزی اور اردو ایڈیشن منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اس کی کثرتِ اشاعت کا سبب غالباً مجموعے کا اختصار ہے۔ یہ خطوط مئی ۱۹۳۶ء اور نومبر ۱۹۳۷ء کے درمیانی عرصے میں لکھے گئے اور ان کا موضوع اس دور کے ہندی سیاسی صورتِ حال ہے پیش لفظ خطوط کے مکتوب الیہ یعنی قائدِ اعظم محمد علی جناح نے تحریر کیا ہے۔ یہ سارے خطوط شیخ عطاء اللہ کے مرتبہ مجموعے "اقبال نامہ (دوم) میں بھی شامل ہیں۔

❋ اقبال نامہ جلد اوّل ۱۹۴۵ء، جلد دوم ۱۹۵۱ء

یہ مکاتیب اقبال کا سب سے ضخیم مجموعہ ہے جسے شیخ عطاء اللہ نے مرتب کیا۔ اس میں جناح کے نام اقبال کے تیرہ خطوط کے علاوہ شاد کے نام اقبال کے اٹھارہ خطوط اور عطیہ فیضی کے نام اقبال کے دہ نو خط بھی شامل ہیں جو عطیہ بیگم نے بعد میں اپنی کتاب "اقبال" میں شائع کیے۔ "اقبال نامہ" میں بعض اخبارات و جرائد میں شائع شدہ اردو خطوط یا انگریزی خطوط کے اردو تراجم بھی شامل کیے گئے ہیں۔ اس مجموعے کا دیباچہ نواب صدر یار جنگ بہادر ڈاکٹر محمد حبیب الرحمٰن خان شیروانی کے قلم سے ہے۔ اس مجموعے میں بعض خامیاں، کوتاہیاں اور غلطیاں نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہیں، جن میں سے بعض کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے:

(الف) مرتب نے خطوں کے ماخذ کا مجموعی طور پر ذکر کیا ہے لیکن ہر خط کے علیحدہ علیحدہ ماخذ کا حوالہ نہیں دیا گیا۔

(ب) مرتب نے (چند ایک کے سوا) کسی مکتوب الیہ کا تعارف نہیں کرایا۔ حالانکہ خطوط کی تفہیم کے لئے یہ تعارف اشد ضروری تھا۔ جس زمانے میں یہ مجموعہ مرتب کیا گیا، اس وقت مکتوب الیہم کا تعارف نسبتاً آسانی سے میسر تھا جب کہ اب یہ کام کہیں زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔

(ج) مکاتیب کے مطالعے کے دوران میں بے شمار ایسے امور و نکات سامنے آتے ہیں جن کی وضاحت و تشریح ضروری تھی۔ حواشی کہیں کہیں دیے گئے ہیں مگر یہ اتنے قلیل ہیں کہ بے شمار سوالات قاری کے ذہن میں تشنۂ جواب ہی رہ جاتے ہیں۔

(د) معلوم ہوتا ہے کہ مرتب نے تمام خطوط کے اصل متن بذاتِ خود ملاحظہ نہیں کیے اور بعض خطوں کی نقول بلاتصدیق ہی قبول کر کے شاملِ اشاعت کر دی گئی ہیں، چنانچہ اس وجہ سے کئی غلطیاں ہوئی ہیں۔

(ہ) یہ وضاحت نہیں ہوئی کہ اقبال نے کون سا خط اردو میں لکھا اور کون سا انگریزی میں اگرچہ بعض خطوں پر مرتب نے لفظ "انگریزی" لکھ دیا ہے۔ تاہم بعض انگریزی خطوں کے ترجمے پر یہ وضاحت درج نہیں۔ قیاس یہ ہے کہ جن انگریزی خطوں کا ترجمہ درج کیا گیا ہے، ان کا اصل متن بھی مرتب نے خود ملاحظہ نہیں کیا ہوگا۔ حصۂ اوّل کے صفحہ ۲۴۶ پر مکتوب بنام میجر سعید محمد خان کا جو اُردو ترجمہ مندرج ہے وہ اصل انگریزی متن سے مختلف ہے [1]۔ متن میں Thank you for your letter کے الفاظ بھی موجود ہیں جن کا اردو ترجمہ مذکورہ خط میں موجود نہیں۔ اور اردو ترجمے میں یہ الفاظ "ٹیپو ہندوستان کا آخری مسلمان تھا جس کو ہندوستان کے مسلمانوں نے جلد فراموش کر دینے میں بڑی بے انصافی سے کام لیا ہے۔" قطعی زائد ہیں اور مطبوعہ انگریزی متن میں موجود نہیں۔

(و) صغریٰ بیگم ہمایوں مرزا کے نام دوسرے خط (حصۂ اوّل ص ۲۲۱-۲۲۲) کی تاریخ تحریر ۲۸ فروری ۱۹۲۲ء درج کی گئی ہے جب کہ صحیح تاریخ ۱۸ فروری ہے۔ کیونکہ مکتوب الیہ کے مضمون (مشمولہ "اقبال، خواتین کی نظر میں"، ص ۴۴) میں خط کی تاریخ ۱۸ فروری ۱۹۲۲ء درج ہے۔

---

[1] اصل انگریزی خط کے لیے ملاحظہ ہو:
Letters and Writings of Iqbal - ص ۱

(ز) عطیہ فیضی کے نام خط ۹ اور ۱۰ دو خطوط نہیں۔ درحقیقت یہ ایک ہی خط ہے۔ مرتب نے جسے خط ۱۰ بنا کر پیش کیا ہے، وہ درحقیقت خط ۹ کی پشت کی عبارت ہے۔

(ح) حصّہ دوم کے صفحہ ۱۰۰ پر تصدق حسین تاجؔ کے نام جو مکتوب درج کیا گیا ہے۔ اس کے مکتوب الیہ میر حسن الدین ہیں۔ تصدق حسین تاجؔ "فلسفۂ عجم" کے مترجم نہیں، پبلشر تھے۔

(ط) محمد اکبر منیر کے نام خط نمبر ۲ میں اقبال نے فلسفے کی چار اور خط نمبر ۴ میں تین کتابوں کے نام مکتوب الیہ کے مطالعے کے لیے تجویز کئے تھے۔ "اقبال نامہ" کے مرتب نے صرف یہ لکھ کر کہ "اس کے بعد انگریزی میں فلسفہ کی تین کتابوں کے نام دیئے ہیں" اقبالؔ کی مجوزہ کتابوں کے نام اڑا دیئے ہیں۔ اصل خطوط میں یہ بے رحمانہ قطع و برید بڑی کھٹکتی ہے۔ اس طرح ہم ایک خاص دور میں کتبِ فلسفہ کے بارے میں اقبال کے ذہن کو سمجھنے سے محروم رہ گئے۔

(ی) حصّہ دوم کے صفحہ ۲۲۸ — ۲۲۹ پر ماسٹر طالع محمد کے نام دوسرے خط کا انگریزی متن بھی شائع ہو چکا ہے۔ بشیر احمد ڈار نے اس خط کے مکتوب الیہ کا نام سردار ایم۔ بی احمد بتایا ہے[1]

(ک) حصّہ دوم کے صفحہ ۳۰۳ کی دوسری سطر میں ایک لفظ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔ اس طرح فقرہ نامکمل ہے۔ ذرا آگے چل کر ایک شعر درج ہونے سے رہ گیا ہے۔ معلوم نہیں وہ کیا شعر تھا۔

(ل) نیاز الدین خان کے نام خطوط (حصّہ دوم ص ۳۱۷ — ۳۲۰) کی تاریخیں غلط ہیں۔ پہلے خط کی تاریخ ۱۴ جنوری ۱۹۲۳ء کے بجائے ۱۴ جنوری ۱۹۲۲ء ہے، اور دوسرے خط میں ۱۴ اپریل ۱۹۱۹ء کے بجائے ۱۹ اکتوبر ۱۹۱۹ء صحیح ہے۔ مذکورہ دونوں خط "مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان" میں علی الترتیب صفحہ ۱۴ و صفحہ ۳۴ پر موجود ہے۔ شیخ عطاء اللہ نے یہ دونوں خط "آفاق" سے نقل کیے ہیں جبکہ مذکورہ بالا مجموعے کے خطوط اصل خطوط کی معتبر نقل ہیں۔

---

[1] "Letters and Writings of Iqbal" مرتبہ بشیر احمد ڈار، ص ۲۳، ۲۴

اس لئے ' اقبال نامہ ' کی تاریخیں غلط ہیں ۔

(م) حصہ دوم کے صفحہ ۳۵۱ پر مندرج خط کے بارے میں بشیر احمد ڈار نے تصحیح کی ہے کہ مکتوب الیہ ، اختر شیرانی نہیں بلکہ پروفیسر محمود شیرانی ، ہیں ؎

اگر بنظرِ غائر " اقبال نامہ " کا مطالعہ کیا جائے تو اس نوعیت کی متعدد خامیوں اور غلطیوں کی نشاندہی کی جا سکتی ہے ۔

" اقبال نامہ " کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ مرتب ، خطوط کی فراہمی کا کام جلد دوم کی اشاعت کے بعد بھی جاری رکھنا چاہتے تھے ۔ ان کا خیال تھا کہ مکاتیبِ اقبال کے عربی ، فارسی اور انگریزی تراجم بھی شائع کیے جائیں گے ۔ مرتب ، ۲ر دسمبر ۱۹۶۸ء کو لاہور میں انتقال کر گئے ۔ معلوم نہیں مرحوم مکاتیبِ اقبال کے سلسلے میں اپنے مجوزہ و موعودہ منصوبوں کو کس مرحلے میں چھوڑ گئے ، اور اگر انہیں کچھ مزید خطوط دستیاب ہوئے تو وہ کیا ہوئے ؟

" اقبال نامہ " کی تدوین و ترتیب میں بلاشبہ متعدد خامیاں ہیں ۔ لیکن مرتب کی یہ خدمت کسی اعتبار سے بھی کم اہم نہیں کہ ان کی مخلصانہ کوششوں سے مکاتیبِ اقبال کا ایک ایسا قیمتی ذخیرہ مدون ہو کر محفوظ ہو گیا کہ اگر وہ تردد نہ کرتے تو شاید آج وہ بہت سے خطوط جو " اقبال نامہ " کے اوراق میں محفوظ ہو گئے ہیں ، عام قاری تو کجا ، محققین تک کی رسائی سے باہر ہوتے اور بہت سے تو گردشِ ایام کی دستبرد کا شکار ہو کر معدوم ہو چکے ہوتے ۔ بہت سی خامیوں کے باوجود " اقبال نامہ " اولیت ، جامعیت اور تنوع کے اعتبار سے مکاتیبِ اقبال کے تمام مجموعوں میں سرِ فہرست ہے ۔

مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان مرحوم ، ۱۹۵۴ء

بزمِ اقبال لاہور کے مرتبہ اور شائع کردہ اس مجموعے میں اقبال کے ۴۷ خطوط شامل

؎ انوارِ اقبال ، ص ۲۸۸

ہیں جو انہوں نے بستی دانش منداں (جالندھر) کے علم دوست رئیس کے نام لکھے۔ اس مجموعے پر تاریخِ اشاعت درج نہیں مگر جسٹس ایس۔ اے رحمٰن کی تاریخ تصدیق (۸ر جولائی ۱۹۵۴ء) سے اندازہ ہوتا ہے کہ مجموعہ ۱۹۵۴ء میں چھپا ہوگا۔ یہ مجموعہ باریک نسخ ٹائپ میں شائع ہوا ہے بعض خطوں کی عکسی نقول بھی شاملِ اشاعت ہیں۔ خط ۴۲ میں اقبال کے متذکرہ بعض اصحاب کے نام اور کوائف مصلحتاً حذف کر دیئے گئے ہیں۔ اس مجموعے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ سوائے ایک خط کے، جو کہیں پس و پیش ہو گیا، تمام اصل خطوط جسٹس ایس اے رحمٰن صاحب نے ملاحظہ کیے اور بدقتِ نظر اس مجموعے کی مشمولہ نقول سے ان کا مقابلہ کر کے تصدیق کی کہ "خطوط مشمولہ مجموعہ ھذا اصل خطوط کی صحیح نقل ہیں"۔ تاہم ترتیب و تدوین میں اس مجموعہ کی سب سے بڑی خامی وہی ہے جس کا ذکر اوپر "اقبال نامہ" کے ضمن میں ہو چکا ہے، کہ بہت سے وضاحت طلب امور و معاملات تشنۂ جواب ہیں۔ اگر خطوط کے ساتھ حواشی کا تردد بھی کیا جاتا تو مجموعے کی قدر و قیمت کہیں زیادہ بڑھ جاتی۔ یہ خطوط کئی اعتبار سے اہم ہیں مثلاً مکتوب نویس اور مکتوب الیہ دونوں اعلیٰ نسل کے کبوتروں کے شائق و ناقد ہیں۔ اقبال کی نجی زندگی کا یہ پہلو بہت دلچسپ ہے۔

اقبال، ۱۹۴۷ء

اصلاً یہ مکاتیبِ اقبال کا مجموعہ نہیں مگر اس میں عطیہ بیگم کے نام اقبال کے دس خطوط شامل ہیں جو کسی طرح بھی نظر انداز کر دینے کے لائق نہیں کیونکہ وہ اقبال کی زندگی کے ایک خاص دَور میں ان کی ذہنی و جذباتی کیفیتوں کے آئینہ دار ہیں۔ اگر یہ خط شائع نہ ہوتے تو شاید اقبال کی زندگی کا ایک اہم رُخ نظروں سے اوجھل رہتا۔ اقبال کے پورے ذخیرۂ مکاتیب میں سے غالباً صرف یہ دس خطوط ہی ایسے ہیں جو اقبال کی ذاتی، شخصی اور جذباتی زندگی سے براہِ راست متعلق ہیں۔ ان میں انہوں نے اپنے قلبی اور ذہنی احساسات کو، جو اس زمانے میں بے حد نازک تھے، اپنے قلم سے بیان کیا ہے۔ اسی لیئے ان خطوں کا اسلوب دوسرے خطوں سے خاصا مختلف ہے۔ یہ کتاب اوّل انگریزی میں شائع ہوئی۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں اقبال اکیڈیمی کراچی

نے اس کا اردو ترجمہ (از ضیاء الدین برنی) شائع کیا۔ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ آخر میں ایک کے سوا تمام خطوط کی عکسی نقول شائع کی گئی ہیں۔ ایک خط (محررہ ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء) کی عکسی نقل شاملِ اشاعت ہے۔ مگر اردو ترجمہ کتاب میں موجود نہیں۔ ہندوستان میں دوسرا اردو ترجمہ ڈاکٹر منظر عباس نقوی نے کیا ہے۔ تیسرا ترجمہ (از: عبدالعزیز خالد) آئینہ ادب لاہور نے شائع کیا ہے۔

مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی، ۱۹۵۷ء

۱۸۲ خطوں کا یہ مجموعہ اقبال اکیڈیمی کراچی نے شائع کیا تھا۔ ایک کے سوا تمام خطوط سید نذیر نیازی کے نام ہیں۔ اس مجموعے کی دو امتیازی خصوصیات بہت نمایاں ہیں۔ اوّل: یہ مجموعہ اس بنیادی خامی سے پاک ہے جو تمام سابقہ مجموعہ ہائے مکاتیب میں پائی جاتی ہے مرتب نے ہر مکتوب کے وضاحت طلب امور کو حتیٰ الامکان اختصار کے ساتھ واضح کر دیا ہے اس طرح ہر خط کا پس منظر بھی قارئین کے سامنے آجاتا ہے اور خط پڑھتے ہوئے نہ کہیں الجھن ہوتی ہے اور نہ کوئی امر وضاحت طلب رہتا ہے۔ دوم: مرتب نے مکاتیب کے پس منظر کی وضاحت کے ذیل میں اقبال سے متعدد ملاقاتوں، ان کے حضور نشستوں اور ان کی گفتگوؤں اور فرمودات کو بھی محفوظ کر دیا ہے۔ یہ قیمتی وضاحتیں، جہاں تفہیم مکاتیب میں بہت معاون ہیں۔ وہاں بجائے خود ملفوظاتِ اقبال کا قیمتی سرمایہ اور اقبالیات میں اہم اضافہ ہیں۔ ایک دو کے سوا تمام خطوط اردو میں ہیں۔ انگریزی خطوط کو من وعن انگریزی متن کے ساتھ شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ مرتب نے ہر سال کے خطوط الگ الگ ترتیب دیے ہیں اور آغاز میں ان نمایاں موضوعات و امور کو بطور عنوان درج کر دیا ہے، جن پر اقبال نے اس سال کے دوران میں لکھے جانے والے خطوط میں بحث یا اظہارِ خیال کیا ہے۔ بیشتر خطوط ۱۹۳۴ء وما بعدہٗ لکھے گئے ہیں۔ اس لیے ان میں زیادہ تر اقبال کی صحت، بیماری کی مختلف کیفیات اور علاج و ادویہ کا ذکر ہے مگر اس کے علاوہ اہم ملکی، ملی، علمی اور اجتماعی و معاشرتی امور پر بھی خطوط ملتے ہیں۔ آخر میں "خاتمۂ سخن" کے تحت ان تمام امور پر وضاحتی نوٹ درج کیے ہیں جو خطوط میں زیر بحث

آئے۔ سب سے آخر میں اسماء و اعلام کا ایک مفصل اشاریہ بھی شاملِ مجموعہ کیا گیا ہے۔ ترتیب و تدوین کے اعتبار سے یہ مجموعہ بہترین ہے۔

❊❊ انوارِ اقبال، ۱۹۶۷ء

بشیر احمد ڈار کی مرتبہ یہ کتاب، مجموعۂ مکاتیب نہیں مگر اس میں غالب تعداد خطوط کی ہے۔ اس کتاب میں اقبال کے ۱۸۵ ایسے خطوط شامل ہیں" جو یا تو سرے سے کہیں شائع ہوئے ہی نہیں یا اگر شائع ہوئے بھی تو کسی باقاعدہ مجموعے میں شامل نہیں" بعض خطوط کی عکسی نقول بھی دی گئی ہیں۔ اقبال کے دو فارسی خطوط بنام سعید نفیسی بھی اس کتاب میں درج کیے گئے ہیں۔ اقبال کے پورے ذخیرۂ مکاتیب میں غالباً یہی دو خطوط ایسے ہیں جو انہوں نے فارسی میں لکھے ہیں۔

اس مجموعے کی خامیاں حسبِ ذیل ہیں:

(الف) مرتب نے خطوط کے حواشی میں وضاحت طلب امور کی تشریح کسی حد تک ضرور کی ہے مگر پوری طرح نہیں ہو سکی جس کے سبب متعدد خطوط کا پس منظر سامنے نہیں آ سکا اور بہت سے امور غیر واضح رہ گئے۔

(ب) دوسری کمی ماخذ کی ہے۔ مرتب نے اگرچہ یہ تو بتایا ہے کہ یہ تمام خطوط اقبال نے اردو میں لکھے لیکن تصدیق نہیں کی کہ تمام خطوط نقل مطابق اصل ہیں اور نہ یہ بتایا کہ ہر خط کا ماخذ کیا ہے۔

(ج) صفحہ ۱۷۴-۱۷۷ پر وحید احمد مدیر "نقیب" کے نام دو خطوط پر یہ نوٹ درج ہے:

" اقبال نامہ حصہ اول ص ۴۲۵ - ۴۲۸ میں یہی خطوط عشرت رحمانی کے نام سے درج ہیں لیکن بقول جناب عابد رضا بیدار "یہ خطوط وحید احمد کو لکھے گئے" یہاں "یہ بھی خطوط" سے ڈار صاحب کی مراد کیا ہے؟ " اقبال نامہ حصہ اول (ص ۴۲۵-۴۲۸) میں مندرج خطوط ڈار صاحب کے پیش کردہ خطوط سے مختلف ہیں۔

(د) ظفر احمد صدیقی کے نام خط (ص ۲۱۷) غیر مطبوعہ نہیں بلکہ اس سے پہلے "اقبال نامہ"

حصّہ اول میں ص ۲۰۱، ۲۰۵ پر موجود ہے۔ شیخ عطاء اللہ نے اس خط کی عکسی نقل تک شائع کی ہے۔

(ہ) صفحہ ۲۸۸ پر مندرج خط بنام محمود شیرانی اس سے پہلے "اقبال نامہ" (دوم ص ۳۵۱) میں شائع ہو چکا ہے، لہٰذا غیر مطبوعہ نہیں۔ البتہ "اقبال نامہ" میں مکتوب الیہ کا نام غلط درج ہے۔

(و) صفحہ ۲۹۲ پر حکیم ظفریاب علی سے متعلق ایک "خط" نقل کیا گیا ہے مگر درحقیقت یہ خط نہیں، حکیم موصوف کے متعلق اقبال کی ایک رائے یا سرٹیفکیٹ ہے۔ کسی سے تخاطب نہیں کیا اور نہ کوئی لقب و آداب ہے۔

(ز) صفحہ ۱۰۱ پر میر حسن الدین کے نام جو مکتوب درج کیا گیا ہے وہ بھی "اقبال نامہ" (دوم صفحہ ۱۰۰) میں شائع ہو چکا ہے، لہٰذا غیر مطبوعہ نہیں ہے۔ البتہ "اقبال نامہ" کے مرتب نے مکتوب الیہ کا نام تصدق حسین تاج لکھا تھا، جو غلط ہے۔

یہ مجموعہ مارچ ۱۹۶۷ء میں جناب ممتاز حسن صاحب کے پیش لفظ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ بہت سے بکھرے ہوئے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خطوط کو جمع کر دینے کے اعتبار سے یہ مجموعہ، مُرتّب کی ایک قابلِ قدر اور بہت اچھی خدمت ہے۔

Letters and Writings of Iqbal

انگریزی زبان میں اقبال اکیڈیمی کراچی کے زیرِ اہتمام نومبر ۱۹۶۷ء میں شائع شدہ اس کتاب میں اقبال کے ۴۳ خطوط شامل ہیں۔ ان میں ۲۶ خطوط کا اردو ترجمہ اس سے پہلے مختلف مقامات پر شائع ہو چکا ہے۔ اصل انگریزی خطوط پہلی بار منظرِ عام پر آئے ہیں۔ بعض خامیاں اور غلطیاں حسب ذیل ہیں:

(الف) بعض خطوط کے ساتھ مرتب کے مکتوب الیہم کا تعارف اور خطوط کا پس منظر بیان کر دیا ہے اور کہیں یہ اہتمام نہیں ہو سکا۔

(ب) مآخذ کا حوالہ نہ ہونے کی خامی اس مجموعے میں بھی ہے۔

(ج) جن انگریزی خطوط کے اردو تراجم اس سے پہلے مختلف کتب و جرائد میں شائع ہو چکے ہیں ان کا حوالہ نہیں دیا۔

(د) ص ۲۳ کا خط بنام سردار ایم۔ بی۔ احمد بتایا گیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ اس سے پہلے "اقبال نامہ" حصہ دوم (ص ۲۲۸) میں چھپ چکا ہے۔ وہاں مکتوب الیہ کا نام ماسٹر طالع محمد بتایا گیا ہے۔ یوں اس خط کا مکتوب الیہ مشکوک ہو گیا ہے۔

مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، ۱۹۶۹ء

مولانا گرامی کے نام نوے خطوط کا یہ مجموعہ نسخ ٹائپ میں اقبال اکیڈیمی، کراچی کے زیرِ اہتمام اپریل ۱۹۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے کو محمد عبد اللہ قریشی نے اپنے مبسوط مقدمے اور گرانقدر تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ تدوین و ترتیب کے اعتبار سے غالباً پیشتر کے تمام مجموعوں پر فوقیت رکھتا ہے۔ مرتب نے ابتدا میں زیرِ نظر مجموعے کی ترتیب، مولانا گرامی کی شخصیت اور اقبال سے ان کے تعلقات کی نوعیت پر تفصیلی مقدمہ لکھا ہے اور ہر خط کے بعد خط کا پس منظر اور وضاحت طلب امور بیان کئے ہیں، جن سے قاری کو بیش بہا معلومات ملتی ہیں مولانا غلام رسول مہر نے تمہیدی نوٹ میں مرتب کی " دیدہ ریزی اور دماغ کاوی کو ہر اعتبار سے قابلِ قدر اور مستحقِ ستائش" قرار دیا ہے۔ ممتاز حسن صاحب کے پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ خطوط ہر لحاظ سے مستند اور مصدقہ ہیں۔ ان میں سے متعدد خطوط اس سے پہلے "نقوش" اور "اقبال نامہ" میں شائع ہو چکے ہیں۔

☆ ☆ ☆

مطبوعہ مکاتیب کا تحقیقی مطالعہ اس اعتبار سے بہت دلچسپ ہے کہ جو خطوط ایک سے زائد رسائل یا کتابوں میں چھپے ہیں، ان کے متن میں شدید اختلافات پائے جاتے ہیں مثلاً "انوارِ اقبال" میں مشمولہ خطوط بنام منشی محمد دین فوق سب سے پہلے "نقوش" کے مکاتیب نمبر

میں شائع ہوئے ہیں۔ ان خطوں کے متن میں بہت سے اختلافات موجود ہیں۔ بلکہ بعض اوقات اختلافات سے زیادہ تحریف کا گمان ہوتا ہے۔ بہرحال مطبوعہ مکاتیب کا موازنہ، ان کے باہمی اختلافات و تحریفات کی نشاندہی اور مکاتیب کی اصل شکل کی دریافت ایک الگ اور تحقیق طلب موضوع ہے۔

مکاتیبِ اقبال پر مجموعی حیثیت سے نظر ڈالیں تو خطوط محفوظ رکھنے والوں کی اقبال سے محبت و عقیدت اور مرتبین و محققین کی محنت اور استقلال کی داد دینی پڑتی ہے۔ انفرادی حیثیت سے شیخ عطاء اللہ مرحوم کا کام لائقِ تحسین ہے اور اجتماعی طور پر اقبال اکیڈمی، کراچی کی خدمات قابلِ قدر ہیں مگر باقی افراد و اداروں کی کوششیں بھی کم اہم نہیں۔

مکاتیبِ اقبال کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کی ازسرِنو تدوین و ترتیب کی سخت ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل معروضات قابلِ توجہ ہیں:

(۱) اقبال کے اردو اور انگریزی مکاتیب کے الگ الگ کلیات مرتب کر کے شائع کیے جائیں۔

(۲) اردو اور انگریزی مکاتیب کے معتبر اور مستند تراجم بھی شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ انگریزی خطوط کے ترجمے اردو خواں طبقے کے لیے اور اردو خطوط کے انگریزی ترجمے یورپ اور مغرب کے محبانِ اقبال کے لیے ازحد ضروری ہیں۔ انگریزی خطوط کے موجودہ اردو ترجمے بعض اعتبار سے ناقص ہیں۔

(۳) ان مجموعوں میں ہر خط کے مکتوب الیہ کا مفصل تعارف اور اقبال سے اس کے تعلقات کی نوعیت کو بالتفصیل بیان کیا جائے۔ اگر ممکن ہو تو اقبال کے نام ان کے مکتوب الیہم کے خطوط بھی بطور وضاحت شائع کیے جائیں۔ اگرچہ اس سلسلے میں ایک مشکل یہ ہے کہ اقبال اپنے دوستوں کے خطوط محفوظ نہیں رکھتے تھے[1] تاہم جتنے خطوط دستیاب ہو سکیں ان سے فائدہ اٹھانا ضروری ہے۔

---

[1] ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی کا بیان ہے کہ اقبال خط کا جواب لکھنے کے بدلے "ضائع کر دیتے تھے"۔ (نوید صبح: اقبال نمبر ص ۱۴۴)

(۴) ہر خط کے مشمولات اور زیرِ بحث امور کو حواشی میں مفصلاً اس طرح واضح کیا جائے کہ قاری کے ذہن میں کوئی سوال، اُلجھن اور تشنگی باقی نہ رہ جائے۔ ابھی تک یہ کام صرف سید نذیر نیازی اور محمد عبداللہ قریشی کے مرتبہ مجموعوں میں خاطر خواہ طریقے سے ہوا ہے۔

(۵) خطوط کے مآخذ اور حوالوں کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ ہر خط کے ساتھ بتایا جائے کہ یہ کن ذرائع سے حاصل ہوا، اصل خط کی مصدقہ نقل ہے یا غیر مصدقہ اور یہ کہ اصل خط کہاں محفوظ ہے۔

(۶) جن خطوط کے بارے میں ابہام پایا جاتا ہے یا وہ مشکوک ہیں مثلاً لمعہ حیدر آبادی کے نام خطوط کے بارے میں ڈاکٹر تاثیر مرحوم[۱] اور سید عبدالواحد[۲] کا خیال ہے کہ وہ جعلی ہیں محققینِ اقبال پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس ابہام یا شک کو رفع کریں۔ فی الواقع وہ خطوط جعلی ہوں تو انہیں مکاتیبِ اقبال سے خارج کر دیا جائے۔ غالب کے جعلی خطوط کا سراغ لگانے کے مقابلے میں اقبال کے جعلی خطوط کی پہچان نسبتاً آسان ہے۔

(۷) سب سے زیادہ اس امر کی ضرورت ہے کہ جملہ موجود مطبوعہ مکاتیب کا اصل خطوط (یا ان کی عکسی نقول) سے بدقتِ نظر مقابلہ کر کے متن کو درست اور صحیح کیا جائے۔

مکاتیبِ غالب پر جتنا تحقیقی کام ہوا اور جس طرح انہیں مرتب کیا گیا، مکاتیبِ اقبال پر ویسا کام بھی نہیں ہوا، حالانکہ یہ اس سے زیادہ عمیق اور وسیع تحقیق و ترتیب کے متقاضی ہیں، کیونکہ ایک تو تاریخِ اسلامی میں اقبال کی اصلاحی، فکری، فلسفیانہ اور سیاسی حیثیت کے پیشِ نظر ہم اسے غالب کی نسبت زیادہ قریب پاتے ہیں، دوسرے غالب کی نسبت اقبال، زمانے کے اعتبار سے بھی ہم سے زیادہ قریب ہے، اور اس طرح مکاتیبِ غالب کی نسبت مکاتیبِ اقبال کی محققانہ ترتیب و تدوین نسبتاً آسان ہے۔

---

[۱] نیرنگِ خیال، تاثیر نمبر۔ جنوری ۱۹۷۰ء۔ ص ۴۷

[۲] نقشِ اقبال، ص ۱۸۴

۲

مکاتیبِ اقبال کی مستقل اور باقاعدہ تصنیف کی حیثیت نہیں رکھتے لیکن وہ ان کے خیالات اور فلسفہ و افکار کے اظہار اور شرح و وضاحت میں ان کی شعری اور نثری تصانیف سے کم اہم نہیں اور اس اعتبار سے تو مکاتیب کی اہمیت مستقل تصانیف سے بھی بڑھ جاتی ہے کہ وہ اقبال کی شخصی زندگی اس کے گوناگوں رجحانات اور نفسیاتی و جذباتی کیفیتوں کے ترجمان ہیں جب کہ تصانیف میں یہ اتنی وضاحت اور شرح و بسط کے ساتھ موجود نہیں ہیں۔

برِ صغیر کے سینکڑوں اور ہزاروں افراد کو علامہ اقبال سے ملنے اور ان کے ساتھ نشست و برخاست اور گفتگو کا موقع ملا۔ بیسیوں خوش قسمت افراد ایسے بھی ہیں جنہیں شب و روز علامہ کی صحبتوں سے مستفید ہونے اور سفر و حضر میں ان کے حضور رہنے کا اتفاق ہوا۔ مگر ان صحبتوں مجلسوں اور گفتگوؤں اور شب و روز کے نقشوں اور سفر و حضر کی کیفیتوں کو اب تک بہت ہی کم قلم بند کیا جا سکا ہے۔ یہ ذخیرہ اس قدر کم ہے کہ اقبال کی شخصیت کے بہت سے گوشے بدستور پردۂ ابہام میں رہ جاتے ہیں۔ اقبال ایسے مفکر، فلسفی اور شاعر کہیں صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، ایسے رجلِ عظیم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ، ان لمحوں میں رُونما ہونے والے واقعات، ان واقعات کی نوعیت اور ان کا پس منظر اپنی جزئیات و کیفیات کے ساتھ تمام و کمال محفوظ ہونا چاہیئے تھا کیونکہ اقبال کی عظمت اس کی متقاضی تھی لیکن افسوس کہ یہ کام خاطر خواہ طریقے سے نہیں کیا گیا۔ اقبال کے سوانح نگار اگر چاہتے تو بڑی حد تک اس کمی کو پورا کر سکتے تھے مگر ابھی تک ڈھنگ سے اقبال کی کوئی سوانح ہی نہیں لکھی جا سکی۔ اس صورتِ حال میں مکاتیب کا وجود غنیمت ہے۔ مکاتیب میں حیاتِ اقبال کے بہت سے واقعات محفوظ ہیں اور بہت سے ان گوشوں پر روشنی پڑتی ہے جو سوانح نگاروں کی نظروں سے اوجھل رہے اور ان کا ریکارڈ کسی دوسری جگہ نہیں ملتا۔ مکاتیبِ غالب کے بارے میں مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے کہ خطوں میں حیاتِ غالب

کا ایک ایک لمحہ موجود ہے اور اسے ترتیب دے کر غالب کی اچھی سوانح عمری ترتیب دی جاسکتی ہے۔ بعینہٖ یہی بات مکاتیبِ اقبال کے بارے میں کہی جاسکتی ہے نہ صرف یہ کہ مکاتیبِ اقبال کی ایک جامع سوانح حیات کے لئے ٹھوس اور مستند مواد فراہم کرتے ہیں بلکہ مکاتیب کے ذریعہ ان کی شخصیت و نفسیات کے بعض دلچسپ گوشے سامنے آتے ہیں اور ان کے شعر و فلسفہ کی تشریح بھی ہوتی ہے۔

اقبال، خط کا جواب لکھنے میں بہت باقاعدہ اور مستعد تھے۔ ان کے بہت سے خطوں میں اس طرح کے فقرے ملتے ہیں "کل آپ کا خط ملا۔" "ابھی ایک لمحہ پہلے آپ کا خط پہنچا۔" "آپ کا نوازش نامہ ابھی ابھی موصول ہوا۔" مکاتیب کے ذخیرے پر ایک نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ چند ایک مفصل خطوط کو چھوڑ کر اقبال نے ہر جواب میں امکانی حد تک اختصار سے کام لیا ہے۔ خط کے جواب میں تعجیل، مستعدی اور اختصار کے درمیان گہرا ربط موجود ہے اور اس سے اقبال کا ایک شخصی رجحان ظاہر ہوتا ہے۔

اقبال کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ زندگی کے معمولات میں وہ کوئی مستعد اور باقاعدہ شخص نہ تھے۔ بالکل ابتدا ہی سے ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ اور جمود کا رجحان تھا۔ پابندیوں اور ضابطوں سے وہ گھبراتے تھے۔ زمانۂ طالب علمی میں جب وہ گورنمنٹ کالج لاہور کے ہوسٹل میں قیام پذیر تھے انہیں بی اے کا طالب علم ہونے کے سبب علیحدہ کمرہ ملا ہوا تھا۔ اس کمرے میں فرشی نشست جمتی حقے کا دور چلتا، اور گھنٹوں گپ شپ رہتی۔ اقبال میرِ مجلس ہوتے۔ میر غلام بھیک نیرنگ جو ایسی مجلسوں کے چشم دید گواہ ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ "اقبال کی طبیعت میں اسی وقت سے ایک گونہ قطبیت تھی اور وہ "قطب از جانمی جنبد کا مصداق" تھے[1]۔ پابندیوں سے گھبراہٹ کا رجحان اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کے قانون کے امتحان میں ایک بار فیل ہونے کے بعد دوبارہ

---

[1] ۔ اقبال کے بعض حالات، "مجلۂ اقبال"، اکتوبر ۱۹۵۷ء، ص ۵

امتحان میں بیٹھنا چاہتے تھے تو یونیورسٹی میں درخواست دی کہ لیکچرز میں حاضر ہونے کی پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا جائے۔ یونیورسٹی کے ضابطے کے مطابق استثنیٰ کی گنجائش نہ تھی اس لئے یونیورسٹی نے اجازت نہ دی۔ اور اقبالؔ امتحان میں نہ بیٹھ سکے۔ سرکاری ملازمت سے گریز بھی اسی رجحان کا نتیجہ تھا۔ لباس کے معاملے میں وہ بڑے بے تکلف اور لاپروا واقع ہوئے تھے۔ ایک ازار اور تہمد پہنے گھر میں پڑے رہتے۔ کہیں جانا انہیں بہت گراں گزرتا تھا۔ سر عبدالقادر کہتے ہیں:

"اقبال کے ہم نشینوں میں جن میں مَیں بھی شامل تھا کبھی کبھی ان کو "قطب از جا نمی جنبد" کہہ کر چھیڑا کرتے تھے۔ کیوں کہ وہ نقل و حرکت کے معاملے میں بہت تساہل برتا کرتے تھے"[1] کاہلی، جمود، لاپروائی اور بے قاعدگی کے اوصافِ طبع کے ساتھ ایک عام شخص سے خطوں کے جواب میں مستعدی، تعجیل اور باقاعدگی کی توقع عبث ہے لیکن اقبالؔ کی شخصیت اس معاملے میں استثنائی شان رکھتی ہے۔ متذکرہ بالا اوصافِ طبع کے باوجود ان کا باقاعدگی سے خط کا جواب لکھنا ان کی قلندرانہ طبیعت کا ایک پہلو ہے۔ ایسا قلندر اور درویش جو اپنی تمام تر بے نیازی کے باوجود اسلامی اخلاقیات کے اصولوں کو زندگی کے کسی مرحلے پر بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ سلام کا جواب دینا اور خط کا جواب لکھنا اسلامی اخلاقی فرض کا بنیادی تقاضا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے خط کا جواب لکھنا اقبالؔ کے نزدیک مذہبی اور اخلاقی فرض کی ادائیگی سے کم نہ تھا۔ خط کے جواب میں تعجیل اور باقاعدگی اقبالؔ کے احساسِ ذمہ داری اور فرض شناسی کا نتیجہ تھا۔ طبعی اوصاف و رجحانات انسان کے ہر کام میں کسی نہ کسی حد تک ضرور دخل اندازی کرتے ہیں۔ اسی لئے اقبالؔ کی مکتوب نگاری میں باقاعدگی ایک زبردست احساسِ ذمہ داری کا نتیجہ ہونے کے باوجود ان کی سہل انگاری اور بے نیازی کے رجحان کی دخل اندازی سے نہیں بچ سکی۔ مکاتیب کا اختصار اسی دخل اندازی کا نتیجہ ہے۔ ایک طرف ادائیگیٔ فرضِ جواب کا تقاضا کرتی ہے اور دوسری طرف رجحانِ طبع کے ہاتھوں مجبور ہیں کہ اس

---

[1] ادبی دنیا: اقبال نمبر ۱۹۶۷ء ص ۴۳

تکلف اور پابندی سے بلند بجات ملے چنانچہ مکاتیب کے بین السطور اس کشمکش کی جھلک صاف دیکھی جاسکتی ہے۔ کبھی خط پر تاریخ لکھ دی، کبھی بھول گئے۔ خیال آگیا تو آخر میں لکھ دی، ورنہ بلا تاریخ ہی خط روانہ کردیا۔ کبھی تاریخ اور مہینہ لکھ دیا اور سن ندارد۔ کبھی خط ختم کرنے کی جلدی میں الفاظ چھوٹ گئے۔ احساسِ فرض کے ساتھ خط لکھنا شروع کیا مگر جلد ہی طبیعت اکتا گئی اور "زیادہ کیا عرض کروں" قسم کا فقرہ لکھ کر خط ختم کر دیا۔ یہ فقرہ اقبالؔ نے اپنے خطوں کے آخر میں کثرت سے دہرایا ہے۔ خط سے جلد چھٹکارا پانے کے رجحان کو اقبالؔ شعوری طور پر خود بھی محسوس کرتے تھے۔ منشی سراج الدین صاحب کے نام ایک خط لکھا اور خط کے آخر میں ایک تازہ غزل بھی نقل کر دی۔ خط کچھ ایسا طویل نہیں اور غزل بھی چند اشعار کی ہے۔ لیکن غزل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :-

"کاغذ ختم ہوگیا۔ دل بھی اکتا گیا۔ میں سمجھتا ہوں۔ میں نے بڑی ہمت کی کہ اتنے اشعار نقل کر لئے اور آپ کو خط بھی لکھ دیا۔ الحمدللہ۔" [1]

اکبر الٰہ آبادی کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں :-

"کئی دفعہ ارادہ کیا کہ آپ کی خدمت میں استدعا کروں کہ خط ذرا لمبا لکھا کیجئے مگر میں خود لمبا خط لکھنے سے گھبراتا ہوں۔ پھر میرا کوئی حق نہیں کہ آپ کو لمبا خط لکھنے کی زحمت دوں۔" [2]

گویا طویل خط لکھنا اقبالؔ کے نزدیک باعثِ زحمت تھا اور وہ اس زحمت سے اکثر گریز کرتے تھے بلکہ یہ زحمت اٹھانے کی وہ اپنے میں ہمت نہیں پاتے تھے۔ مکاتیب کے دو مزید اقتباس دیکھئے :

"دوسرے سوال کا جواب بہت طویل ہے۔ مگر افسوس کہ طویل خط لکھنے کی نہ ہمت ہے نہ خواہش۔" [3]

---

[1] اقبال نامہ : حصہ اوّل، ص ۲۲

[2] اقبال نامہ : حصہ دوم، ص ۳۹

[3] اقبال نامہ : حصہ دوم، ص ۲۳۹

"آپ کے خط کا جواب حقیقت میں طویل ہے لیکن افسوس کہ میں طویل خط لکھنا تو درکنار معمولی خط و کتابت سے بھی قاصر ہوں۔" [۱]

فی الواقع اقبالؔ جیسے آزاد منش انسان کے لئے بڑی ہمت کا کام تھا کہ انہوں نے اپنی طبعی سہل انگاری کے علی الرغم کثرت سے خطوط لکھے اور یوں ہمارے لئے مکاتیب کا ایک بڑا ذخیرہ فراہم کر گئے۔

مکاتیبِ اقبالؔ میں جو خطوط نسبتاً مفصل ہیں، تعجب ہے کہ وہ یا تو قطعی ذاتی اور پرائیویٹ ہیں یا بالکل معمولی نوعیت کے، جن کا موضوع علمی اور اجتماعی دلچسپی سے متعلق ہے۔ پہلی قسم کے خطوط، عطیہ فیضی کے نام ہیں اور قطعی پرائیویٹ نوعیت کے ہیں کیونکہ اس قسم کے خیالات اقبالؔ نے اپنے کسی اور مکتوب الیہ کے سامنے کبھی ظاہر نہیں کیے عطیہ فیضی کو لکھتے ہیں:

"آپ میرے بارے میں سب کچھ جانتی ہیں۔ اور اسی وجہ سے میں نے اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی جرأت کی ہے۔" [۲]

یہ خطوط حیاتِ اقبالؔ کے ایک خاص دور میں ان کی ذہنی و نفسیاتی کیفیتوں کی ترجمانی کرتے ہیں۔ اسی دور میں بعض اوقات اقبالؔ حسرت و حرماں نصیبی کا شکار نظر آتے ہیں ——— شدتِ جذبات کے سبب قلبی کیفیت کو الفاظ کا جامہ نہیں مل رہا۔ اقبالؔ اور کچھ نہیں کر سکتے تو اپنے آپ پر ہنستے ہوئے اپنا یہ شعر پڑھ دیتے ہیں ؎

اقبالؔ بھی اقبالؔ سے آگاہ نہیں ہے
کچھ اس میں تمسخر نہیں، واللہ نہیں ہے

ان خطوط میں ایک طرح کی تلخی ضرور ہے مگر بناوٹ نہیں۔ اقبالؔ کی صاف گوئی اور

---

[۱] اقبال نامہ: حصہ اوّل، ص ۲۰۵

[۲] اقبال و عطیہ فیضی، ص ۵۳

کھرا پن قابلِ داد ہے۔ ان کا خلوص اور سادہ دلی ان خطوں سے ٹپکی پڑتی ہے۔ یہ خطوط ذخیرۂ مکاتیب میں اس لیے زیادہ اہم ہیں کہ ان سے اقبالؔ کے بعض ایسے خیالات اور ذہنی وارداتوں کا پتہ چلتا ہے جن کا اندازہ ان کے عزیز ترین دوستوں اور احباب کو بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ اقبالؔ نے خود ان احساسات کو کہیں اور بیان کیا ہے۔

مکاتیبِ مفصّل کی دوسری قسم وہ ہے، جن میں اقبالؔ نے بعض علمی نکات و معارف پر بحث کی ہے، اپنے کلام اور افکار کی تشریح کی ہے اور اعتراضات کا جواب دیا ہے اور بعض علمی اور تعلیمی منصوبوں کی وضاحت کی ہے[۱]۔ اسی طرح بعض دیگر مباحث پر اظہارِ خیال کیا ہے جن کا تعلق مکتوب الیہ کی ذات کے ساتھ ساتھ اجتماعی طور پر پورے معاشرے اور ملک و ملّت سے ہے۔

اقبالؔ کی شاعری پڑھ کر ہم مشرق کے عظیم شاعر سے متعارف ہوتے ہیں تو مکاتیبِ اقبالؔ ہمیں ایک عظیم انسان کی شخصی عظمت کا قائل کرتے ہیں۔ خطوط کے بین السطور ہمیں اقبالؔ ایک ایسے مردِ مومن کے روپ میں نظر آتے ہیں جس نے اسلامی اخلاقیات کے تمام عالی شان اصولوں کو اپنی شخصیت میں سمو لیا ہے۔ خطوں کے جواب میں عجلت اور باقاعدگی بجائے خود احساسِ فرض شناسی کا بہت بڑا ثبوت ہے۔ اس پر مزید یہ اہتمام کہ کسی کی دل شکنی نہ ہو، ممکن حد تک ہر ایک کی حوصلہ افزائی کی جائے۔ ہر ایک کا احترام کیا جائے۔ ان خطوط سے اقبالؔ کا طبعی عجز و انکسار، نام و نمود سے گریز، بے تعصبی اور علمی لگن، غیرتِ فقر اور قناعت پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔ محمد عبد اللہ قریشی لکھتے ہیں:

> "اقبالؔ کے ذاتی اوصاف، اخلاص و محبت، مسلم دوستی، وسیع مطالعہ، اسلام سے شیفتگی مسلمانوں کی زبوں حالی پر دلسوزی اور اصلاحِ احوال پر توجہ، دوستوں سے مروّت اور عالمِ انسانیت سے محبت کا پتہ ان خطوں کی سطر سطر سے چلتا ہے۔"[۲]

---

[۱] ملاحظہ ہو: اقبال نامہ حصہ اوّل ص ۴۰ اور حصہ دوم ص ۵۳، ۱۰۰، ۲۱۲، ۲۱۳

[۲] مقدمہ مکاتیبِ اقبال بنام گرامی ص ۶۹

مکاتیب میں اقبال کی عظمتِ کردار کی چند جھلکیاں ملاحظہ ہوں :

"اردو زبان میں آپ سے زیادہ نہیں جانتا کہ آپ کے کلام کو اصلاح دوں۔" [۱]

"میری طرح امتِ مرحومہ میں سینکڑوں آدمی گذر گئے۔ جنہوں نے رکاوٹوں کے ہوتے ہوئے کام کیا ہے۔ مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا، انہیں کی تقلید کروں گا۔" [۲]

"میں بڑے بڑے مجمعوں میں محض اس لئے نہیں جایا کرتا کہ لوگ دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں اقبال آیا۔ مجھے اس قسم کی شہرت سے بہت الجھن ہوتی ہے۔" [۳]

"افسوس ہے آپ کا ترجمہ میری ناقص رائے میں اشاعت کے قابل نہیں ہے۔ آپ کو اس کی اشاعت سے روکنا نہیں چاہتا۔ اگر آپ چاہیں تو مجھے اس کی اشاعت میں کوئی اعتراض نہیں۔" [۴]

"حیدری صاحب نے مجھ پر ایک مزید عنایت کی وہ یہ کہ اقبال ڈے کے موقع پر حضور نظام کے توشہ خانے سے بھی ایک ہزار روپیہ عطا فرمایا مگر افسوس کہ میں اس عطیے کو قبول نہ کر سکا۔" [۵]

"مولانا حسین احمد مدنی سے سخت اختلاف کے باوجود میں ان کے احترام میں کسی مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں۔" [۶]

"نہ بحث کرنا میرا شعار ہے بلکہ جہاں کہیں بحث ہو رہی ہو وہاں سے گریز کرتا ہوں۔" [۷]

---

[۱] انوارِ اقبال : ص ۱۱۰

[۲] مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص ۴۶

[۳] مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان، ص ۴۴

[۴] انوارِ اقبال : ص ۱۱۶

[۵] انوارِ اقبال : ص ۱۳۴

[۶] انوارِ اقبال : ص ۱۶۷

[۷] اقبال نامہ حصہ دوم : ص ۱۹۱

"ذاتی رائے میری خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اگر علماء کا فتویٰ میری ذاتی رائے کے خلاف ہو تو سرِ تسلیم خم ہے" [1]

یہ اقتباسات درحقیقت اقبالؔ کے اس قول کی تشریح ہیں کہ "اقبالؔ کی زندگی مومنانہ نہیں، لیکن اس کا دلِ مومن ہے" [2]

ذاتی خوبیوں کے علاوہ عظمتِ کردار کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ عظیم انسان دوسروں کی بڑائی کا کھلے دل کے ساتھ اعتراف کرتا ہے۔ اقبالؔ کی وسعتِ قلبی اور فراخ دلی کا یہ عالم ہے کہ خواجہ حسن نظامیؔ سے حافظؔ کے مسئلے پر شدید اختلاف پیدا ہو گئے۔ اقبالؔ کے بقول خواجہ مرحوم نے ان پر بہتان تک باندھے لیکن اقبالؔ ان کی علمیت کے معترف ہیں۔ —— اسی طرح اکبر الٰہ آبادی سے محبت اور عقیدت کا اظہار اور وفات پر ان کی عظمت کا اعتراف درحقیقت خود اقبالؔ کی عظمت کی دلیل ہے۔ علماء اور بزرگوں کے نام خطوط خلافِ معمول عجلت، اور سہل انگاری سے پاک ہیں —————— ایسے خطوں میں انہوں نے مکتوب الیہم کے لئے جو القاب و آداب استعمال کیے ان سے بزرگوں کے لئے اقبالؔ کی گہری اور قلبی عقیدت و محبت آشکارا ہے۔ مولانا سید انور شاہؒ کے لئے "مخدوم و مکرم حضرت قبلہ مولانا" پیر مہر علی گولڑوی کے لئے "مخدوم و مکرم حضرت قبلہ" مولانا شبلیؔ کے لئے "مخدوم و مکرم جناب قبلہ مولوی صاحب" سید سلیمانؔ ندوی کے لئے "مخدومی جناب قبلہ مولانا" اکبر الٰہ آبادی کے لئے "مخدوم و مکرم جناب قبلہ سید صاحب"۔ القاب میں تبدیلی ہوتی ہے مگر احترام و آداب برقرار رہتا ہے۔ علماء اور بزرگوں کے نام خطوط میں اقبالؔ کا انداز بہت محتاط اور مؤدبانہ ہے۔ وہ برابر مکتوب الیہ کی علمیت اور عظمت کا تذکرہ اور اپنے عجز، انکسار اور ہیچمدانی کا اعتراف کرتے ہیں۔ بزرگوں سے اپنی غلطیوں کی اصلاح چاہتے ہیں بلکہ وہ اصرار کرتے ہیں کہ انہیں ان کی غلطیوں سے آگاہ کیا جائے۔ اکثر اپنے کلام کے

---

[1] مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان ص ۳۵

[2] اقبال نامہ حصہ اول ص ۲۰۷

بارے میں علماء کی رائے جاننے کے مشتاق رہتے ہیں:

"مہربانی کر کے غزل کے تمام اشعار پر اعتراض لکھئے تاکہ میں پورے طور پر مستفید ہو سکوں۔"

(مولانا گرامی کے نام)

"مطلع فرمائیے کہ جو اسنادیں نے اپنے خطوط میں لکھے ہیں، ان کی نسبت آپ کی کیا رائے ہے؟"

(سید سلیمان ندوی کے نام)[1]

"نظر ثانی کے وقت آپ کی تنقیدوں سے فائدہ اٹھاؤں گا۔ اگر میری ہر نظم کے متعلق آپ اس قسم کا خط لکھا کریں تو میں آپ کا نہایت ممنون ہوں گا۔"

(نواب صدر یار جنگ حبیب الرحمن شروانی کے نام)[2]

"رموزِ بے خودی کی لغزشوں سے آگاہ کرنے کا وعدہ آپ نے کیا تھا۔ اب تو ایک ماہ سے بہت زیادہ عرصہ ہو گیا ہے، امید ہے کہ توجہ فرمائی جائے گی:"

(سید سلیمان ندوی کے نام)[3]

"یہ بالکل ممکن ہے کہ میں نے شیخ کا مفہوم غلط سمجھا..... اس وقت بھی مجھے اپنے خیال کے لئے کوئی ضد نہیں۔... ملتمس ہوں کہ آپ از راہِ عنایت و مکرمت چند ارشادات تسطیر فرمائیں۔ میں ان ارشادات کی روشنی میں فصوص و فتوحات کو پھر دیکھوں گا اور اپنے علم اور رائے میں مناسب ترمیم کر لوں گا۔"

(سید سلیمان پھلواری کے نام)[4]

ابھی مکاتیب اقبال کے بعض القاب و آداب کا ذکر ہوا تھا۔ مجموعی طور پر مکاتیب کے القاب میں

---

[1] اقبال نامہ حصہ اول، ص ۸۸

[2] ایضاً : ص ۵۵

[3] ایضاً : ص ۸۹

[4] انوار اقبال، ص ۱۷۹

بڑا تنوع اور رنگا رنگی ہے۔ اقبال القاب کے انتخاب میں مکتوب الیہ کی شخصیت اس کے مقام و مرتبے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے تعلقات کی نوعیت کو نظر انداز نہیں کرتے کبھی ایک ہی مکتوب الیہ کے لیے مختلف اوقات میں مختلف القاب و آداب استعمال کرتے ہیں اجنبیوں کے لیے جناب، جنابِ من، مخدومی وغیرہ جیسے سادہ القاب استعمال ہوئے ہیں۔ اقبال کے آداب و القاب کے چند نمونے ملاحظہ ہوں:

آلِ احمد سرور: جنابِ من

سر کشن پرشاد: سرکار والا تبار۔ سرکارِ والا

بابائے اردو مولوی عبدالحق: مخدومی جنابِ مولانا۔ مخدومی جناب مولوی صاحب

ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، ڈیئر ماسٹر عبداللہ۔ ڈیئر ماسٹر صاحب، جناب ماسٹر صاحب

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: مخدومی مولوی صاحب۔ مخدومی۔ ڈیئر مولانا۔ جناب مولانا

اس سلسلے میں ایک دلچسپ اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ بعض دوستوں کے ساتھ اقبال کے نہایت قریبی اور بے تکلفانہ روابط تھے، چنانچہ ان کے نام خطوں کے القاب میں وہی بے تکلفی اور اسی قدر تنوع پایا جاتا ہے۔ مثلاً مولانا گرامی سے جس غایت درجہ کا قلبی تعلق تھا ان کے نام خطوں کے القاب بھی اتنے ہی بوقلموں ہیں:

"جناب بابائے گرامی سلمہ، مخدومی جناب مولانا مولوی گرامی صاحب۔ ڈیئر مولانا گرامی۔ بابا گرامی شاعرِ خاص حضور نظام جناب مولانا گرامی۔ جناب مولانا گرامی مدظلہ العالی۔ ڈیئر گرامی۔ جناب مولانا گرامی۔ حضرت گرامی۔

اسی طرح خواجہ حسن نظامی سے جس زمانے میں اقبال کی بے تکلفانہ دوستی تھی، اس دور کے خطوط میں اقبال نے ان کے لئے حسب ذیل القاب استعمال کیے ہیں:

"مکرمی سید صاحب زاد عمرہٗ۔ اسرارِ قدیم سید حسن نظامی۔ پُر اسرار نظامی۔ پیارے نظامی مخدومی خواجہ صاحب۔ مکرمی۔ سرمست کو سلام۔ مخدومی و مکرم جناب خواجہ صاحب۔ خواجہ صاحب مکرم

ڈیر خواجہ صاحب۔

اور اسی پر اکتفا نہیں بلکہ بے تکلف احباب کے نام خطوں میں اقبال کی شخصیت کا وہ پہلو بھی منعکس ہے جس کا تعلق ان کی طبعی شگفتگی، ظرافت اور حسِ مزاح سے ہے۔ اقبال نجی محفلوں، اور پرائیویٹ گفتگوؤں میں بڑے بذلہ سنج، خوش گفتار اور ظریف انسان تھے۔ بے تکلف دوستوں خصوصاً مولانا گرامی کے نام خطوں میں اس شگفتہ طبعی کا اظہار اکثر ہوتا ہے:

"آپ کہاں ہیں؟ حیدر آباد میں یا عدم آباد میں؟ اگر عدم آباد میں ہوں تو مجھے مطلع کیجئے کہ تعزیت نامہ لکھوں۔" [۱]

"گرامی سال خوردہ ہے یعنی سالوں اور برسوں کو کھاتا ہے۔ پھر بوڑھا کیونکر ہو سکتا ہے، بوڑھا تو وہ ہے جس کو سال اور برس کھا جائیں۔" [۲]

"آپ کا تخلص گرامی کی جگہ نومی ہونا چاہیئے کیونکہ آپ سوتے بہت ہیں۔ معلوم ہوتا ہے راون لنکا کے بادشاہ کی طرح آپ چھ ماہ سوتے ہیں اور چھ ماہ جاگتے ہیں۔ حیدر آباد کی شاہی میں تبدیلی ہوئی، وزارت بدل گئی مگر آپ ابھی اونگھ رہے ہیں۔ برائے خدا کبھی اپنی خیریت سے مطلع کیا کرو۔ آپ کے بہت سے لاہوری دوست استفسار کرتے ہیں کہ ان کو خط لکھ کر جگا یئے مگر اس کے لئے روزِ محشر کی ضرورت ہے۔ خطوں سے کیا ہوتا ہے۔" [۳]

"مولانا گرامی صاحب ابھی آلام و افکار سے آزاد نہیں۔ عرصہ ہوا میں نے انہیں خط لکھا تھا مگر ان کے لئے خط کا جواب دینا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ روس کا موجودہ

---

[۱] مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، ص ۹۷

[۲] مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، ص ۱۵۱

[۳] مکاتیبِ اقبال بنام گرامی، ص ۹۶

حالت میں جرمنی سے لڑ سکتا" [۱]

"گرامی صاحب نے وعدہ کیا تھا کہ محرم میں تشریف لائیں گے مگر اکنوں لایوفی" [۲]

"گرامی صاحب نے شاید ملک الموت کو کوئی رباعی کہہ کر ٹال دیا ہے اور کیا تعجب کہ ہجو کہنے کی دھمکی دی ہو" [۳]

"آپ کے کبوتر بہت اچھے ہیں مگر افسوس کہ زمانۂ حال کی مغربی تہذیب سے بہت متاثر معلوم ہوتے ہیں۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ بچوں کی پرورش سے بہت بیزار ہیں"

(بنام خان نیاز الدین خان مرحوم) [۴]

"تمام لاہور میں اس بات کا چرچا ہے کہ ماسٹر عبد اللہ اعلانِ آزادی کے خوف سے کہیں بھاگ گئے ہیں۔ کیا یہ واقعی درست ہے؟"

(بنام ڈاکٹر محمد عبد اللہ چغتائی) [۵]

مکاتیبِ اقبالؔ میں مختلف علمی، تاریخی، معاشی اور فلسفیانہ مسائل زیرِ بحث آئے ہیں اقبالؔ نے اپنے مکتوب الیہم کے ساتھ قرآن، حدیث، فقہ، تصوف اور دین و شریعت کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کیا ہے اور مختلف تحریکوں، ان کے اصولوں اور نظریات پر نقد و تبصرہ اور اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا ہے۔ ان ساری بحثوں میں اقبالؔ کا اندازِ استدلال بہت علمی، منطقی، اور ٹھوس ہے۔ کئی خطوں میں انہوں نے اپنے بعض نظریات و تصورات کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً نظریۂ خودی، تصورِ شاہین، تصوف و اجتہاد وغیرہ۔ اس طرح مکاتیبِ اقبالؔ کے اس قول کی روشنی میں کہ "شاعر کے لٹریری اور پرائیویٹ خطوط اس کے کلام پر روشنی ڈالتے ہیں" [۶] شعرِ اقبالؔ

[۱] مکاتیبِ اقبال: بنام خان نیاز الدین خاں، ص ۸ [۲] ایضاً ص ۱۰ [۳] ایضاً ص ۱۲

[۴] ایضاً ص ۲۹

[۵] اقبال نامہ: حصہ دوم، ص ۳۵۰

[۶] انوارِ اقبال: ص ۱۱

کی تشریح و تفسیر بھی بن گئے ہیں۔

نظری اور تصوراتی بحثوں کے دوران میں اور کبھی اس کے علاوہ بھی اقبالؔ نے ایسے حکیمانہ نکات و معارف بیان کیے ہیں جو بظاہر مختصر ہیں مگر جامعیت اور گہری معنویت کے اوصاف کے حامل ہیں۔ یہ ایک عظیم مفکر اور فلسفی کے بلند پایہ اقوال کی حیثیت رکھتے ہیں:

"حدودِ خوری کے تعین کا نام شریعت ہے اور شریعت اپنے قلب کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام طریقت ہے۔" ؎۱

"مخلص مسلمان اپنے مصائب کو بھی خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بنا لیتا ہے۔" ؎۲

"اکثر انسانوں کو کنجِ تنہائی میں بیٹھے بیٹھے بہر دانی کا دھوکہ ہو جاتا ہے۔ ان کا قصور نہیں، فطرتِ انسانی ہی اس قسم کی ہے۔" ؎۳

"ایک ہی قسم کا شوق رکھنے والوں کی صحبت بعض دفعہ ایسے نتائج پیدا کر جاتی ہے جو کسی کے خیال و خواب میں بھی نہیں ہوتے۔" ؎۴

"زندہ زبان انسانی خیالات کے انقلاب کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اور جب اس میں انقلاب کی صلاحیت نہیں رہتی تو مردہ ہو جاتی ہے۔" ؎۵

"طاقت کا سرچشمہ فراست ہے۔" ؎۶

؎۱ اقبال نامہ حصہ اوّل، ص ۲۰۲

؎۲ انوارِ اقبال: ص ۷۲

؎۳ اقبال نامہ حصہ اوّل، ص ۱۱

؎۴ ایضاً: ص ۲۸

؎۵ ایضاً: ص ۵۶

؎۶ ایضاً: ص ۴۴۵

"کاغذ کے نقوشِ بے جان سے الفاظ کی آواز زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ کاغذ جذباتِ انسانی کی حرارت کا کب متحمل ہوتا ہے اور کئی امور ایسے بھی تو ہوتے ہیں جن کا ضبطِ تحریر میں لانا مناسب نہیں ہوتا" ؎

مکاتیبِ اقبال، تصانیفِ اقبال کے پس منظر کا کام دیتے ہیں۔ اقبال کے مدّاح اور ان کی شاعری کے دلدادگان بار بار مجموعہ ہائے کلام کے بارے میں استفسار کرتے یا کسی نظم یا شعر کی وضاحت چاہتے۔ ایسے استفسارات کے جواب میں اقبال نے مختلف اوقات میں اپنے بعض اشعار و منظومات کی شانِ نزول، ان کے سیاق و سباق کے ساتھ بیان کی ہے۔ شعری مجموعوں کے تکمیلی مراحل، ترتیب و تدوین اور طباعت و اشاعت حتیٰ کہ جلد بندی تک کے بارے میں تفصیلی معلومات خطوں میں جابجا بکھری ہوئی ہیں جن کی بنیاد پر تصانیفِ اقبال کی مفصل تاریخ مع اس کے پس منظر کے مرتب کی جا سکتی ہے۔

مکاتیبِ اقبال کے مستقبل کے بعض تصنیفی منصوبوں کا پتہ چلتا ہے جن کے مطابق وہ قرآن، فقہ، تصوف اور اجتہاد وغیرہ کے متعلق مندرجہ ذیل مضامین و کتب لکھنا چاہتے تھے:

۱۔ مقدمۃ القرآن

۲۔ اسلامی تصوف کی تاریخ

۳۔ حیاتِ مستقبلہ اسلامیہ

۴۔ قلب و دماغ کی سرگذشت

۵۔ اسلامی فقہ کی تاریخ

۶۔ تاریخِ ادبِ اردو

۷۔ فصوص الحکم پر تنقید

۸۔ رامائن (اردو میں)

؎ اقبال نامہ، حصہ دوم ص ۱۴۲

۹. The Book of a Forgotten Prophet
اور یوں مکاتیب، اقبال کی مجوزہ و موعودہ تصانیف کے بارے میں خاصی معلومات فراہم کرتے ہیں۔

اپنی شعری عظمت کی بنا پر اقبال دنیائے شعر و ادب میں ایسے بلند مقام پر فائز تھے کہ نوآموز شاعر بڑی کثرت سے اپنی شعری کاوشیں اصلاح کی خاطر ان کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔ اقبال نے اگرچہ شاگرد بنانے سے گریز ہی کیا تاہم اصلاحِ شعر کی بہت سی مثالیں ان کے خطوں میں ملتی ہیں۔ کبھی وہ الفاظ کی تحقیق میں کوشاں نظر آتے ہیں اور کبھی کسی حوالے کی تلاش میں سرگرداں۔ پھر ہمعصر شخصیتوں سے علمی، ادبی اور شعری مسائل پر تبادلۂ خیال ہوتا رہتا تھا۔ بعض خطوں کے جواب میں اقبال کو شعر و ادب اور نقد و انتقاد کے متعلق اپنا نقطۂ نظر واضح کرنا پڑتا۔ چنانچہ مکاتیبِ اقبال، ان کے شعور، تحقیق و تنقید اور شعری و ادبی نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہیں بلکہ اس سے ان کے تبحرِ علمی اور وسعتِ مطالعہ کا بھی پتہ چلتا ہے۔

ابتدا میں ذکر کیا گیا کہ اقبال کی کوئی ڈھنگ کی سوانح عمری نہیں لکھی گئی۔ اقبال کی حیات پر جو کتب ملتی ہیں اوّل تو وہ مختصر ہیں۔ دوسرے ان میں تحقیق و استناد کی کمی ہے۔ مکاتیبِ اقبال ان کمیوں کو پورا کرتے ہیں۔ وہ حیاتِ اقبال کے بارے میں ایسی جامع اور مفصل رپورٹ مہیا کرتے ہیں جو مکاتیب کے سوا کہیں بھی ریکارڈ میں موجود نہیں۔ ان کے خطوط میں ان کے شب و روز کے معاملات، مصروفیات و مشاغل، پسند و ناپسند، ماضی کے تذکرے، حال کی کیفیات اور مستقبل کے منصوبوں کی مکمل و جامع تفصیلات ملتی ہیں تاہم ان کے ذریعے نہ صرف اقبال بلکہ ان کے بزرگوں اعزہ و اقربا، دوستوں، عزیزوں اور اولاد سے بھی متعارف ہوتے ہیں۔ اقبال کے خطوط ان کے یورپ، فلسطین، جنوبی ہند، افغانستان، دہلی، شملہ اور بلوچستان کے سفروں اور دوروں کی روداد بھی پیش کرتے ہیں، حتیٰ کہ خطوط سے اقبال کے مختلف سفروں کی تاریخیں اور اوقات تک متعین کیے جا سکتے ہیں۔ مختلف اوقات میں اقبال کے جسمانی عوارض خصوصاً آخری علالت

کی ابتدا، اس میں اضافے، اس کی بدلتی ہوئی کیفیتوں، علاج اور دواؤں اور ان کے اثرات کی تفصیل خطوں میں بیان ہوئی ہے۔ اسی طرح والدۂ جاوید کی بیماری کی مختلف حالتیں بھی مکاتیب میں موجود ہیں۔ صحت، بیماری اور علاج معالجے کی تفصیلات زیادہ تر سید نذیر نیازی اور ڈاکٹر پروفیسر مظفر الدین کے نام خطوط میں بیان ہوئی ہیں۔

مکاتیبِ اقبال کا بہت بڑا ذخیرہ اُردو میں ہے۔ انگریزی میں خط کتابت کرنے والے احباب کی تعداد بہت قلیل تھی۔ جواب لکھتے ہوئے اگر انتخابِ زبان کا مسئلہ محض اقبال پر منحصر ہوتا تو شاید وہ خطوں کے جواب ہمیشہ انگریزی میں لکھتے کیونکہ وہ اپنے بقول" اردو میں گفتگو کرتے ہوئے ... اپنے مافی الضمیر کو اچھی طرح ادا" نہیں کر سکتے تھے۔ شاید اسی سبب سے ایسے خطوط، جن میں وارداتِ قلبی یا کسی جذبے کا اظہار مقصود تھا انگریزی میں لکھے گئے۔ مکاتیب بنام عطیہ فیضی اور نذیر نیازی کے نام ایک خط[۱] اس کی عمدہ مثال ہیں مگر اقبال کے مکتوب الیہم کی اکثریت نے انہیں اردو میں خطوط لکھے (اور اس سے وہ منطقی طور پر اقبال کی طرف سے اردو میں ہی جواب کی توقع رکھتے تھے)، اگر اقبال کے عقیدت مندوں اور محبوں کے خطوط اُردو میں نہ ہوتے تو شاید مکاتیبِ اقبال کا اتنا بڑا ذخیرہ اردو زبان میں وجود میں نہ آتا۔ تاہم اقبال نے اُردو میں اپنے عجزِ بیان کا جو ذکر کیا ہے وہ ان کی کسر نفسی کا ایک رُخ ہے۔ ان کے سینکڑوں اردو خطوط اس کا ٹھوس ثبوت ہیں کہ وہ نہ صرف اظہارِ مطالب پر پوری طرح قادر تھے بلکہ ان کی قدرتِ زبان نے خطوط کو اسلوبِ بیان کی بوقلمونی صفات کا حامل بنا دیا ہے۔

مکاتیبِ اقبال میں نثر کا رنگ و آہنگ مکتوب الیہ کی شخصی حیثیت کے اعتبار سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ ایسے خطوط جن میں نظری مسائل اور علمی و فکری موضوعات پر بحث ہے، سنجیدہ استدلال سے مزین ہے۔ ان خطوں میں نثر کا اسلوب نسبتاً ٹھوس اور جاندار ہے۔

---

[۱] مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی، ص ۲۹

لکھنے والا بڑے تیقن سے اپنی بات کہتا نظر آتا ہے ایسے خطوط یا خطوط کے حصے حقائق و معارفِ علمیہ کے آئینہ دار ہونے کے باوجود خشکی اور بے کیفی سے خالی ہیں۔ ان میں ایک نوعیت کے جذب و انجذاب کی کیفیت پائی جاتی ہے اور اس وجہ سے ایسی تحریروں میں متاثر کرنے کی صفت نمایاں ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے ایسی ہی عبارتوں کو حکیمانہ نثر" لہ کا نام دیا ہے:

"گرامی مُسلم ہے اور مسلم تودۂ خاک نہیں کہ خاک اسے جذب کرسکے۔ یہ ایک قوّتِ نورانیہ ہے جو جامع ہے جواہرِ موسوِیت اور ابراہیمیت کی۔ آگ اسے چھُو جائے تو بردو سلام بن جائے۔ پانی اس کی ہیبت سے خشک ہو جائے۔ آسمان و زمین میں یہ سما نہیں سکتی کہ یہ دونوں ہستیاں اس میں سمائی ہیں۔ پانی آگ جذب کرلیتا ہے۔ عدم بود کو کھا جاتا ہے۔ پستی بلندی میں سما جاتی ہے مگر جو قوت جامع اضداد ہو اور محلّلِ تمام تناقضات کی ہو اسے کون جذب کرے۔ مسلم کو موت نہیں چھُو سکتی کہ اس کی قوتِ حیات و حرکت کو اپنے اندر جذب کرکے حیات و ممات کا تناقض مٹا چکی ہے" ٹہ

یہ اقبالؔ کی تحریر کا ایک ایسا نمونہ ہے جس کے متعلق ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے کہ "نثر کی علمی تحریروں میں بھی انھوں نے عرب کو نظر انداز نہیں کیا" ٹہ سبب اس کا یہ ہے کہ اقبالؔ کے بقول ان کی تہذیب کی روح عربی ہے اور تحریر میں تہذیب کا انعکاس ناگزیر ہے۔

بلاشبہ اقبالؔ نے کہیں کہیں قواعد کے اصولوں کا سختی سے خیال نہیں رکھا۔ کبھی ان سے بعض الفاظ یا حروف چھوٹ جاتے ہیں مگر یہ غلطیاں ایسی معمولی اور اتنی کم ہیں کہ انہیں آسانی سے نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔ ایسی غلطیاں اقبالؔ کے عجزِ بیان کا نتیجہ نہیں بلکہ تحریر کی برجستگی،

لہ "مقالاتِ اقبالؔ کا دیباچہ، بعنوان "جسارت" ص ۱۳

ٹہ اقبال نامہ، حصہ اوّل، ص ۱۳، ۱۴

ٹہ "مقالاتِ اقبالؔ" کا دیباچہ بعنوان "جسارت" ص ۱۳

عجلت اور خط پر نظر ثانی نہ کرنے کا نتیجہ ہیں۔

جناب محمد عبد اللہ قریشی مکاتیب کے اسلوبِ نگارش پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اقبال کی دیگر تحریروں کی طرح ان کی عبارت میں رعب و دبدبہ بھی ہے اور وزن بھی، فکر کی جولانی بھی ہے اور خیال کی برجستگی بھی۔ بعض بعض جگہ تو شاعری نثر سے ہم آغوش نظر آتی ہے۔[1] قریشی صاحب کی رائے کے ثبوت میں ذیل میں بیانیہ نثر کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے۔ اقبال نے اپنے طور پر مافی الضمیر ادا نہ کر سکنے کا جو مفروضہ قائم کیا ہے یہ عبارت اس کی مکمل طور پر تردید ہی نہیں کرتی بلکہ اقبال کے شاندار ادیبانہ اسلوب کی نشان دہی بھی کرتی ہے:

"یہ کنال (نہر سویز) جسے ایک فلسطینی انجینئر نے تعمیر کیا تھا، دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ عرب اور افریقہ کی جدائی ہے اور مشرق و مغرب کا اتحاد ہے۔ دنیا کی روحانی زندگی پر مہاتما بدھ نے بھی اس قدر اثر نہیں کیا جس قدر اس مغربی اختراع نے زمانہ حال کی تجارت پر کیا ہے۔ کسی شاعر کا قلم اور کسی سنگ تراش کا ہنر اس شخص کے تخیل کی داد نہیں دے سکتا۔ جس نے اقوامِ عالم میں اس تجارتی تغیر کی بنیاد رکھی۔"[2]

مکاتیب میں سادگی اور سلاست اقبال کے اسلوبِ تحریر کا خاص وصف ہے۔ اسی وجہ سے وہ فقروں کی بناوٹ میں طوالت سے پرہیز کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے فقرے ان کی اختصار پسند طبیعت سے فطری مناسبت رکھتے ہیں۔ اس سے بیان کی سادگی قائم رہتی ہے اور اثر آفرینی بھی بڑھ جاتی ہے مثلاً:

"اب اسلامی جماعت کا محض خدا پر بھروسہ ہے۔ میں بھلا کیا کر سکتا ہوں، صرف ایک بے چین اور مضطرب جان رکھتا ہوں۔ قوتِ عمل مفقود ہے۔ ہاں یہ آرزو رہتی ہے کہ کوئی قابل نوجوان جو ذوقِ خداداد کے ساتھ قوتِ عمل بھی رکھتا ہو، مل جائے۔ جس کے دل میں اپنا اضطراب

---

[1] مقدمہ مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۸۵

[2] اقبال نامہ حصہ دوم، ص ۲۶۸ - ۲۶۹

منتقل کردوں"۔ [1]

غرض مکتوب کی نوعیت خواہ کچھ ہو، سادہ بیانی نثرِ اقبال کا بنیادی وصف ہے۔ ان کے خطوط ہر طرح کے اغلاق، پیچیدگی اور الجھاؤ سے پاک ہیں۔ یوں اسلوب کے سلسلے میں مکاتیبِ اقبال کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ بوقلمونی تحریروں کے باوجود اقبال کی سادہ بیانی باہتمام تام ہے۔

مختصر یہ کہ اقبال کے خطوط بھی ان کی شاعری کی طرح پُرلطف، دلآویز اور حکمت و فلسفہ سے مملو ہیں۔ یہ ان کی سیرت و شخصیت اور فکر و فلسفے کا ایسا مرقع ہے جس میں ان کی شخصی زندگی کا ہر رنگ نظر آتا ہے اور ساتھ ہی ان کے نظریات کی وضاحت بھی ہوتی ہے۔

---

[1] اقبال نامہ، حصّہ دوم | ص ۹۴

(۲)

خطوطِ اقبال

(ایک سو گیارہ غیر مدوّن مکاتیب مع حواشی و تعلیقات)

"اس میں شک نہیں کہ یورپ میں وسائل ایڈرٹ
کرنے کے بہت زیادہ ہیں لیکن آخر ہندی
مسلمانوں کو بھی تو یہ کام کچھ نہ کچھ شروع کرنا ہے۔"

——— علامہ اقبال

۱

بنام سیّد محمد تقی

سید محمد تقی، مولانا سید میر حسن (۱۸۴۴ء۔ ۱۹۲۹ء) کے فرزند ارجمند اور علامہ اقبال کے بچپن کے بے تکلف دوست تھے۔ جس زمانے اقبال کے برادر بزرگ شیخ عطا محمد بحیثیت ایس۔ ڈی۔ او بلوچستان میں تعینات تھے، ایک مقدمے میں ماخوذ ہو گئے اس سلسلے میں اقبال کو فورٹ سنڈیمن کا سفر اختیار کرنا پڑا۔ مندرجہ ذیل خط اسی سفر کے دوران میں لکھا گیا۔

اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے مگر اندازہ ہے کہ مئی ۱۹۰۲ء میں لکھا گیا ہوگا کیونکہ فورٹ سنڈیمن سے انہوں نے مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کو جو خط لکھا اس پر ۲۵ مئی ۱۹۰۲ء کی تاریخ درج ہے۔ اقبال کے دستیاب خطوں میں یہ دوسرا قدیم ترین خط ہے۔

✡

از مقام نواب کوٹ

ڈیر سید تقی۔ السلام علیکم۔ آج مقام نواب کوٹ میں پہنچے گھوڑے کا سفر اور گھوڑے سے اکتائے تو اونٹ کا سفر۔ خدا کی پناہ۔ پہلے روز ۳۷ میل کا سفر گھوڑے پر کیا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی۔ لیکن جو تکلیف محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو وہ لذیذ ہو جاتی ہے۔ فورٹ سنڈیمن ابھی یہاں سے ۵۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ پرسوں پہنچیں گے بشرطیکہ کوئی بارش نہ ہوئی۔ آج نواب کوٹ پہنچے ہیں۔ بھائی صاحب کے متعلق خبر ملی الکوراٹی انجینئر کوئٹہ کے تار پر تار دینے کی وجہ سے حراست سے نکال دیا ہے اس نے متواتر تاریں دیں کہ ایک معزز افسر کو بغیر منظوری شملہ کیوں حراست میں دیا گیا

ہے۔ اسی متواتر تاروں کے دوران میں وہاں کے پولیٹیکل ایجنٹ کی تبدیلی بھی ہوئی ہے۔ سنا ہے کہ اس مقدمے میں اسکی ہی شرارت تھی۔ خدا انجام بخیر کرے گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ امید ہے اس مقدمے کا نتیجہ بھائی صاحب کے حق میں اچھا ہوگا۔ معلوم ہوتا ہے کونسل کے حکام کو ان کی دیانت وغیرہ کا ثبوت کافی مل گیا ہے۔ ریجنٹ کونسل نے فورٹ سنڈیمن کے ایجنٹ کی فوراً تبدیلی کردی ہے۔ اس مقدمے کی ساری بنا عداوت پر ہے۔ مجھے سارے حالات ابھی معلوم نہیں ہوئے۔ تاہم جو کچھ معلوم ہوئے اُن سے یہی اندازہ کرسکا۔ اس کی تہ میں عداوت محض ہے[1]۔ باقی خیریت ہے۔ آمیر کہاں ہے خدا کے لئے وہاں ضرور جایا کریں۔ مجھے بہت اضطراب ہے۔ خدا جانے اس میں کیا راز ہے جتنا دور ہو رہا ہوں۔ اتنا ہی اس سے قریب ہو رہا ہوں والسلام۔ شیخ صاحب کی خدمت میں یہ تمام حالات عرض کردیں۔ والسلام

آپکا

مخلص محمد اقبال

---

[1] اقبال کی تگ و دو کے بعد، مقدمہ ختم ہوگیا۔ ۲۰ راگست ۱۹۰۲ء کو مولانا شیروانی کو لکھا: ”الحمد للہ کہ دشمنوں کے منہ میں خاک پڑی۔ بھائی صاحب بری ہوگئے۔ اگرچہ روپیہ کثیر صرف ہوا۔ تاہم شکر ہے کہ ہماری مصیبت کا خاتمہ ہوا“ (اقبال نامہ: حصہ اوّل۔ ص ۶)

بنام شاطر مدراسی

ابوالمعانی محمد عبدالرحمٰن شاطر، مدراس کے اہلِ علم اور شاعر تھے۔ شیخ عبدالقادر مدراس گئے تو شاطر سے تعارف ہوا۔ اس کے بعد سے شاطر کا کلام وقتاً فوقتاً "مخزن" میں چھپنے لگا اس طرح "مخزن" کی وساطت سے وہ علمی و ادبی حلقوں میں متعارف ہوئے ۱۹۰۴ء میں شاطر مدراسی کی تین منظومات "مخزن" کے فروری (۳۷ اشعار) مارچ (۳۹ اشعار) نومبر (۴۲ اشعار) کے شماروں میں شائع ہوئیں۔ شاطر کے نام حضرت علامہ کے مندرجہ ذیل خطوط میں "اشعار" اور "قصیدہ" کا اشارہ انہی منظومات کی طرف ہے۔

(۲) ——— (۱)

از لاہور گورنمنٹ کالج　　　　۲۴ فروری ۱۹۰۵ء

مخدوم و مکرم جناب شاطر

تسلیم۔ آپ کا نوازش نامہ مع قصیدہ پہونچا۔ اس قصیدے کا کچھ حصّہ مخزن میں شائع ہو چکا ہے۔ اور پنجاب میں عموماً پسندیدگی اور وقعت کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ ہمارے ایک کرمفرما جالندھر میں ہیں مینے سنا ہے کہ وہ اس کو نہایت پسند کرتے ہیں اور اس کے اشعار کو انہوں نے اتنی دفعہ پڑھا ہے کہ اب ان کو وہ تمام حصّہ جو مخزن میں شائع ہو چکا ہے ازبریاد ہے۔ اکثر اشعار نہایت بلند پایہ اور معنی خیز ہیں۔ بندشیں صاف اور ستھری ہیں اور اشعار کا اندرونی درد مصنّف کے چوٹ کھائے ہوئے دل کو نہایت نمایاں کر کے دکھا رہا ہے۔ انسان کی روح کی اصلی کیفیت "غم" ہے خوشی ایک عارضی شے ہے۔ آپ کے اشعار اس امر پر شاہد ہیں کہ آپ نے فطرتِ انسانی کے اس گہرے راز کو خوب سمجھا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہیں اس کے سقموں سے آپ کو آگاہ کروں۔ میں آپ کے حسنِ ظن کا ممنون ہوں مگر بخدا مجھ میں یہ قابلیت نہیں کہ آپ کے کلام کو تنقیدی نگاہ سے دیکھوں میں آپکا شکرگزار ہوں کہ آپ میرے اشعار کو نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، لیکن آپ نے شاید میرے حق سے بڑھ کر مجھے داد دی ہے۔ میں آپ کے نوازش نامے کا ابتدائی حصہ دیکھکر شرمندہ ہوتا ہوں اور آپ کی وسعتِ قلب پر حیران۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے اور ہمیشہ بامراد رکھے۔

آپ کے خاندانی تعزّز کا حال معلوم کر کے مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ آپ لوگ گذشتہ کاروانِ اسلام کی یادگاریں ہیں اور اس وجہ سے ہر طرح واجب الاحترام اور قابلِ تعظیم ہیں جس قصیدے کے ارسال کرنے کا وعدہ آپ فرماتے ہیں میں اسکا شوق سے منتظر رہونگا

والسلام۔

آپکا نیاز مند

محمد اقبال از لاہور گورنمنٹ کالج

بھاٹی دروازہ

(۲) —— ۳

لاہور۔ ۱۶ مارچ ۱۹۰۵ء

مخدوم و مکرم۔ السلام علیکم

نوازش نامہ موصول ہوا۔ مولٰنا حالی نے جو کچھ آپ کے اشعار کی نسبت تحریر فرمایا ہے بالکل صحیح ہے۔ آپکا اسلوبِ بیان واقعی نرالا ہے اور آپ کی صفائی زبان آپ کے ہم وطنوں کے لئے سرمایۂ افتخار ہے۔ میرا تو یہ خیال تھا کہ آپ اصل میں ہندوستان کے رہنے والے ہوں گے مگر یہ معلوم کر کے کہ آپ کی پرورش بچپن سے مدراس میں ہوئی ہے مجھے

بھی تعجب ہوا۔

مولانا حالی نے جو شعر پسند فرمایا ہے، واقعی خوب ہے اور سوائے ایک شعر کے تمام قصیدے میں اس پائے کا کوئی اور شعر نہیں ہے۔ یعنی

"ہم خدائی کرتے ہیں تیری بدولت اے خیال　　ایک کن سے ہوتے ہیں عالم ہزاروں آشکار

جو شعر مولانا نے انتخاب کیا ہے[1]۔ وہ شعریت میں اس شعر سے کہیں زیادہ ہے مگر مضمون کے اعتبار سے یہ شعر اس سے بلند تر ہے۔ میرے خیال میں دونوں شعر ایک پائے کے ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بہت اچھے اچھے اشعار آپ کے قصیدے میں موجود ہیں مثلاً:

اپنا اپنا ہے مقدر بال و پر کا کیا گناہ[2]　　کوئی جل مرتا ہے بلبل، کوئی ہوتا ہے شکار

اور یہ مصرع۔

ہوتے ہم فانی تو ہوتا عشق بھی ناپائدار[3]

یہ مضمون ٹینی سن مرحوم ملک الشعرائے انگلستان کے ایک شعر میں بھی بڑی خوبی سے ادا ہوا ہے۔ جن صاحب کو آپ کا قصیدہ ازبر ہے ان کا نام پنڈت چھجو رام وکیل ہے۔ باقی خیریت ہے۔

آپکا نیاز مند

محمد اقبال از لاہور

---

[1] مولانا حالی کا منتخب شعر یہ تھا ؎

بے محل اٹھتا نہیں ہے ایک بھی تیرا قدم　　کوئی ہے تجھ پر سوار اے ابلق لیل و نہار

[2] "مخزن" میں مطبوعہ قصیدے میں لفظ "گناہ" کے بجائے "قصور" ہے۔

[3] پورا شعر اس طرح ہے ؎

کیوں نہ ہوں تا کی بقائے روح کے اہلِ دل　　ہوتے ہم فانی تو ہوتا عشق بھی ناپا ئدار

۴ — (۳)

سیالکوٹ شہر ۲۹ اگست ۱۹۰۸ء

مخدومی۔ السلام علیکم۔ میں ایک دو روز کے لئے لاہور چلا گیا تھا۔ کل واپس آیا تو آپ کا نوازش نامہ ملا۔ مبارک باد کا شکریہ قبول کیجئے[1]۔ اعجاز عشق[2] کے چند صفحے تو میں پہلے دیکھ چکا تھا۔ باقی اشعار بھی ماشاء اللہ نہایت بلند پایہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت شرافت کے ساتھ دولت کمال سے بھی مالا مال کیا ہے۔ وذالک فضل اللہ لیعطیہ من یشاء[3]

میں آپ کی سوانح عمری اور دیگر اشعار دیکھنے کا نہایت مشتاق ہوں۔ جب کبھی شائع ہوں، مجھے ایک کاپی عنایت فرما کر سپاس گذار فرمائیں۔ آپ کے کلام میں ایک خاص رنگ ہے جو اور شعرا میں بہت شاذ پایا جاتا ہے۔ مولانا حالی، شبلی، شاد جیسے قادر الکلام بزرگوں سے داد سخنگوئی لینا ہر کسی کا کام نہیں۔ جو کچھ ان بزرگوں نے آپ کے حق میں تحریر فرمایا ہے وہ آپ کے لئے باعث افتخار ہے۔

میں ایک دو ماہ کے لئے سیالکوٹ مقیم رہونگا۔ اس کے بعد لاہور بیرسٹری کا کام شروع کرونگا۔ ملازمت کا سلسلہ ترک کر دیا ہے۔

آپ میرے مجموعۂ کلام کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ میں کیا اور میرا کلام کیا۔ نہ مجھے

---

[1] اقبال ولایت سے اعلیٰ تعلیم کی تکمیل کر کے ۲۷ جولائی ۱۹۰۸ء کو لاہور پہنچے۔ مکتوب الیہ نے اس پر مبارک باد کا خط لکھا تھا۔

[2] قصیدہ "اعجاز عشق" کتابی صورت میں ۱۹۰۵ء میں مطبع نافع الاسلام مدراس سے شائع ہوا تھا۔

[3] قرآن حکیم میں اس آیت کی صحیح شکل یہ ہے: ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء (یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے) یہ آیت تین مقامات سورہ المائدہ: ۵۴، سورہ الحدید: ۲۱، اور سورہ الجمعہ: ۴ - پر آئی ہے۔ اقبال نے جلدی میں "یؤتیہ" کو "یعطیہ" بنا دیا۔ اگرچہ قرآن کا متن نہیں ہے مگر مفہوم اس کا بھی وہی ہے۔

ان اوراقِ پریشاں کے جمع کرنے کی فرصت ہے نہ حقیقت میں ان کی ضرورت ہے[1]۔ محض دوستوں کے دل بہلانے کے لئے کبھی کبھی کچھ لکھتا ہوں اور وہ بھی مجبوراً۔ گزشتہ تین سال سے بہت کم اتفاق شعر گوئی کا ہوتا ہے اور اب تو میں پیشہ ہی اس قسم کا اختیار کرنے د کو[2] ہوں جسکو شاعری سے کوئی نسبت نہیں ہے[3]۔

اگر آپ اعجازِ عشق میرے کسی دوست کے نام ارسال کرنا چاہیں تو حضرت مولوی سید میر حسن صاحب پروفیسر عربی سکاچ مشن کالج سیالکوٹ کے نام ارسال کیجئے۔ یہ بڑے بزرگ عالم اور شعر فہم ہیں۔ مینے انہیں سے اکتسابِ فیض کیا ہے[4]۔ والسلام

آپ کا نیاز مند

محمد اقبال

---

[1] غالباً مکتوب الیہ نے اردو مجموعۂ کلام کی نسبت دریافت کیا ہوگا۔ حضرت علامہ کی اسی بے نیازی "نہ حقیقت میں ان کی ضرورت ہے" کے سبب پہلا باضابطہ اردو مجموعہ "بانگِ درا" سولہ برس بعد، ستمبر ۱۹۲۴ء میں شائع کیا گیا۔

[2] اصل متن میں حرف "کو" موجود نہیں۔

[3] اقبال نے ۲۲ اکتوبر ۱۹۰۸ء کو چیف کورٹ پنجاب میں درخواست دی کہ میرا نام وکلاء کی فہرست میں درج کیا جائے۔ ان کی درخواست منظور ہوئی اور وہ پریکٹس کرنے لگے

[4] شمس العلماء مولانا سید میر حسن (۱۸ اپریل ۱۸۴۴ء - ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء) نے اپنے والد سید محمد شاہ اور مولانا شیر محمد صاحب سے کسبِ علم کیا۔ ایک طویل عرصے تک سکاچ مشن کالج سیالکوٹ میں مدرس رہے۔ اُن سے کسبِ فیض کا ذکر اقبال نے نظم "التجائے مسافر" میں یوں کیا ہے ؎

وہ شمعِ بارگہِ خاندانِ مرتضوی ... رہے گا مثلِ حرم جس کا آستاں مجکو
نفس سے جس کے کھلی میری آرزو کی کلی ... بنایا جس کی مروّت نے نکتہ داں مجکو
دعا یہ کر کہ خداوندِ آسمان و زمیں ... کرے پھر اس کی زیارت سے شادماں مجکو

۵ —— (۴)

لاہور ۲۴ ستمبر ۲۹ء

مخدومی۔ السلام علیکم
نوازش نامہ مل گیا ہے۔ ایک کاپی ضمیمہ اعجاز عشق کی بھی موصول ہوئی جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ سبحان اللہ۔ آپ کا کلام سراپا اعجاز ہے۔ حکمت و فلسفہ و مذہب کے حقائق سے لبریز ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اہلِ دل آپ کے اشعار کو حرزِ جان بنائینگے۔
میری فارسی مثنویوں کے متعلق جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا وہ آپ کی ذرہ نوازی ہے افسوس کہ دیگر مصروفیتوں کی وجہ سے جو کچھ میں چاہتا تھا نہ لکھ سکا۔ بہرحال جو کچھ ہو گیا غنیمت ہے۔ اردو اشعار کا مجموعہ ابھی تک شائع نہیں ہو سکا[1]۔ امید کہ مزاج بخیر ہو گا والسلام

مخلص محمد اقبال بیرسٹر لاہور

---

[1] غالباً اشارہ ہے دوسرے اردو مجموعۂ کلام "بالِ جبریل" کی طرف جو ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔

بنام مولوی انشاء اللہ خاں

مولوی محمد انشاء اللہ خان، لاہور کے مشہور صحافی، مؤرخ اور مصنف تھے۔ ۲۰ر اپریل ۱۸۷۰ء کو گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۸ء میں اخبار "وکیل" امرتسر کے مدیر مقرر ہوئے۔ ۱۹۰۱ء میں لاہور سے ہفت روزہ "وطن" جاری کیا جس نے بہت جلد مقبولیت حاصل کرلی اور ۱۹۰۷ء میں روزنامہ بن گیا لیکن مولانا ظفر علی خان نے "زمیندار" کو روزنامہ کردیا تو "وطن" کی اشاعت کم ہوگئی۔ چنانچہ مولوی انشاء اللہ خاں نے اسے دوبارہ ہفت روزہ کردیا۔ ۱۹۲۸ء میں مولوی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ دو سال بعد "وطن" بھی بند ہوگیا۔ مولوی صاحب نے اپنی صحافتی مصروفیات کے ساتھ تصنیف و تالیف کا کام بھی جاری رکھا۔ "بست سالہ عہدِ حکومت سلطان عبدالحمید خان"، "تاریخ خاندانِ عثمانیہ"، "ٹرکی کی موجودہ حالت"، مظالم آرمینیا"، "تاریخِ حجاز ریلوے"، "ترجمہ مقدمہ ابنِ خلدون" اور "محاربات بلیونا"، اُن کی اہم تصانیف ہیں۔

مولوی انشاء اللہ خان، علامہ اقبالؔ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ اس بے تکلفی کا اندازہ وطن کی بہنوں والے معروف لطیفے سے لگایا جاسکتا ہے۔ فقیر سید وحیدالدین کی روایت ہے کہ مولوی صاحب، اکثر علامہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے۔ ان دنوں علامہ انارکلی میں رہتے تھے۔ انارکلی میں کشمیری طوائفیں بھی رہتی تھیں۔ میونسپلٹی نے ان کے لئے دوسری جگہ تجویز کی تھی چنانچہ انہیں وہاں سے اٹھوادیا تھا۔ اس زمانے میں مولوی انشاء اللہ خان کئی مرتبہ علامہ اقبالؔ سے ملنے گئے لیکن ہر مرتبہ یہی معلوم ہوا کہ علامہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ایک دن جو گئے تو علامہ گھر پر موجود تھے، مولوی صاحب نے کہا:

ڈاکٹر صاحب، جب سے طوائفیں انارکلی سے اٹھوادی گئی ہیں، آپ کا دل بھی یہاں نہیں لگتا۔ حضرتِ علامہ نے جواب دیا: مولوی صاحب آخر وہ بھی تو "وطن کی بہنیں ہیں"

(روزگارِ فقیر، لاہور-۱۹۶۳ء ص ۶۴)

۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے یورپ کا رختِ سفر باندھا۔ ۱ ستمبر کو لاہور سے بمبئی میل کے ذریعے روانہ ہوکر ۲ ستمبر کی صبح دہلی پہنچے۔ اگلے روز وہاں سے رخصت ہوکر بمبئی گئے اور بمبئی سے "ملوجا" نامی بحری جہاز کے ذریعے یورپ روانہ ہوگئے۔ ذیل کے دو خطوط، اسی سفر کی روداد پر مشتمل ہیں۔ غالباً اسی مقصد کے تحت لکھے گئے تھے کہ اخبار میں چھاپے جائیں اور قارئین کی معلومات۔ دلچسپی کا باعث ہوں چنانچہ دونوں خط ہفت روزہ "وطن" میں شائع ہوئے۔

یہ خطوط "مقالاتِ اقبال" (مرتبہ: سید عبدالواحد) میں بھی شامل ہیں لیکن سید عبدالواحد صاحب کا نقل کردہ متن قدرے مختلف ہے۔ حاشیے میں اختلافاتِ متن کی نشاندہی کردی گئی ہے۔

(۶) —— (۱)

مخدوم و مکرّم مولوی صاحب، السلام علیکم

آپ سے رخصت ہوکر اسلامی شان و شوکت کے اس قبرستان میں پہونچا جس کو دہلی کہتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر خواجہ سید حسن نظامی[۱] اور شیخ نذر محمد صاحب[۲] اسسٹنٹ مدارس

---

[۱] خواجہ حسن نظامی: (۱۸۷۶ء - ۱۹۵۵ء) اردو کے معروف ادیب، انشاء پرداز اور صحافی، تفصیلی حالات کے لیے دیکھیں صفحہ ۱۱۱

[۲] منشی نذر محمد؛ اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ دہلی۔ ملازمت سے سبکدوش ہوکر گوجرانوالہ میں رہائش پذیر ہوگئے تھے۔

موجود تھے۔ تھوڑی دیر کے لئے شیخ صاحب موصوف کے مکان پر قیام کیا، بعد ازاں[1] حضرت محبوب الٰہی[2] کے مزار پر حاضر ہوا اور تمام دن وہیں بسر کیا۔

اللہ اللہ۔ حضرت محبوب الٰہی کا مزار بھی عجیب جگہ ہے۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ دہلی کی پرانی سوسائٹی حضرت کے قدموں میں مدفون ہے۔ خواجہ حسن نظامی کیسے خوش قسمت ہیں کہ ایسی خاموش اور عبرت انگیز جگہ میں قیام رکھتے ہیں۔ شام کے قریب ہم اس قبرستان سے رخصت ہونے کو تھے کہ میر نیرنگ[3] نے خواجہ صاحب سے کہا کہ ذرا غالب مرحوم کے مزار کی

---

[1] مقالاتِ اقبال: ازاں بعد

[2] خواجہ نظام الدین اولیاء: (۱۲۳۸ء — ۱۳۲۵ء) اصل نام: سید محمد۔ مولد: بدایوں۔ بابا فرید گنج شکر کے مرید۔ سلسلہ چشتیہ کی ایک شاخ سلسلۂ نظامیہ کے بانی۔ امیر خسرو ان کے خاص مریدوں میں سے تھے دہلی میں واقع حضرت محبوب الٰہی کا مزار مرجعِ خاص و عام ہے۔

علامہ اقبال نے مختلف مواقع پر ان سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ ۱۹۰۳ء میں اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد پر بلوچستان میں ایک فوجداری مقدمہ قائم ہوا تو وہ بہت پریشان ہوئے (تفصیل کے لئے دیکھئے صفحہ ۳۰۷) اس دورِ ابتلا میں اقبال نے ۳۵ اشعار کی ایک نظم بہ عنوان "برگِ گل بر مزارِ مقدس حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی" لکھی اور خواجہ حسن نظامی کی وساطت سے حضرت محبوب الٰہی کے مزار پر بھیجی۔ یہ نظم عرس کے موقع پر پڑھی گئی اور اس کا مندرجہ ذیل شعر لکھ کر مزار کے دروازے پر لگا دیا گیا ؎

ہنگامہ داتا ہے تو تیرا بڑا دربار ہے   کچھ ملے مجھ کو بھی اس دربار سے

یہ نظم "سرودِ رفتہ" (ص ۵۲ - ۵۵) میں موجود ہے۔ ۱۹۰۵ء میں یورپ روانگی کے موقع پر اقبال نے "التجائے مسافر" کے عنوان سے ایک اور نظم لکھی اور دہلی میں ان کے مزار پر حاضری کے موقع پر، مزار کے سرہانے بیٹھ کر پڑھی۔ یہ نظم "بانگِ درا" (ص ۹۶ ، ۹۷) میں موجود ہے۔

[3] سید غلام بھیک نیرنگ: انبالہ کے معروف قومی کارکن، ادیب اور شاعر (بقیہ ۵۹ پر ملاحظہ ہو)

زیارت بھی ہو جائے کہ شاعروں کا حج یہی ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب موصوف ہم کو قبرستان کے ایک ویران سے گوشے میں لے گئے۔ جہاں وہ گنجِ معانی مدفون ہے جس پر دہلی کی خاک ہمیشہ ناز کرے گی۔ حسنِ اتفاق سے اُس وقت ہمارے ساتھ ایک نہایت خوش آواز لڑکا ولایت نام تھا۔ اس ظالم نے مرزا کے مزار کے قریب بیٹھ کر:

دِل سے تری نگاہ، جگر تک اُتر گئی

کچھ ایسی خوش الحانی سے گائی کہ سب کی طبیعتیں متأثر ہو گئیں۔ بالخصوص جب اُس نے یہ شعر پڑھا:

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھیے بس اب کہ لذّتِ خوابِ سحر گئی

تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آنکھیں پُرنم ہو گئیں اور بے اختیار لوحِ مزار کو بوسہ دے کر اس حسرت کدہ سے رخصت ہوا۔ یہ سماں اب تک ذہن میں ہے اور جب کبھی یاد آتا ہے تو دِل کو تڑپا جاتا ہے۔

اگرچہ دہلی کے کھنڈر مسافر کے دامنِ دل کو کھینچتے ہیں مگر میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ ہر مقام کی سیر سے عبرت اندوز ہوتا۔ شہنشاہ ہمایوں کے مقبرے[1] پر فاتحہ پڑھا۔ دارا شکوہ کے

(حاشیہ از صفحہ ۷۷) گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پائی۔ اقبال کے قدیم ترین دوستوں میں سے تھے۔ ۱۹۰۹ء سے ۱۹۲۰ء تک انبالے میں سرکاری وکیل رہے۔ نیرنگ نے اصلاحی، ملّی، اسلامی اور تعلیمی اسکیموں میں ہمیشہ پُرجوش حصّہ لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد لاہور آ گئے۔ ۱۹۵۲ء میں یہیں انتقال کیا۔ شاعری کے دو مجموعے "کلامِ نیرنگ" اور "غبارِ افق" اُن کی یادگار ہیں۔

[1] شہنشاہ نصیر الدین ہمایوں: (۱۵۰۸ء — ۱۵۵۶ء) کا مقبرہ بھی حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں واقع ہے۔

مزار کی خاموشی میں دل کے کانوں سے ہوالموجود کی آواز سُنی[1] اور دہلی کی عبرت ناک سرزمین سے ایک ایسا اخلاقی اثر لے کر رخصت ہوا جو صفحۂ دل سے کبھی نہ مٹے گا۔[2]

۲ ستمبر کی صبح کو میر نیرنگ اور شیخ محمد اکرام[3] اور باقی دوستوں سے دہلی میں رخصت ہو کر بمبئی کو روانہ ہوا اور ۳ کو خدا خدا کر کے اپنے سفر کی پہلی منزل میں پہنچا۔ ریلوے اسٹیشن پر تمام ہوٹلوں کے ٹکٹ ملتے ہیں، مگر میں نے ٹامس کُک[4] کی ہدایت سے انگلش ہوٹل میں قیام کیا اور تجربہ سے معلوم کیا کہ یہ ہوٹل ہندوستانی طلبا کے لیے جو ولایت جا رہے ہوں نہایت موزوں ہے۔ ریلوے اسٹیشن یہاں سے قریب ہے، گھاٹ یہاں سے قریب ہیں، ٹامس کُک کا دفتر یہاں سے قریب، غرض کہ ہر قسم کا آرام ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ شہر کے باقی تمام ہوٹلوں کی نسبت ارزاں ہے۔ صرف تین روپیہ یومیہ دو اور ہر قسم کا آرام حاصل کر لو۔ یہاں کا

---

[1] ۔ دارا شکوہ: (۱۶۱۵ء – ۱۶۵۸ء) شاہجہان کا سب سے بڑا اور چہیتا بیٹا۔ مصنف، شاعر اور خوش نویس۔ دارا شکوہ نے کئی کتابیں لکھیں۔ اسے ہندومت سے بہت شغف تھا۔ اس کی تصنیف "مجمع البحرین" بقول شیخ محمد اکرام: "مسلمان صوفیوں اور ہندو یوگیوں کے عقائد کا مجموعہ ہے۔" اسرارِ خودی (ص ۹۸) میں دارا شکوہ کے بارے میں یہ شعر ملتا ہے ؎

تخمِ الحادے کہ اکبر پرورید   باز اندر فطرتِ دارا دمید

اس خط میں علامہ اقبال نے "ہوالموجود" کی آواز سے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ دارا شکوہ وحدتِ وجود کا قائل تھا۔

[2] قیامِ دہلی کی مفصل روداد کے لئے ملاحظہ ہو: ضمیمہ ۱

[3] شیخ محمد اکرم، رسالہ "مخزن" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ "شبلی نامہ" اور "موجِ کوثر" وغیرہ کے مؤلف (ڈاکٹر شیخ محمد اکرام) کا نام، انہی کے نام پر رکھا گیا تھا (صحیفہ، غالب نمبر، پنجم۔ اپریل ۱۹۷۳ء، ص ۱۵۸)

[4] بحری جہاز ران کمپنی کا نام

منتظم ایک پارسی پیرمرد ہے جس کی شکل سے اس قدر تقدس ظاہر ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کو ایران کے پرانے خشور (نبی) یاد آجاتے ہیں۔ دکانداری نے اس کو ایسا عجز سکھا دیا ہے کہ ہمارے بعض علما میں باوجود عبادت اور مُرشدِ کامل کی صحبت میں بیٹھنے کے بھی ویسا انکسار پیدا نہیں ہوتا۔ کارلائل[1] نے کیا خوب کہا ہے کہ:

"محنت ہی بہت بڑی عبادت ہے۔"

میرے دل پر اس پیرِ مرد کی صورت کچھ ایسا اثر کرتی تھی کہ بعض اوقات اُسے دیکھ کر میری آنکھیں پُرنم ہو جاتی تھیں۔ لیکن جب اس کی وقعت میرے دل میں اندازہ سے زیادہ ہو گئی تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کا بیان بعض وجوہ سے ضروری ہے۔ میں ایک شام نیچے کی منزل میں کُرسی پر بیٹھا تھا کہ پارسی پیرمرد کمرے سے باہر نکلا۔ اس کی بغل میں شراب کی ایک بوتل تھی۔ جب اس نے مجھے بیٹھے ہوئے دیکھا تو اس کو چھپانے کی کوشش کی اور میں نے دُور سے تاڑ کر آواز دی کہ سیٹھ صاحب ہم سے کیوں چھُپاتے ہو، خوشی سے اس کا شوق کرو۔ ذرا مسکرایا اور کچھ پیے ہوئے بھی تھا بولا:

"شرابِ شوک پینے سے سبھی گم دُور ہو جائے۔"[2]

میں نے سُن کر کہا واہ رے بڈھے خدا تیری عمر دراز کرے اور تیری پرانی شاخ سے بہت سا میوۂ نورس پیدا ہو کر بمبئی کھیت باڑی میں بکتا پھرے۔

اس ہوٹل میں ایک یونانی بھی آکر مقیم ہوا۔ جو ٹوٹی پھوٹی سی انگریزی بولتا تھا۔ میں نے

---

[1] تھامس کارلائل: ——————— (۱۷۹۵ء-۱۸۸۱ء) معروف مؤرخ، مفکر اور ادیب۔

[2] مقالاتِ اقبال: واہ رے۔

ایک روز اُس سے پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ بولا چین سے آیا ہوں، اب ٹرانسوال[1] جاؤں گا۔ میں نے پوچھا چین میں تم کیا کام کرتے تھے؟ کہنے لگا سوداگری کرتا تھا لیکن چینی لوگ ہماری چیزیں نہیں خریدتے۔ میں نے سن کر دل میں کہا[2] ہم ہندیوں سے تو یہ افیمی ہی عقلمند نکلے کہ اپنے ملک کی صنعت کا خیال رکھتے ہیں۔ شاباش افیمیو، شاباش! نیند سے بیدار ہو جاؤ۔ ابھی تم آنکھیں ہی مل رہے ہو کہ اُس سے دیگر قوموں کو اپنی اپنی فکر پڑ گئی ہے[3]۔ ہاں ہم ہندوستانیوں سے یہ توقع نہ رکھو کہ ایشیا کی تجارتی عظمت کو ازسرِ نو قائم کرنے میں تمہاری مدد کر سکیں گے۔ ہم متفق ہو کر کام کرنا نہیں جانتے۔ ہمارے ملک میں محبت اور مروت کی بُو باقی نہیں رہی۔ ہم اُس کو پکا مسلمان سمجھتے ہیں جو ہندوؤں کے خون کا پیاسا ہو اور اس کو پکا ہندو خیال کرتے ہیں جو مسلمان کی جان کا دشمن ہو۔ ہم کتاب کے کیڑے ہیں اور مغربی دماغوں کے خیالات ہماری خوراک ہیں۔ کاش خلیج بنگالہ کی موجیں ہمیں غرق کر ڈالیں! مولوی صاحب، میں بے اختیار ہوں۔ لکھنے تھے سفر کے حالات اور بیٹھ گیا ہوں وعظ کرنے۔ کیا کروں؟ اس سوال کے متعلق تاثرات کا ہجوم میرے دل میں اس قدر ہے کہ بسا اوقات مجھے مجنوں سا کر دیا اور کر رہا ہے۔

ایک شب میں کھانے کے کمرے میں تھا کہ دو جنٹلمین میرے سامنے آ بیٹھے۔ شکل سے معلوم ہوتا تھا کہ یورپین ہیں۔ فرانسیسی میں باتیں کرتے تھے۔ آخر جب کھانا کھا کر اٹھے تو ایک نے کرسی کے نیچے سے اپنی ترکی ٹوپی نکال کر پہنی۔ جس سے مجھے یہ معلوم ہوا کہ یہ کوئی تُرک ہے۔ میری طبیعت بہت خوش ہوئی[4]۔ اور مجھے یہ فکر پیدا ہوئی کہ کسی طرح ان سے ملاقات

---

[1] ٹرانسوال: جنوبی افریقہ کا ایک صوبہ۔ اس علاقے میں کوئلے، تانبے، لوہے، سیسے، سونے اور ہیرے کی کانیں بکثرت موجود ہیں۔

[2] مقالاتِ اقبال: میں نے سن کر اُس سے کہا۔

[3] گراں خواب چینی سنبھلنے لگے — ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے (بالِ جبریل ص ۱۲۳)

[4] مقالاتِ اقبال: بہت متاثر ہوئی۔

ہو۔ دوسرے روز میں نے خواہ مخواہ باتیں شروع کیں۔ یورپ کی اکثر زبانیں سوائے انگریزی کے جانتا تھا۔ میں نے پوچھا فارسی جانتے ہو۔ بولا بہت کم۔ پھر میں نے فارسی میں اُس سے گفتگو شروع کی، لیکن وہ نہ سمجھتا تھا۔ آخری بمجبوری ٹوٹی پھوٹی عربی میں اُس سے باتیں کیں۔ یہ نوجوان ترک ینگ ٹرک پارٹی[1] سے تعلق رکھتا ہے اور سلطان عبدالحمید[2] کا سخت مخالف ہے۔ باتوں باتوں میں مجھے معلوم ہوا کہ شاعر بھی ہے۔ میں نے درخواست کی کہ اپنے شعر سناؤ

---

[1] ینگ ٹرک پارٹی: ترکی کے جلاوطنوں اور پناہ گزینوں کی ایک جماعت نے ۱۸۹۱ء میں جنیوا میں انجمن اتحاد و ترقی کی بنیاد ڈالی۔ مقصد یہ تھا کہ سلطان پر دباؤ ڈال کر اسے ملک میں اصلاحات پر مجبور کیا جائے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے بھی انجمن کی سرگرمیوں میں جوش و خروش سے حصہ لیا۔ انجمن کو اپنے مقاصد میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی جس کے نتیجے میں ۲۴ جولائی ۱۹۰۸ء کو ترکی میں دستوری حکومت قائم ہو گئی۔ انجمن کے افراد "نوجوان ترک" کہلاتے تھے۔ نوجوان ترکوں کی جدوجہد کا ایک منفی نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ ہو گیا ؎

چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا

سادگی مسلم کی دیکھ، اوروں کی عیاری بھی دیکھ (بانگِ درا، ص ۱۸۲)

[2] سلطان عبدالحمید، خلافتِ عثمانیہ کا تاجدار جو سلطان عبدالحمید ثانی کے نام سے معروف ہے۔ ۱۸۷۶ء میں تخت نشین ہوا۔ اس کے دورِ حکومت میں نوجوان ترکوں کی تحریک زور پکڑ گئی اور سلطان کو مجبوراً اصلاحات نافذ کرنی پڑیں۔ برسرِ اقتدار آنے پر نوجوان ترکوں نے سلطان عبدالحمید ثانی کو برطرف کر دیا۔ وہ یہودیوں کا سخت مخالف تھا اور اس نے یہودیوں کی بڑی بڑی پیش کشیں ٹھکرا دیں اور انہیں کسی قسم کی مراعات دینے سے انکار کر دیا۔ نوجوان ترکوں نے برسرِ اقتدار آنے پر نہ صرف یہودیوں کو بعض رعایات دیں بلکہ تین یہودیوں کو وزارت میں بھی شامل کیا۔ برطرفی کے بعد سلطان کو سالونیکا میں نظر بند کر دیا گیا۔ وہ حالتِ نظربندی ہی میں ۱۹۱۸ء میں انتقال کر گیا۔

کہنے لگا میں کمال بے (ترکی کا سب سے بڑا مشہور زندہ شاعر) کا شاگرد ہوں اور اکثر پولیٹیکل معاملات پر لکھا کرتا ہوں۔ کمال بے کے جو اشعار اُس نے سنائے سب کے سب نہایت عمدہ تھے لیکن جو شعر اپنے سنائے وہ سب کے سب سلطان کی ہجو میں تھے اُن میں سے ایک شعر یہاں درج کرتا ہوں:

ظلم و جورن تو سفوجہ برملتے محوا یلیور
آدمیت ملک و ملت دشمنِ عبدالحمید

یعنی کبیر ظُلم و جوَر نے تمام قوم کو مٹا دیا ہے۔ عبدالحمید آدمیت اور ملک قوم سب کا دشمن ہے۔

اس مضمون پر اُس سے بہت گفت گو ہوئی اور میں نے اُسے بتایا کہ ینگ پارٹی کو انگلستان کی تاریخ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ کیوں کہ جس طریق سے رعایا انگلستان نے بتدریج اپنے بادشاہوں سے پولیٹیکل حقوق حاصل کیے ہیں وہ طریق سب سے عمدہ ہے۔ بڑے بڑے عظیم الشان انقلابوں کا بغیر کشت و خون کے ہوجانا[1] یہ کچھ خاکِ انگلستان ہی کا حصّہ ہے۔ ایک روز سرِ شام میں اور یہ ترک جنٹلمین بمبئی کا اسلامیہ مدرسہ دیکھنے چلے گئے۔ وہاں اسکول کی گراونڈ میں مسلمان طلبا کرکٹ کھیل رہے تھے۔ ہم نے اُن میں[2] سے ایک کو بلایا اور اسکول کے متعلق بہت سی باتیں اس سے دریافت کیں۔ میں نے اُس طالب علم سے پوچھا کہ انجمن اس اسکول کو کالج کیوں نہیں بنا دیتی، کیا فنڈ نہیں ہے یا اور کوئی وجہ ہے۔ اس نے جواب دیا کہ فنڈ تو موجود ہے اور

---

[1] مقالاتِ اقبال: کشت و خون ہو جانا کچھ

[2] مقالاتِ اقبال: ان میں سے

اگر ضرورت ہو تو ایک آن میں موجود ہو سکتا ہے کیونکہ خدا کے فضل[1] سے یہاں بڑے بڑے متموّل مسلمان سوداگر[2] موجود ہیں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ مسلمان طلبا پڑھنے کے لیے نہیں آتے ہیں[3]۔ اس کے علاوہ اور اچھے اچھے کالج بمبئی میں موجود ہیں اور جیسی تعلیم اُن میں ہوتی ہے ویسی سردست ہم یہاں دے بھی نہیں سکتے۔ یہ جواب سن کر میں بہت خوش ہوا۔ میرا خیال تھا کہ بمبئی جیسے شہر میں مسلمانوں کا کالج ضرور ہوگا کیوں کہ یہاں کے مسلمان تموّل میں کسی اور قوم سے پیچھے نہیں ہیں لیکن یہاں آکر معلوم ہوا کہ تموّل کے ساتھ اُن میں عقل بھی ہے۔ ہم پنجابیوں کی طرح احمق نہیں ہیں۔ ہر چیز کو تجارتی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور نفع و نقصان پر ہر پہلو سے غور کر لیتے ہیں۔

غرض کہ بمبئی (خدا اسے آباد رکھے) عجیب شہر ہے۔ بازار کشادہ، ہر طرف پختہ سر بفلک عمارتیں ہیں کہ دیکھنے والے کی نگاہ ان سے خیرہ ہوتی ہے۔ بازاروں میں گاڑیوں کی آمد و رفت اس قدر ہے کہ پیدل چلنا محال ہو جاتا ہے۔ یہاں ہر چیز مل سکتی ہے۔ یورپ۔ امریکہ کے کارخانوں کی کوئی چیز طلب کرو فوراً مل جائے گی[4]۔ ہاں البتہ ایک چیز ایسی ہے جو اس شہر میں نہیں مل سکتی یعنی فراغت۔

یہاں پارسیوں کی آبادی اسّی نوّے ہزار[5] کے قریب ہے۔ مگر[6] ایسا معلوم ہوتا ہے

---

[1] مقالاتِ اقبال: خدا تعالیٰ کے فضل سے

[2] مقالاتِ اقبال: متموّل سوداگر

[3] مقالاتِ اقبال: آتے۔ اس

[4] مقالاتِ اقبال: فوراً آ ملے گی

[5] مقالاتِ اقبال: آبادی نوّے ہزار

[6] مقالاتِ اقبال: لیکن ایسا

کہ تمام شہر ہی پارسیوں کا ہے۔ اس قوم کی صلاحیت نہایت قابلِ تعریف ہے اور ان کی دولت و عظمت بے اندازہ۔ مگر اس قوم کے لیے کسی اچھی فیوچر Future کی پیشین[1] گوئی نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ عام طور پر سب کے سب دولت کمانے کی فکر میں ہیں اور کسی چیز پر اقتصادی پہلو کے سوا کسی اور پہلو سے نگاہ ہی نہیں ڈال سکتے۔ علاوہ اس کے نہ کوئی اُن کی زبان ہے نہ ان کا لٹریچر ہے۔ اور طرّہ یہ کہ فارسی کو نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ افسوس! یہ لوگ فارسی لٹریچر سے غافل ہیں ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ ایرانی لٹریچر میں عربیت کو فی الحقیقت کوئی دخل نہیں ہے بلکہ زردشتی رنگ اس کے رگ و ریشے میں ہے اور اسی پر اس کے حسن کا دارومدار[2] ہے۔ میں نے سکول کے پارسی لڑکوں اور لڑکیوں کو بازار میں پھرتے دیکھا۔ چھٹی کی موریتیں تھیں، مگر تعجب ہے کہ ان کی خوبصورت آنکھیں اسّی فی صدی کے حساب سے عینک پوش تھیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ عینک پوشی پارسیوں کا قومی فیشن ہوتا جاتا ہے۔ معلوم نہیں کہ ان کے قومی ریفارمر اس طرف توجہ کیوں نہیں کرتے۔ اس شہر کی تعلیمی حالت عام طور پر نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے ہوٹل کا حجام ہندوستان کی تاریخ کے بڑے بڑے واقعات جانتا تھا۔ گجراتی کا اخبار ہر روز پڑھتا تھا اور جاپان اور روس کی لڑائی سے پورا باخبر تھا۔ نوروجی دادا بھائی[3] کا نام بڑی عزت سے لیتا تھا۔ میں نے اُس سے پوچھا: نوروجی انگلستان میں کیا کرتا ہے؟ بولا "تجھ کالوں کے لیے لڑتا ہے"۔ ہوٹل کے نیچے مسلمان دکاندار ہیں۔ میں نے دیکھا

---

[1] مقالاتِ اقبال: پیش گوئی۔

[2] مقالاتِ اقبال: کوئی اور ان کی

[3] دادا بھائی نوروجی: (۱۸۲۵ء تا ۱۹۱۷ء) بمبئی کے معروف پارسی رہنما ۱۸۹۲ء میں برطانوی دارالعوام کے ممبر بنے۔ طویل عرصے تک انگلستان میں مقیم رہے، پھر ہندوستان چلے آئے۔ انہیں مسلمانوں کے فارسی لٹریچر سے خاص شغف تھا۔

ہر روز گجراتی اخبار پڑھتے تھے۔ میں نے ایک روز اُن سے پوچھا تم اُردو پڑھ سکتے ہو؟ کہنے لگے "نہیں، سمجھ سکتے ہیں[۱]، پڑھنا نہیں جانتے"۔ میں نے پوچھا کہ جب مولوی تمہارے نکاح[۲] پڑھاتا ہے تو کون سی زبان بولتا ہے۔ مسکرا کر بولا "اُردو!" یہاں پر ہر کوئی اردو سمجھ سکتا ہے اور ٹوٹی پھوٹی بول بھی لیتا ہے۔ ہمارے ہوٹل کا سیٹھ (وہی بوتل والا پیرمرد) کبھی ہندوستان نہیں گیا۔ مگر اردو خاصی بولتا تھا۔

میں بمبئی یعنی باپ لنڈن[۳] کی کیفیت دیکھ کر حیران ہوں، خدا جانے لنڈن کیا ہوگا۔ جس کا دروازہ ایسا عظیم الشان ہے۔ "اچھا دیدہ خواہد شد"۔ ۲ستمبر کو ۲ بجے ہم وکٹوریہ ڈاک، دگھاٹ، پر پہونچے جہاں مختلف کمپنیوں کے جہاز کھڑے ہیں۔ اللہ اکبر! یہاں کی دنیا ہی نرالی ہے۔ کئی طرح کے جہاز اور سینکڑوں کشتیاں ڈاک میں کھڑی ہیں اور مسافر سے کہہ رہی ہیں کہ سمندر کی وسعت سے نہ ڈر۔ خدا نے چاہا تو ہم تجھے صحیح وسلامت منزلِ مقصود پر پہونچا دیں[۴] گے۔ خیر طبّی معائنہ کے بعد میں اپنے جہاز پر سوار ہوا۔ لالہ دھنپت رام وکیل لاہور اور ان کے ایک دوست ڈاکٹر صاحب اس روز حسنِ اتفاق سے بمبئی میں تھے۔ میں اُن کا نہایت سپاس گذار ہوں کہ یہ دونوں صاحب مجھے رخصت کرنے کے لیے ڈاک پر تشریف لائے۔ بہت سے اور لوگ بھی جہاز پر سوار ہوئے اور اُن کے دوستوں اور رشتے داروں[۵] کا ایک ہجوم ڈاک پر تھا۔ کوئی

---

[۱] مقالاتِ اقبال و سمجھ سکتے۔ پڑھنا

[۲] مقالاتِ اقبال: تمہارا نکاح

[۳] مقالاتِ اقبال: لنڈن

[۴] مقالاتِ اقبال: پہنچا دیں

[۵] مقالاتِ اقبال: رشتہ داروں

تین بجے[1] جہاز نے حرکت کی اور ہم اپنے دوستوں کو سلام کہتے اور رومال ہلاتے ہوئے سمندر پر چلے گئے یہاں تک کہ موجیں اِدھر اُدھر سے آ آکر ہمارے جہاز کو چومنے لگیں۔ فرانسیسی قوم کا مذاق اس جہاز کی عمدگی اور نفاست سے ظاہر ہے۔ ہر روز صبح کو کئی آدمی جہاز کی صفائی میں مصروف ہوتے ہیں[2] اور ایسی خوبی سے صفائی کرتے ہیں کہ ایک تنکا تک جہاز پر نہیں رہنے دیتے۔ ملازموں میں مصر کے چند حبشی بھی ہیں جو مسلمان ہیں اور عربی بولتے ہیں۔ جہاز کے فرانسیسی افسر نہایت خوش خلق ہیں اور ان کے تکلفات کو دیکھ کر لکھنؤ یاد آجاتا ہے۔ ایک روز ایک افسر تختۂ جہاز پر کھڑا تھا کہ ایک حسین عورت کا ادھر سے گذر ہوا۔ اتفاق سے یا غالباً ارادتاً[3] یہ عورت اس افسر[4] کے شانے پر ہاتھ رکھتی ہوئی گذری۔ ہمارے نوجوان افسر نے اس توجہ کے جواب میں ایک ایسی ادا سے جنبش کی کہ ہمارے ملک کے حسین بھی اس کی نقل نہیں اُتار سکتے۔

کھانے کا انتظام بھی نہایت قابلِ تعریف ہے۔ میز بھی فرانسیسی تکلف کی گواہی دے رہا ہے۔ مگر اس جہاز پر ہم ہندوستانیوں کے لیے ایک بڑی دقت ہے[5] اور وہ یہ کہ جہاز کے تقریباً سب مسافر فرانسیسی بولتے ہیں۔ انگریزی کوئی نہیں بولتا۔[6] جہاز کے تمام ملازم فرانسیسی بولتے ہیں اور بعض اوقات ان کو اپنا مطلب سمجھانے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ اگرچہ فرانسیسی جہازوں میں ہر طرح کی آسائش ہے، تاہم میری رائے یہی ہے کہ ہم لوگوں کو انگریزی

---

[1] مقالاتِ اقبال: ۳ بجے

[2] مقالاتِ اقبال: مصروف رہتے ہیں۔

[3] مقالاتِ اقبال: ارادۃً

[4] مقالاتِ اقبال: اس افسر

[5] مقالاتِ اقبال: دقت یہ ہے

[6] مقالاتِ اقبال: کوئی نہیں جانتا

کمپنیوں کے جہازوں میں سفر کرنا چاہیے۔ ان کے مسافر سب کے سب انگریزی داں ہوتے ہیں اور علاوہ اس کے مسافروں کی کثرت کی وجہ سے جہاز پر بڑی رونق ہوتی ہے۔ ہمارے اس جہاز میں ساٹھ سے زیادہ مسافر نہیں ہیں۔

ہم لوگ رات کو اپنے اپنے کمروں میں سوتے ہیں اور صبح سے شام تک تختۂ جہاز پر کرسیاں بچھا کر بیٹھے رہتے ہیں۔ کوئی پڑھتا ہے، کوئی باتیں کرتا ہے، کوئی پھرتا ہے۔ کیبین میں جہاز کی جنبش کی وجہ سے طبیعت بہت گھبراتی ہے مگر تختۂ جہاز پر بہت آرام رہتا ہے۔ میرے تمام ساتھی دوسرے ہی روز مرضِ بحری میں مبتلا ہو گئے مگر الحمدللہ کہ میں محفوظ رہا۔ مجھ سے اکثروں نے دریافت کیا کہ کیا تم نے پہلے بھی بحری سفر کیا ہے۔ جب میں نے جواب دیا کہ نہیں تو وہ حیران ہوئے اور کہا کہ تم بڑے مضبوط آدمی ہو۔ بمبئی سے ذرا آگے نکل کر سمندر کی حالت کسی قدر متلاطم تھی۔ خواجہ خضر صاحب کچھ خفا سے معلوم ہوتے تھے۔ اتنی اونچی اونچی موجیں آتی تھیں کہ خدا کی پناہ! دیکھ کر دہشت آتی تھی۔ ایک شب ہم کھانا کھا کر تختۂ جہاز پر آ بیٹھے۔ کچھ عرصے کے بعد سمندر کی سرد ہوا نے ہم سب کو سلا دیا، مگر دفعتاً ایک خوفناک موج نے اچھل کر ہم پر حملہ کیا اور تمام مسافروں کے کپڑے بھیگ گئے۔ عورتیں بچے اور مرد نیچے بھاگ کر اپنے اپنے کمروں میں جا سوئے اور ہم تھوڑی دیر کے لیے جہاز کے ملازموں اور افسروں کے تمسخر کا باعث بنے رہے۔ رستے میں ایک آدھ بارش بھی ہوئی جس سے سمندر کا تلاطم نسبتاً بڑھ گیا اور طبیعت اس نظارے کی یکسانیت سے اُکتانے لگی۔ سمندر کا پانی بالکل سیاہ معلوم ہوتا ہے اور موجیں جو زور سے اٹھتی ہیں اُن کو سفید جھاگ چاندی کی ایک کلغی سی پہنا دیتی ہے اور دُور دُور تک ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کسی نے سطحِ سمندر پر روئی کے گالے بکھیر ڈالے ہیں۔ یہ نظارہ نہایت دلفریب ہے۔ اگر اس میں موجوں کی دہشت ناک کشاکش کی آمیزش نہ ہو۔ ان کی قوت سے جہاز ایک معمولی کشتی کی طرح جنبش کرتا ہے۔ آسمان

لہ مقالاتِ اقبال: الحمدللہ ہیں

اُوپر تلے ہوتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر چونکہ آنکھیں[1] اس نظارے سے کسی قدر مانوس ہوگئی ہیں اور نیز جہاز والوں کے چہروں کا اطمینان یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ایک معمولی بات ہے۔ اس واسطے ہم کو بھی خوف کا احساس نہیں ہوتا۔ یورپین لڑکے لڑکیاں تختۂ جہاز پر دوڑتے پھرتے ہیں اور محسوس بھی نہیں کرتے کہ جہاز میں ہیں۔

ہمارا ہم سفر ایک پادری ہے جو جنوبی ہندوستان سے آیا ہے اور اب اٹلی کو جا رہا ہے۔ گذشتہ رات مجھ سے کسی نے کہا کہ یہ فرانسیسی پادری بہت سی زبانیں جانتا ہے اور روسی زبان خوب بولتا ہے۔ میں اُس کے پاس جا کھڑا ہوا اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد پوچھا کہ کونٹ ٹالسٹائی[2] کی نسبت تمہارا کیا خیال ہے۔ اُس نے میرے سوال پر نہایت حیرانی ظاہر کی اور پوچھا کہ کونٹ ٹالسٹائی کون ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر نہایت تعجب ہوا کہ یہ شخص روسی زبان جانتا ہے اور کونٹ کے مشہور نام سے واقف نہیں ہے۔ میں یہ لکھنا بھول گیا کہ جہاز پر دیا سلائی استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ تختۂ جہاز کی ایک طرف ایک کمرے کی دیوار پر پیتل کی ایک انگیٹھی سی لگا رکھی ہے جس میں چند لکڑیاں آگ لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ جن لوگوں کو سگریٹ یا سگار روشن کرنا ہو اس انگیٹھی سے ایک لکڑی اٹھالیں۔

جہاز کے سفر میں دل پر سب سے زیادہ اثر ڈالنے والی چیز سمندر کا نظارہ ہے۔ باری تعالےٰ کی قوتِ نامتناہی کا جو اثر سمندر دیکھ کر ہوتا ہے شاید ہی کسی اور چیز سے ہوتا ہو۔ حج بیت اللہ میں جو تمدنی اور روحانی فوائد ہیں اُن سے قطع نظر کرکے ایک بڑا اخلاقی فائدہ سمندر کی ہیبت ناک موجوں اور اس کی خوفناک وسعت کا دیکھنا ہے جس سے مغرور انسان کو اپنے ہیچ محض ہونے کا

---

[1] مقالاتِ اقبال: مگر آنکھیں چونکہ

[2] کاونٹ لیو ٹالسٹائی: ______ (۱۸۲۸ء – ۱۹۱۰ء) بلند پایہ روسی ناول نگار۔

پورا پورا یقین ہو جاتا ہے۔ شارع اسلام کی ہر بات قربان ہو جانے کے قابل ہے۔

بابی انت وامی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

آج ۱۲ ستمبر کی صبح ہے۔ میں بہت سویرے اُٹھا ہوں۔ جہاز کے جاروب کش ابھی تختے صاف کر رہے ہیں، چراغوں کی روشنی دھیمی پڑ گئی ہے۔ آفتاب چشمۂ آب میں سے اٹھتا ہوا معلوم ہوتا ہے اور سمندر اس وقت ایسا ہی ہے جیسے ہمارا دریائے راوی۔ شاید صبح کے پُر تاثیر نظارے نے اس کو سمجھا دیا کہ سکونِ قلب بھی ایک نایاب شے ہے۔ ہر وقت کی الجھن اور بے تابی اچھی نہیں۔ طلوعِ آفتاب کا نظارہ ایک دردمند دِل کے لیے تلاوت کا حکم رکھتا ہے۔ یہی آفتاب ہے جس کے طلوع وغروب کو میدان میں ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے مگر یہاں سمندر میں اس کی کیفیت ایسی ہے کہ:

نظارہ ز جنبیدن مژگاہ گلہ دارد

حقیقت میں جن لوگوں نے آفتاب پرستی کو اپنا مذہب قرار دے رکھا ہے میں ان کو قابلِ معذوری سمجھتا ہوں۔ ناسخ مرحوم[1] کیا خوب فرما گئے ہیں:

ہے جی میں آفتاب پرستوں سے پوچھیے
تصویر کس کی ہے ورقِ آفتاب میں

کوئٹے کے ڈپٹی کمشنر صاحب جو اٹھارہ ماہ کی رخصت لے کر ولایت جا رہے ہیں اور وہ پادری صاحب جو ٹالسٹائی کے نام سے ناواقف معلوم ہوتے تھے اس وقت جہاز کی اوپر کی چھت پر کھڑے اس نظارے کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ یہ پادری صاحب بڑے مزے کے آدمی ہیں۔ ان میں ایک خاص ہنر ہے اور وہ یہ کہ ہر کسی کو باتوں میں لگا لیتے ہیں۔ انگریزی بولتے

---

[1] شیخ امام بخش ناسخ (وفات: ۱۸۳۹ء) دبستانِ لکھنؤ کے ممتاز شاعر تھے۔ اصلاحِ زبان کے سلسلے میں اُن کی خدمات بہت اہم ہیں۔

ہیں مگر بہت شکستہ اور مجھ کو جب بلاتے ہیں تو ٹالسٹائی کے نام سے۔ کل مجھ سے پوچھتے تھے تم ہندوستان کا ٹالسٹائی بننا چاہتے ہو۔ میں نے جواب دیا ٹالسٹائی بن جانا آسان نہیں ہے، زمین سورج کے گرد لاکھوں چکر لگاتی ہے تب جا کے کہیں ایک ٹالسٹائی پیدا ہوتا ہے۔ کو رٹ کے ڈپٹی کمشنر صاحب بڑے باخبر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کل رات اُن سے ہندوستان کے پولیٹیکل معاملات پر بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ عربی اور فارسی جانتے ہیں۔ سر ولیم میور[۱] کی تصانیف کے متعلق گفتگو ہوئی تو کہنے لگے کاش یہ شخص ذرا کم متعصب ہوتا۔ عمر خیام[۲] کے بڑے مداح ہیں مگر میں نے اُن سے کہا کہ اہلِ یورپ نے ابھی سحابی نجفی[۳] کی رباعیات کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ عمر خیام کو کبھی کے فراموش کر گئے ہوتے۔

اب ساحل قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا۔ ساحلِ عرب کے تصوّر نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے اس کی داستان کیا عرض کروں بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منوّر کروں:

---

[۱] صوبہ الٰہ آباد کے لفٹننٹ گورنر سر ولیم میور نے اپنی کتاب "لائف آف محمدؐ" میں آنحضورؐ کی ذاتِ اقدس پر متعدد بہتان تراشے۔ سر سیّد نے جواباً "خطباتِ احمدیہ" لکھی۔

[۲] حکیم ابوالفتح عمر خیام نیشاپوری: (وفات ۱۱۳۲ء) رُباعی گو شاعر، نثر نگار، منجّم اور ریاضی دان۔ شہرت کا زیادہ تر دار و مدار رباعیات پر ہے۔ خیام کے ہاں فلسفہ، تعیّش اور تشکک و تردّد کے مضامین ملتے ہیں۔

[۳] ابو سعید سحابی: (وفات ۱۶۰۱ء) وطن استر آباد، جرجان۔ چالیس برس نجف اشرف میں گذارے۔ عصری فنون میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ متدین اور متقی شخص تھے۔ قادر الکلام شاعر تھے مگر دیوان ضائع کر دیا تاہم غزلیات کا مجموعہ دستیاب ہے شاید علامہ اقبال نے سحابی کو خیام پر اس لیے ترجیح دی کہ عمر خیام کے تشکک، مے نوشی اور خود فراموشی کے مقابلے میں سحابی کے ہاں اخلاقی، متصوفانہ اور عارفانہ مضامین ملتے ہیں۔ مولانا شبلی نے بھی سحابی کی قادر الکلامی اور مضمون آفرینی کو سراہا ہے۔

اللہ رے خاکِ پاک مدینہ کی آبرو
خورشید بھی گیا تو اُدھر سر کے بل گیا

اے عرب کی مقدس سرزمین، تجھ کو مبارک ہو! تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا۔ مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی! باغ کے مالک نے اپنے ملازموں کو مالیوں کے پاس پھل کا حصہ لینے کو بھیجا لیکن مالیوں نے ہمیشہ ملازموں کو مار پیٹ کے باغ سے باہر نکال دیا اور مالک کے حقوق کی کچھ پروا نہ کی۔ مگر آہ! اے پاک سرزمین، تو وہ جگہ ہے جہاں سے باغ کے مالک نے خود ظہور کیا تا کہ گستاخ مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو ان کے نامسعود پنجوں سے آزاد کرے۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس نقشِ قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں کے سائے نے ہزاروں ولیوں اور سلیمانوں کو تمازتِ آفتاب سے محفوظ رکھا ہے۔ کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو! کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروا نہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذانِ بلال کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی[1]

از عدن مورخہ ۱۲ ستمبر[2]

راقم محمد اقبال

---

[1] علامہ اقبال کی دیرینہ آرزو تھی کہ حج بیت اللہ کی سعادت نصیب ہو اور روضۂ نبوی پر حاضری کا موقع ملے۔ عمر کے آخری حصے میں اس آرزو میں حسرت کا رنگ پیدا ہو گیا تھا۔ "ارمغانِ حجاز" (ص ۲۳ - ۶۲) کی رباعیات، اس ضمن میں حضرتِ علامہ کے احساسات کی بہترین ترجمان ہیں۔ اسی طرح کے جذبات سر اکبر حیدری کے نام ایک خط (دیکھیے صفحہ ۲۷۵) میں بھی ظاہر کئے گئے ہیں۔

[2] ۱۹۰۵ء

۷ ——— (۲)

درجِ ذیل مکتوب جزوی طور پر "ماہِ نو" اپریل ۱۹۶۱ء میں اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا کہ: "نعیم آرزو صاحب کے بیان کے مطابق یہ دراصل منشی محمد فوق امرتسری (مرحوم) کے نام لکھا گیا تھا" مگر یہ بیان درست نہیں کیونکہ القاب ہی سے ظاہر ہے کہ خطاب فوق سے نہیں۔ فوق کے نام اقبال کے اکثر خطوط "ڈیر فوق" سے شروع ہوتے ہیں یا ایک دو خطوط میں "مکرم بندہ" اور برادرِ مکرم و معظم" کے القاب استعمال ہوئے ہیں۔ محض اسی خط میں فوق کو "مولوی صاحب" کہنے کی کوئی تک نہیں ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ "ماہِ نو" میں "فوق کے نام" اس خط کا جو متن چھپا ہے اس میں القاب صرف اتنا ہے: "مخدوم و مکرم" حالانکہ اصل خط میں "مخدوم و مکرم" کے ساتھ "مولوی صاحب" کے الفاظ بھی موجود ہیں۔ چونکہ فوق کو "مولوی صاحب" قرار دینا مشکل تھا لہٰذا القاب سے "مولوی صاحب" کے الفاظ خارج کر کے یہ مشکل آسان بنالی گئی اور خط "فوق کے نام" ٹھہرا دیا گیا۔ یہ خط مولوی انشاء اللہ خان کے اخبارِ "وطن" (۲۲ دسمبر ۱۹۰۶ء) میں اس وضاحت کے ساتھ چھپا کہ اقبال نے یہ خط مولوی انشاء اللہ خان کو ارسال کیا ہے مگر فوق نے اس کی تردید نہ کی حالانکہ اس زمانے میں اپنا ہفتہ وار اخبار نکالتے تھے اور ایک غلط بات کی تردید اُن کے لئے کچھ مشکل نہ تھی۔

❖

مولوی صاحب، مخدوم و مکرم، السلام علیکم

میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ سویز پہونچ کر دوسرا خط لکھوں گا مگر چونکہ عدن سے سویز

تک کے حالات بہت مختصر تھے اس واسطے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ لندن پہونچ کر[۱] مفصل واقعات عرض کروں گا۔ میرے پاس ایک کاغذ تھا جس پر میں نوٹ لیتا جاتا تھا، مگر افسوس ہے کہ منزلِ مقصود پر پہنچ کردہ کاغذ کہیں کھویا گیا[۲]۔ یہی وجہ میرے اب تک خاموش رہنے کی تھی شیخ عبدالقادر صاحب[۳] کی معرفت آپ کی شکایت پہونچی۔ کل ایک پرائیویٹ خط میں نے آپ کو لکھا تھا۔ دونوں خط آپ کو ایک ہی وقت ملیں گے۔

عدن میں قدیم ایرانی بادشاہوں کے بنائے ہوئے تالاب ہیں اور یہ اس طرح بنائے گئے ہیں کہ ایک دفعہ بارش کا تمام پانی ہر جگہ سے ڈھل کر اُن میں جاگرتا ہے چونکہ ملک خشک ہے اس واسطے ایسی تعمیر کی سخت ضرورت تھی۔ میں بوجہ گرمی کے اور نیز قرنطینہ کے عدن کی سیر نہ کرسکا۔ انجینیری کے اس حیرت ناک کرشمے کی نگاری[۴] سے محروم رہا۔ جب ہم سویز پہونچے تو مسلمان دکانداروں کی ایک کثیر تعداد ہمارے جہاز پر آموجود ہوئی اور ایک قسم کا بازار تختۂ جہاز پر لگ گیا۔ ان لوگوں کی فطرت میں میلان تجارت مرکوز ہے اور کیوں نہ ہو، ان ہی کے

---

۱ مقالاتِ اقبال: پہنچ کر

۲ مقالاتِ اقبال: کھوگیا

۳ سر شیخ عبدالقادر: (۱۸۷۴ء۔ ۱۹۵۰ء) لدھیانہ میں پیدا ہوئے۔ ایف سی کالج لاہور سے بی اے اور کیمبرج سے بیرسٹری پاس کی۔ صحافت، ادب، تعلیم اور عدلیہ کے شعبوں میں مفید خدمات انجام دیں۔ مختلف اوقات میں لیکچرر، سرکاری وکیل، مدیر، پبلک سروس کمیشن کے رکن، پنجاب ہائی کورٹ کے جج اور وائسرائے کونسل کے رکن رہے۔ اردو شعر و ادب کی ترویج و ترقی میں ان کے جاری کردہ رسالے "مخزن" (اجرا: اپریل ۱۹۰۱ء) کا زبردست ہاتھ ہے۔ علامہ اقبال کے قدیم ترین اور قریبی دوستوں میں سے تھے۔ نظم "عبدالقادر کے نام" (بانگِ درا ۱۴۲) اس قریبی تعلق کو ظاہر کرتی ہے جو حضرت علامہ کو اپنے عزیز دوست سے تھا۔

۴ مقالاتِ اقبال: دیکھ دیئے

آباؤ اجداد تھے جن کے ہاتھوں میں کبھی یورپ اور ایشیا کی تجارت تھی۔ سلیمان اعظم[1] انہیں میں کا ایک شہنشاہ تھا جس کی وسعت تجارت نے اقوام یوروپ[2] کو ڈرا کر ان کو ہندوستان کی ایک نئی راہ دریافت کرنے کی تحریک کی تھی۔

کوئی پھل بیچتا ہے، کوئی پوسٹ کارڈ دکھاتا ہے، کوئی مصر کے پرانے بُت بیچتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتا ہے کہ یہ ذرا سا[3] بُت اٹھارہ ہزار برس کا ہے جو ابھی کھنڈر کھودنے پر ملا ہے۔ غرض کہ یہ لوگ گاہکوں کو قید کرلیتے ہیں[4]۔ کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔ انہیں[5] لوگوں میں ایک شعبدہ باز بھی ہے کہ ایک مرغی کا بچہ ہاتھ میں لیے ہے اور کسی نامعلوم ترکیب سے ایک کے دو بنا کر دکھاتا ہے۔ ایک نوجوان مصری دکاندار[6] سے میں نے سگریٹ

---

[1] سلیمان اوّل: د ۱۵۱۷ء – ۱۵۶۶ء، وہ اپنی زندگی میں دُنیا کا سب سے بڑا حکمران تھا اور سلیمانِ اعظم Suleiman, the Magnificent کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے عہد میں سلطنتِ عثمانیہ اپنی وسعت، قوت، خوش حالی اور شان و شوکت کے لحاظ سے انتہائی عروج تک پہنچ گئی تھی۔ یورپ، افریقہ اور ایشیا کا چالیس ہزار مربع میل رقبہ اس کے زیرِ نگیں تھا۔ اس کے امیر البحر خیر الدین باربروسہ نے ۱۵۳۱ء میں بحیرۂ روم میں یورپ کے عیسائی ممالک کے متحدہ بیڑے کو شکست دی۔ بحیرہ روم، بحرِ ابیض، بحرِ احمر اور بحرِ ہند (کے کچھ حصّوں) میں واقع تجارتی شاہراہوں پر بھی اس کا مکمل قبضہ تھا۔ شاید اسی لئے یورپ کے جہاز رانوں کو نئے آبی راستوں کی تلاش کی ضرورت محسوس ہوئی۔

[2] مقالاتِ اقبال: اقوامِ یورپ

[3] مقالاتِ اقبال: ذراسی بُت

[4] مقالاتِ اقبال: قید کرلینے میں کوئی

[5] مقالاتِ اقبال: ان ہی

[6] مقالاتِ اقبال: دوکاندار

خریدنے چاہیے اور باتوں باتوں میں میں نے اس سے کہا کہ میں مسلمان ہوں، مگر چونکہ میرے سر پر انگریزی ٹوپی تھی اُس نے ماننے میں تامل کیا اور مجھ سے کہا کہ تم ہیٹ کیوں پہنتے ہو۔ تعجب ہے کہ یہ شخص ٹوٹی پھوٹی اردو بولتا تھا۔ جب وہ میرے اسلام کا قائل ہو کر یہ جملہ بولا "تم بھی مسلم ہم بھی مسلم" تو مجھے بڑی مسرت ہوئی۔ میں نے اُسے جواب دیا کہ ہیٹ پہننے سے کیا اسلام تشریف لے جاتا ہے؟ کہنے لگا کہ اگر مسلمان کی داڑھی منڈی ہو تو اس کو ترکی ٹوپی یعنی طربوش ضرور پہننا چاہیے، ورنہ پھر اسلام کی علامت کیا ہوگی۔ میں نے دل میں کہا کہ کاش ہمارے ہندوستان میں بھی یہ مسئلہ مروج ہو جاتا تاکہ ہمارے دوست موسمی علما کے حملوں سے مامون و مصئون ہو جاتے۔ خیر آخر یہ شخص میرے اسلام کا قائل ہوا اور چونکہ حافظِ قرآن تھا، اس واسطے میں نے چند آیات قرآن شریف کی پڑھیں تو نہایت خوش ہوا اور میرے ہاتھ چومنے لگا۔ باقی تمام دکانداروں کو مجھ سے ملایا اور وہ لوگ میرے گرد حلقہ باندھ کر ماشاء اللہ، ماشاء اللہ کہنے لگے اور میری غرض سفر معلوم کر کے دعائیں دینے لگے یا یوں کہیئے کہ دو چار منٹ کے لیئے وہ تجارت کی پستی سے اُبھر کر اسلامی اخوت کی بلندی پر جا پہونچے۔

تھوڑی دیر کے بعد مصری نوجوانوں کا ایک نہایت خوبصورت گروہ جہاز کی سیر کے لیے آیا۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ان کے چہرے اس قدر مانوس معلوم ہوتے تھے کہ مجھے ایک سکنڈ کے لیے علی گڑھ کالج کے ایک ڈیپوٹیشن کا شبہ ہوا۔ یہ لوگ جہاز کے ایک کنارے پر کھڑے ہو کر باتیں کرنے لگے اور میں بھی دخل در معقولات اُن میں جا گھسا۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اُن میں سے ایک نوجوان ایسی خوبصورت عربی بولتا تھا کہ جیسے حریری[1] کا کوئی مقام پڑھ رہا ہو۔

آخر مسلمانوں کے اس گروہ کو چھوڑ کر ہمارا جہاز رخصت ہوا اور آہستہ آہستہ

---

[1] "مقاماتِ حریری" ابو محمد قاسم بن علی بن عثمان الحریری البصری (وفات: ۱۱۲۲ء) کی معروف تصنیف ہے۔ عربی ادب و انشا کے اعتبار سے یہ بہت بلند پایہ کتاب ہے اور دنیا کی متعدد زبانوں میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

سویز کنال[1] بیں جا داخل ہوا۔ یہ کنال جسے ایک فرانسیسی انجنیئر نے تعمیر کیا تھا۔ دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ عرب اور افریقہ کی جدائی ہے اور مشرق و مغرب کا اتحاد ہے۔ دنیا کی روحانی زندگی پر مہاتما بدھ[2] نے بھی اس قدر اثر نہیں کیا جس قدر اس مغربی دماغ نے زمانہ حال کی تجارت پر اثر کیا ہے۔ کسی شاعر کا قلم اور کسی سنگ تراش کا ہنر اس شخص کی[3] تخیل کی داد نہیں دے سکتا۔ جس نے اقوام عالم میں اس تجارتی تغیر کی بنیاد رکھی، جس نے حال کی دنیا کی تہذیب و تمدن کو اور سے کچھ اور کر دیا۔ بعض بعض جگہ تو یہ کنال ایسی تنگ ہے کہ دو جہاز مشکل سے اس میں گذر سکتے ہیں[4] اور کسی کسی جگہ ایسی بھی ہے کہ اگر کوئی غنیم چاہے کہ رات بھر میں[5] اسے مٹی سے

---

[1] نہر سویز کی کھدائی کا ٹھیکہ، مصر کے خدیو سعید پاشا نے ایک فرانسیسی دوست فرڈی ننڈ دے سیلبس کو دیا (۳۰ نومبر ۱۸۵۴ء) کمپنی ۱۸۵۸ء میں قائم ہوئی جس نے اخراجات کے لیے بیس کروڑ فراہم کا انتظام کیا۔ کھدائی ۲۹ اپریل ۱۸۵۹ء کو شروع ہوئی۔ برطانیہ نے بہت مخالفت کی مگر آخر کار نہر کی تعمیر مکمل ہو گئی۔ اس کا افتتاح ۱۷ نومبر ۱۸۶۹ء کو ہوا۔

[2] مہاتما گوتم بدھ (۵۶۰ - ۴۸۰ ق م) کپل وستو کے راجہ سدھارتھ کا بیٹا جو بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگلوں کو نکل گیا۔ شدید ریاضتوں کے بعد گیا میں برگد کے درخت کے نیچے اس پر "حقیقت" منکشف ہوئی اور بدھ اپنے خیالات کی تبلیغ کرنے لگا۔ وہ ذات پات کی تفریق اور رسوم پرستی کے خلاف تھا۔ نیک نیتی، راست گفتاری، جائز ذریعۂ معاش اور فکر و مراقبے پر زور دیتا تھا۔ مشہور راجہ اشوک نے بدھ مت قبول کیا اور وسیع پیمانے پر اس کی اشاعت کی۔ ہندوستان کے علاوہ مشرق بعید کے ممالک میں بھی بدھ مت کو فروغ حاصل ہوا۔

[3] مقالاتِ اقبال: شخص کے تخیل

[4] مقالاتِ اقبال: اس میں سے گذر سکتے ہیں

[5] مقالاتِ اقبال: رات میں اسے

پڑ کر دے تو آسانی سے کر سکتا ہے۔ سینکڑوں آدمی ہر وقت کام کرتے رہتے ہیں۔ جب ٹھیک رہتی ہے اور اس کا ہمیشہ خیال رکھنا پڑتا ہے کہ دونوں جانب سے جو ریگ ہوا سے اُڑ کر[1] اس میں گرتی رہتی ہے اس کا انتظام ہوتا رہے۔ کنارے پر جو مزدور کام کرتے ہیں بعض نہایت شریر ہوتے ہیں[2]۔ جب ہمارا جہاز آہستہ آہستہ جا رہا تھا اور جہاز کی چند انگریز بی بیاں کھڑی حل کی سیر کر رہی تھیں تو اُن میں سے ایک مزدور از سرتا پا برہنہ ہو کر ناچنے لگا۔ یہ بیچاری دوڑ کر اپنے اپنے کمروں میں چلی گئیں۔

جہاز سے گزرتے ہوئے ایک اور دلچسپ نظارہ بھی دیکھنے میں آیا اور وہ یہ کہ ہم نے ایک مصری جہاز گذرتے ہوئے دیکھا جو بالکل ہمارے ہی پاس سے ہو کر گذرا۔ اس پر تمام سپاہی ترکی ٹوپیاں پہنے ہوئے تھے اور نہایت خوش الحانی سے عربی غزل گاتے جاتے تھے۔ یہ نظارہ ایسا پُر اثر تھا کہ اس کی کیفیت اب تک دل پر باقی ہے۔

ابھی ہم پورٹ سعید نہ پہونچے تھے کہ ایک بارود سے بھرے ہوئے جہاز کے پھٹ جانے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر غرق ہو جانے کی خبر آئی۔ تھوڑی دیر میں اس کے ٹکڑے کنال سے گذرتے ہوئے دکھائی دیے۔ جان و مال کا بے اندازہ نقصان ہوا اور تھوڑی دیر کے لیے ہماری طبیعت اس مصیبت پر بہت متاثر رہی۔ پورٹ سعید پہونچ کر[3] پھر مسلمان تاجروں کی دکانیں تختۂ جہاز پر لگ گئیں۔ میں ایک کشتی پر بیٹھ کر مع پارسی ہم سفر کے بندرگاہ کی سیر کو چلا گیا۔ پورٹ سعید جہازوں

---

[1] مقالاتِ اقبال: ہوا سے اُڑ کر

[2] مقالاتِ اقبال: شریر ہیں

[3] مقالاتِ اقبال: پورٹ سعید پہنچ کر

کو کوئلہ مہیا کرنے والے بندرگاہوں میں سب سے بڑا ہے اور سعید پاشا[۱] کے نام سے مشہور ہے جس نے سویز کنال بنانے کی اجازت دی تھی۔ عمارات کا نظارہ نہایت ہی خوبصورت ہے اور شہر چھوٹی سی بمبئی ہے جس کی نسبت خیال ہے[۲] کہ یہ کبھی دنیا کے تجارتی مرکزوں میں سے ایک ہوگا۔ مدرسہ دیکھا، مسجدوں کی سیر کی۔ اسلامی گورنر کا مکان دیکھا۔ موجد سویز کنال کا مجسمہ دیکھا۔ غرض کہ خوب سیر کی۔ یہاں کے مدرسے میں عربی اور فرانسیسی پڑھاتے تھے۔ جس حصے میں[۳] انگریز آباد ہیں وہ حصہ خصوصیت سے خوبصورت اور پاکیزہ ہے لیکن افسوس ہے کہ جہاں مسلمان آباد ہیں وہ جگہ بہت میلی ہے۔ یہودی۔ فرانسیسی، انگریز، یونانی، مسلمان غرضیکہ دنیا[۴] کی تمام اقوام یہاں آباد ہیں۔ سب کے محلے جدا جدا ہیں، ہوٹل بھی جدا جدا ہیں اور چرچ بھی۔ شہر کی سیر کر کے پورٹ آفس میں آیا۔ ملازم قریباً سب مسلمان ہیں اور خوب انگریزی اور عربی بولتے ہیں۔ اس عمارت میں داخل ہو کر میں نے "نوٹس بورڈ" سے کئی نئے عربی الفاظ سیکھے جن کو ایک کاغذ پر میں نے نوٹ کر لیا، لیکن افسوس ہے کہ بعد میں وہ کاغذ بھی کھو گیا۔ کچھ ٹکٹ پوسٹ آفس سے خریدے اور خطوں پر لگا کر ڈاک میں ڈالے۔ تعجب ہے کہ ان میں سے کسی خط کی رسید نہیں آئی۔ آخر اپنے مسلمان راہ نما کو جو اکثر زبانیں جانتا تھا کچھ انعام دے کر جہاز کو لوٹا۔ یہاں جو پہنچے[۵]

---

[۱] محمد سعید پاشا: مصر کے گورنر محمد علی پاشا (۱۸۰۵ء–۱۸۴۸ء) کا سب سے چھوٹا بیٹا۔ وہ ۱۸۵۴ء سے ۱۸۶۳ء تک مصر کا خدیو رہا۔ سعید پاشا ایک روشن خیال حکمران تھا جس نے غلامی کے خاتمے کی کوشش کی، اجارہ داری کا نظام ختم کیا اور نظم و نسق کو بہتر بنایا۔ اُس نے ایک فرانسیسی انجینئر کو نہر سویز کی تعمیر کا ٹھیکہ دیا۔

[۲] مقالاتِ اقبال: چھوٹی سی بمبئی ہے جس کے متعلق خیال ہے

[۳] مقالاتِ اقبال: جس حصہ میں

[۴] مقالاتِ اقبال: مسلمان، غرض کہ دنیا

[۵] مقالاتِ اقبال: یہاں جو پہنچا

تو ایک اور نظارہ دیکھنے میں آیا۔ تختۂ جہاز پر تین اطالین عورتیں اور دو مرد وائلن بجا رہے تھے اور خوب رقص و سرود ہو رہا تھا۔ ان عورتوں میں ایک لڑکی جس کی عمر تیرہ چودہ سال کی ہوگی نہایت حسین تھی۔ مجھے دیانت داری کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ اس کے حسن نے تھوڑی دیر کے لیے مجھ پر سخت اثر کیا، لیکن جب اس نے ایک چھوٹی سی تھالی میں مسافروں سے انعام مانگنا شروع کیا تو وہ تمام اثر زائل ہو گیا۔ کیونکہ میری نگاہ میں وہ حسن جس پر استغنا کا غازہ نہ ہو بدصورتی سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

القصہ فردوسِ گوش اور کسی قدر جنتِ نگاہ کے حظوظ اٹھا کر ہم روانہ ہوئے اور ہمارا جہاز بحرِ روم میں داخل ہو گیا۔ یہاں سے بہت سے جزیرے رستے میں ملتے ہیں جن میں سے بعض کسی نہ کسی بات کے لیے مشہور ہیں لیکن ان کے نظارے کی کیفیت ذہن سے اتر گئی۔ یہ جتنے سطور لکھے ہیں حافظہ سے لکھے ہیں۔ اگر میرے نوٹ ضائع نہ ہو جاتے تو امید ہے کہ میں آپ کے ناظرین کو زیادہ کامیابی کے ساتھ خوش کر سکتا۔

بحرِ روم کے ابتدائی حصے میں سمندر کا نظارہ بہت دلچسپ تھا اور ہوا میں ایسا اثر تھا کہ غیر موزوں طبع آدمی بھی موزوں ہو جائے۔ میری طبیعت قدرتاً شعر کی طرف مائل[1] ہو گئی اور میں نے چند اشعار کی غزل لکھی جو حاضر ہے:

مثالِ پرتوِ مے، طوفِ جام کرتے ہیں
یہی نماز ادا صبح و شام کرتے ہیں

خصوصیت نہیں کچھ اس میں اے کلیم تری
شجر[2] حجر بھی خدا سے کلام کرتے ہیں

---

[1] مقالاتِ اقبال: شعر پر مائل ہوگئی۔

[2] بانگِ درا: حجر

نیا جہاں کوئی اے شمع ڈھونڈیئے کہ یہاں
ستم کشِ تپشِ ناتمام کرتے ہیں

عجب تماشا ہے مجھ کافرِ محبت کا
صنم بھی سُن کے جسے رام رام کرتے ہیں [1]

ہوا جہاں کی ہے پیکارِ آفریں کیسی
کہاں عدم کے مسافر قیام کرتے ہیں [2]

نظارہ لالے کا تڑپا گیا مرے جی کو
بہار میں اسے آتش بجام کرتے ہیں [3]

رہینِ لذّتِ ہستی نہ ہو کہ مثلِ شرار
یہ راہ ایک نفس میں تمام کرتے ہیں [4]

بھلی ہے ہم نفسو اس چمن میں خاموشی
کہ خوش نواؤں کو پابندِ دام کرتے ہیں

غرضِ نشاط ہے شغلِ شراب سے جن کی
حلال چیز کو گویا حرام کرتے ہیں

الٰہی سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا
کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے ہیں

میں اُن کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

جہاں کو ہوتی ہے عبرت ہماری پستی سے
نظامِ دہر میں ہم کچھ تو کام کرتے ہیں [5]

---

[1] تا [5] یہ اشعار "بانگِ درا" میں مشمولہ غزل میں موجود نہیں ہیں۔

بھلا نبھے گی تری ہم سے کیونکر اے واعظ
کہ ہم تو رسمِ محبت کو عام کرتے ہیں

ہرے رہو وطنِ مازنی[1] کے میدانو!
جہاز پر سے تمہیں ہم سلام کرتے ہیں

جو بے نماز کبھی پڑھتے ہیں نماز اقبال
بلا کے دیر سے مجھ کو امام کرتے ہیں

(مازنی اٹلی کے محسنین کا سرگروہ تھا۔ یہ شعر اُس وقت لکھا گیا جب کہ اُس ملک کا ساحل نظر کے سامنے تھا۔)

مارسیلز[2] تک پہنچنے میں چھ روز صرف ہوئے۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ سمندر کا آخری حصّہ بہت متلاطم تھا اور کچھ اس خیال سے کہ اصلی راستے میں طوفان کا اندیشہ ہوگا ہمارا کپتان جہاز کو ایک اور راستے سے لے گیا جو معمولی رستے سے کسی قدر لمبا تھا۔ ۲۳ کی صبح کو مارسیلز یعنی فرانس کی ایک مشہور تاریخی بندرگاہ پر پہنچے اور چونکہ ہمیں آٹھ دس گھنٹے کا وقفہ مِل گیا تھا۔ اس واسطے بندرگاہ کی خوب سیر کی۔ مارسیلز کا نوٹر ڈام[3] گرجا نہایت اونچی جگہ پر تعمیر ہوا ہے اور اس کی عمارت کو دیکھ کر دِل پر یہ بات منقوش ہو جاتی ہے کہ دنیا میں مذہبی تاثیر ہی حقیقت میں

---

[1] مازنی (۱۸۰۵ء - ۱۸۷۲ء) اٹلی کا ایک محبِّ وطن سیاسی رہنما تھا۔ اس نے اٹلی میں جمہوری اقدار استوار کرنے کے لئے بھرپور جدوجہد کی۔ اسے کئی سال تک جلاوطنی کی زندگی بھی گزارنی پڑی۔ علاّمہ کے نزدیک "مازنی کا صحیح دائرۂ عمل ادب تھا نہ کہ سیاست۔ سیاسیات سے اس کے شغف نے اطالیہ کو اتنا فائدہ نہیں پہنچایا، جتنا دنیا کو نقصان پہنچایا ہے"۔ (شذراتِ فکرِ اقبال، ص ۱۰۸)

[2] مارسیلز: بحیرۂ روم کی سمت فرانس کا ساحلی شہر اور جنوبی بندرگاہ

[3] نوٹرے ڈیم: فرانس میں متعدد گرجا حضرت مریم سے منسوب ہیں، انہیں نوٹرے ڈیم کہا جاتا ہے۔ یہاں مارسیلز کا گرجا مراد ہے۔

تمام علوم و فنون کی محرک ہوئی تھی[۱]۔ مارسیلز سے گاڑی پر سوار ہوئے اور فرانس کی سیر بھی "حسن رہگذرے" کے طریق پر ہو گئی کھیتیاں جو گاڑی کے اِدھر اُدھر آتی ہیں اُن سے فرانسیسی لوگوں کا نفیس مزاق مترشح ہوتا ہے۔ ایک رات گاڑی میں کٹی اور دوسری شام ہم لوگ برٹش چینال[۲] کو کراس کرکے ڈوور[۳] اور ڈوور سے لندن پہنچے۔ شیخ عبدالقادر کی باریک نگہ نے باوجود میرے انگریزی لباس کے مجھے دُور سے پہچان لیا اور دوڑ کر بغل گیر ہو گئے۔

مکان پر پہنچ کر رات بھر آرام کیا۔ دوسری صبح سے "کام" شروع ہوا۔ یعنی ان تمام فرائض کا مجموعہ جن کی انجام دہی نے مجھے وطن سے جدا کیا تھا اور میری نگاہ میں ایسا ہی مقدس ہے جیسے عبادت۔

والسلام
آپ کا
اقبال

از: کیمبرج ۲۵ نومبر ۱۹۰۵

۱۔ مقالاتِ اقبال: محرک ہوتی ہے

۲۔ برٹش چینل: فرانس اور انگلستان کے درمیان واقع سمندر کو برٹش چینل (رودبارِ انگلستان) کہا جاتا ہے فرانس اور انگلستان کے درمیان اس کی چوڑائی ۲۱ میل ہے

(مقالاتِ اقبال کے متن میں "برٹش چینل" ہے)

۳۔ ڈوور: (Dover) انگلستان کا معروف ساحلی شہر اور ایک اہم بندرگاہ۔ فرانس کی سمت سے جانے والے ڈوور کے راستے ہی انگلستان میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں سے لندن ۶۶ میل دور ہے۔

۸

بنام تلوک چند محروم

تلوک چند محروم: (۱۸۸۷ء - ۱۹۶۵ء) وطن عیسیٰ خیل، ضلع میانوالی تھا۔ ۱۹۰۵ء میں ٹریننگ کالج لاہور سے جے اے وی کر کے مشن ہائی سکول ڈیرہ غازی خان میں مدرسی کا آغاز کیا۔ اس کے بعد عیسیٰ خیل اور کلور کوٹ میں پڑھاتے رہے اسی اثناء میں بی اے بھی کر لیا۔ ۱۹۴۳ء میں گارڈن کالج راولپنڈی میں اردو فارسی کے لیکچرر ہو گئے۔ تقسیم کے بعد دہلی چلے گئے۔ پہلے روز نامہ "تیج" میں رہے پھر پنجاب یونیورسٹی کیمپ کالج دہلی میں لیکچرر مقرر ہوئے۔ دہلی میں انتقال کیا۔ مجموعۂ کلام "گنجِ معانی" کے نام سے چھپ چکا ہے۔ اُن کے فرزند جگن ناتھ آزاد بھی ایک خوش گو شاعر ہیں۔ حضرتِ علامہ کے کلام سے انہیں خصوصی شغف ہے۔ اقبال پر متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔

حضرت علامہ، ڈاکٹریٹ اور بیرسٹری کی تکمیل کے بعد جولائی ۱۹۰۸ء میں یورپ سے لوٹے تو ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے محروم نے "سلام و پیام" کے عنوان سے ایک نظم لکھی جو رسالہ "مخزن" دسمبر ۱۹۰۸ء میں شائع ہوئی۔ اس پر اقبال نے انہیں مندرجہ ذیل خط لکھا:

مکرم بندہ جناب تلوک چند صاحب محروم

آپ کا سلام و پیام رسالہ مخزن میں میری نظر سے گذرا۔ جس حسنِ ظن کا اظہار آپ نے ان اشعار میں کیا ہے۔ اس کے لئے میں آپ کا تہِ دل سے ممنون ہوں[ؔ]۔ میں آپ کی نظمیں مخزن

لہ نظم کا متن ملاحظہ ہو ضمیمہ ۲

میں پڑھتا رہا ہوں۔ ماشاءاللہ خوب طبیعت پائی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ آپ[1] تھوڑے عرصے میں تمام شعر لکھنے والوں[2] میں آپ کا نمبر اوّل ہوگا۔

افسوس ہے کہ میں بوجہ مصروفیت فی الحال شعرگوئی سے محروم ہوں۔ خدا آپ کی جولانیٔ طبع کو اور زیادہ کرے۔ والسلام

محمد اقبال۔ بیرسٹرایٹ لاء لاہور

۴؍ جنوری ۱۹۰۲ء

---

[1] یہاں لفظ "آپ" زائد ہے۔

[2] انوارِ اقبال: کہنے والوں

۹

بنام اراکین انجمن کشمیری مسلمانان

لاہور میں مقیم کشمیری برادری کے چند سربرآوردہ اصحاب نے برادری کے اصلاحِ احوال کے لیے فروری ۱۸۹۶ء میں "انجمن کشمیری مسلمانان" کے نام سے ایک انجمن قائم کی۔ اقبالؔ اُس زمانے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بی اے کے طالب علم تھے۔ کشمیری ہونے کے ناطے سے ان کا تعلق انجمنِ مذکورہ سے قائم ہوا اور انجمن کے "کشمیری گزٹ" میں ان کا کلام بھی شائع ہونے لگا۔ ایم اے کے بعد جب وہ اورینٹل کالج میں استاد مقرر ہوئے تو انہیں انجمن کا سیکرٹری بنا دیا گیا۔ ۱۹۰۸ء میں اعلیٰ تعلیم کے بعد یورپ سے واپسی پر انہوں نے وکالت شروع کی تو انجمن کی از سرِ نو تجدید ہوئی اور اقبالؔ جنرل سیکرٹری بنائے گئے۔ انجمن کے ایک وفد نے علامہ اقبالؔ کی قیادت میں دسمبر ۱۹۰۸ء میں امرتسر میں نواب سلیم اللہ خاں سے ملاقات کی اور نواب موصوف نے انجمن کا سرپرست (patron) بننا منظور کر لیا۔ الغرض اس زمانے میں اقبالؔ نے کشمیری مسلمانوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے بڑی سرگرمی اور تندہی کے ساتھ مختلف کارروائیوں میں حصہ لیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو محمد عبداللہ قریشی کا مضمون "اقبالؔ اور انجمن کشمیری مسلمانان" مجلہ اقبال، اپریل ۱۹۵۶ء، ص ۳۰-۵۲)

اس ضمن میں علامہ اقبالؔ نے انجمن کے ارکان کو متعدد مراسلے روانہ کیے۔ اسی طرح کا ایک مراسلہ "انوارِ اقبال" (ص ۵۶ - ۵۹) میں شامل ہے۔ مندرجہ ذیل خط بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن قیاس ہے کہ جون ۱۹۰۹ء کے "کشمیری گزٹ" میں مطبوعہ یہ خط مئی ۱۹۰۹ء میں لکھا گیا ہوگا۔

برادرِ مکرم و معظم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

انجمن کشمیری مسلمانان لاہور کی طرف سے پہلے بھی مسئلہ زمینداری کے متعلق ایک مطبوعہ

چھٹی بعض قومی کمیٹیوں اور بزرگانِ قوم کی خدمت میں ارسال کئے جانے کے علاوہ کشمیری میگزین بابت مئی ۱۹۰۹ء میں شائع ہوئی ہے جو امید ہے تمام برادران کی نظر سے گذری ہوگی۔ اس مسئلہ پر دیگر قومی کمیٹیوں کے علاوہ انجمن کشمیری مسلمانان لاہور بھی غور کر رہی ہے۔ بلکہ اس نے ایک چھٹی بخدمت صاحب سینئر سیکریٹری جناب لفٹنٹ گورنر صاحب بہادر صوبہ پنجاب بدیں مضمون ارسال کی ہے کہ کشمیری زمینداروں کی فہرست اقوام بندی صرف ضلع سیالکوٹ و گورداسپور تک ہی محدود نہ رہے بلکہ یہ حکم ازراہِ الطافِ خسروانہ دیگر اضلاع مثلاً گوجرانوالہ، لاہور، امرتسر، جہلم، راولپنڈی لدھیانہ، اٹک، ہزارہ وغیرہ میں بھی جہاں کشمیری آبادی کثرت سے ہے، نافذ فرمایا جائے۔ صاحبِ ممدوح کی خدمت میں ایک نقشہ بھی اس مضمون کا ارسال کیا گیا ہے کہ فہرست کس طریق سے تیار ہونی چاہیئے۔ جواب آنے پر سب بھائیوں کو بذریعہ میگزین اطلاع دی جائے گی۔

فوجی مسئلہ کی ضرورت اور اہمیت سے بھی انجمن غافل نہیں ہے۔ اس مسئلے کے متعلق خاموشی اس لئے ہے کہ ہمارے مربّی و محسن نواب بہادر سر خواجہ محمد سلیم اللہ صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای نواب آف ڈھاکہ[1] نے اپنی ایک تازہ چھٹی بنام جنرل سیکریٹری انجمن کشمیری مسلمانان لاہور میں وعدہ فرمایا ہے کہ وہ صاحب کمانڈر انچیف بہادر افواجِ ہند[2] سے ملاقات کرکے اس

---

[1] نواب خواجہ محمد سلیم اللہ: (۱۸۸۴ء تا ۱۹۱۶ء) بنگال کے معروف مسلم رہنما۔ انہیں ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے تاسیسی اجلاس منعقدہ ڈھاکہ کا میزبان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ بنگال کی صوبائی لیگ کے سیکرٹری بھی رہے۔

[2] اس زمانے میں انگریز جرنیل ہربرٹ کچنر (۱۸۵۰ء۔۱۹۱۶ء) ہندوستانی فوجوں کا کمانڈر انچیف تھا۔ اس کی شہرت کا بڑا سبب یہ ہے کہ ۱۸۹۸ء میں مصر و انگلستان کی مشترکہ فوجوں کی کمان کرتے ہوئے، جب اس نے سوڈان پر چڑھائی کی اور اُمِّ درمان کے معرکے میں فتح یاب ہوا تو انتقامی کارروائی کے طور پر محمد احمد سوڈانی کی قبر کو توپوں سے اڑا کر نعش کے ساتھ شرمناک بے حرمتی کی۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران میں، جب وہ ایک بحری جہاز میں سفر کر رہا تھا، ایک جرمن آبدوز نے جہاز کو غرق کر دیا اور کچنر کی نعش بھی نہ ملی۔ سمندر میں ڈوب مرنے کی بنا پر اقبال نے جاوید نامہ (ص ۲۴۹) میں اسے "فرعونِ صغیر" کہا ہے۔ نہ

مسئلے کی نسبت فیصلہ فرمائیں گے۔ اب نواب صاحب ممدوح کو تمام امور متعلقہ خدمات فوجی سے آگاہی کی ضرورت ہے تاکہ پوری واقفیت حاصل کرکے حضور کمانڈر انچیف بہادر سے گفتگو کرسکیں اور صراحت و وضاحت سے اپنے بھائیوں کی مردانگی اور جاں نثاری اور ان کی فوجی خدمات کا تذکرہ کرسکیں۔ ایسا مصالحہ بہم پہنچانا معمولی بات نہیں ہے اور نہ ہی ایک شخص یا ایک کمیٹی کا کام ہے جب تک تمام برادری متفقہ کوشش سے اس میں ہاتھ نہ بٹائے گی یہ کام سرانجام نہ ہوگا۔ اس لئے سب بھائیوں کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ کشمیری انجمن لاہور کو اس معاملہ میں مدد دیں اور نقشہ ملازمان اہلِ خطہ فوج کو جو لف ہذا ہے' اچھی طرح سے پُر کرکے جتنی جلدی ہوسکے جنرل سیکرٹری کو واپس ارسال فرمائیں تاکہ نواب صاحب بہادر کی خدمت میں افواجِ ہند کے کشمیری بہادروں کی مکمل فہرست ارسال کردی جائے۔ آپ ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ اس نقشہ سے کسی طرح ہمارے ان بھائیوں کو جو اس وقت صیغۂ فوج میں ملازم ہیں' نقصان پہنچے گا۔ نقصان پہنچنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ گورنمنٹ آف انڈیا اور خود کمانڈر انچیف بہادر تسلیم کرچکے ہیں کہ کشمیری مسلمان فوجوں میں ملازم ہیں۔ ان کے لئے کوئی بندش اور کوئی رکاوٹ نہیں ہے البتہ ان کی تعداد تھوڑی ہے۔ لاہور کی کمیٹی جس میں ہماری برادری کے اکثر اہل الرائے اور قانون دان بزرگ شامل ہیں' اپنے بھائیوں کے اس خیال پر کافی سے زیادہ غور کرچکی ہے اور وہ ہر طرح مطمئن ہے بلکہ ایسی فہرستوں کے مرتب ہونے سے قومی فائدہ کی بہت بڑی توقع رکھتی ہے۔

کمیٹی کوشش کررہی ہے کہ ہمارا ایک ڈیپوٹیشن جس میں ہماری برادری کے معزز فوجی پنشنر عہدہ دار خصوصیت سے شامل ہوں لبسر پرستی نواب بہادر آف ڈھاکہ صاحب بہادر کمانڈر انچیف کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہو کہ کشمیری مسلمانوں کی رجمنٹ یا مختلف رجمنٹوں میں یا رسالوں میں کمپنی علیحدہ بنائی جانے کا حکم صادر فرمایا جائے۔ اگر برادرانِ قوم نے فہرستیں اور نقشے مکمل کرکے جلد تر واپس کردیئے تو غالب توقع ہے کہ گورنمنٹ ضرور ہماری گذارش پر توجہ فرمائے گی۔

اس چٹھی کے ساتھ علاوہ نقشہ ملازمان اہلِ خطہ فوج کے ایک نقشہ مردم شماری اہلِ خطہ کا بھی ہے۔ اس کی خانہ پُری بھی ضروری ہے۔ اس نقشے سے نہ صرف اپنی برادری کی صحیح مردم شماری ہی دریافت کرنا مقصود ہے بلکہ یہ امر بھی جیساکہ نقشہ کے ملاحظہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا مدِ نظر ہے کہ قوم کے خواندہ اور ناخواندہ اور بیکار اور باکار اصحاب کا حال بھی معلوم ہو جائے۔ تاکہ کمیٹی حتیٰ المقدور اپنے بھائیوں کو کسی قسم کی امداد پہنچا سکے۔ دنیا اس بات کو تسلیم کر چکی ہے کہ بغیر تعلیم کے کوئی قوم زندہ قوموں میں شمار نہیں ہو سکتی۔ جس قدر قومیں آج آپ کو مہذب، شائستہ اور ترقی یافتہ نظر آتی ہیں وہ سب علم کے زینہ ہی سے آسمانِ عروج و کمال پر پہنچی ہیں۔ آپ کو یاد رہے کہ آپ میں بھی وہ سچے موتی اور جواہر موجود ہیں جن کی چمک دمک سے دنیا حیران اور خیرہ ہو سکتی ہے لیکن صرف جلا کی ضرورت ہے اور جلا تعلیم کے ذریعے ہی سے ہو سکتی ہے۔

آخر میں پھر یہ گزارش کرتا ہوں کہ دونوں نقشے فوجی اور مردم شماری بہت جلد پر کرکے واپس ارسال فرمائیں۔ اگر یہ نقشے ختم ہو جائیں تو آپ لاہور کمیٹی سے اور طلب فرما سکتے ہیں یا اسی نمونے کے اور نقشے دستی بنا سکتے ہیں۔

قوم کا خادم

(ڈاکٹر شیخ) محمد اقبال ایم اے

بیرسٹر ایٹ لار، لاہور

(۱۰)

بنام وحشت کلکتوی

خان بہادر سید رضا علی وحشت ۱۸ر نومبر ۱۸۸۱ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کلکتہ ہی میں پائی ۱۹۰۱ء میں امپیریل ریکارڈ ڈپارٹمنٹ کلکتہ کے شعبۂ فارسی میں چیف مولوی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں اسلامیہ کالج کلکتہ میں صدر شعبۂ فارسی و اردو مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۰ء میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۹۵۰ء تک لیڈی برابورن کالج کلکتہ میں اردو فارسی کے پروفیسر رہے۔ مئی ۱۹۵۰ء میں ہجرت کرکے مشرقی پاکستان آگئے۔ ۲۰ر جولائی ۱۹۵۶ء کو ڈھاکہ میں انتقال کیا۔

وحشت اردو فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے۔ ۱۹۱۰ء میں ان کا اوّلین مجموعۂ کلام دیوانِ وحشت شائع ہوا تو ہندوستان کے جن ادیبوں اور شاعروں نے اس کا خیر مقدم کیا، ان میں حالیؔ، شبلیؔ، شررؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، حسرتؔ موہانی اور شادؔ عظیم آبادی وغیرہ شامل تھے۔ مندرجہ ذیل مکتوب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے:

لاہور، ۳۰ مارچ ۱۹۱۰ء[1]

مخدوم و مکرم جنابِ وحشت،

دیوانِ وحشت کی ایک کاپی جو آپ نے ازراہِ عنایت ارسال فرمائی، موصول ہوئی۔ شکریہ قبول کیجیے۔ میں ایک عرصے سے آپ کے کلام کو شوق سے پڑھتا ہوں اور آپ کا غائبانہ مداح ہوں۔ دیوان قریباً سب کا سب پڑھا اور خوب لطف اٹھایا۔ ماشاءاللہ آپ کی طبیعت نہایت تیز ہے اور فی زمانہ بہت کم لوگ ایسا کہہ سکتے ہیں۔ آپ کی مضمون آفرینی اور ترکیبوں کی چستی خاص طور پر قابلِ داد ہیں۔ فارسی کلام بھی آپ کی طباعی کا ایک عمدہ نمونہ ہے۔ شعر کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ ایک مستقل اثر پڑھنے والے کے دل پر چھوڑ جائے اور یہ بات آپ کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ والسلام

نیاز مند

محمد اقبال

---

[1] اصل متن میں ۱۹ کی موجود نہیں ہے۔

بنامِ خواجہ حسن نظامی

اردو کے معروف صاحبِ طرز ادیب اور صحافی شمس العلماء خواجہ حسن نظامی کے والد سید عاشق علی، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے خادموں میں شامل تھے۔ حسن نظامی ۲۵؍ دسمبر ۱۸۷۸ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی سے علومِ دینی حاصل کئے۔ مختلف اخبارات و رسائل سے وابستہ رہے۔ تصانیف کی تعداد ایک سو سے زائد ہے ۳۱؍ جولائی ۱۹۵۵ء کو انتقال کیا۔

خواجہ حسن نظامی، علامہ اقبالؔ کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے۔ دونوں کے درمیان غایت درجہ بے تکلفی کا اندازہ اُن خطوط سے لگایا جاسکتا ہے جو علامہ نے خواجہ صاحب کو ۱۹۰۴ء سے ۱۹۱۵ء کے درمیانی عرصے میں لکھے (ملاحظہ ہو اقبال نامہ۔ جلد دوم ص ۳۵۲ تا ۳۶۸) مثنوی "اسرارِ خودی" کی اشاعت پر ہندوستان کے اہلِ تصوف نے علامہ اقبالؔ کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مخالفت کی اس گرم بازاری میں خواجہ حسن نظامی اور ان کے مریدین پیش پیش تھے۔ اقبالؔ نے بھی اپنے مؤقف کی وضاحت میں متعدد مضامین لکھے۔

"وکیل" "خطیب" اور "زمیندار" وغیرہ میں موافقانہ اور مخالفانہ مضامین کا سلسلہ جاری تھا کہ اکبر الٰہ آبادی نے ثالث کے فرائض انجام دیتے ہوئے صلح کرادی اور اقبال کی مخالفت کا طوفان تھم گیا۔ اقبالؔ اور حسن نظامی کے درمیان حسبِ سابق محبت و مؤدت کا رشتہ از سرِ نو استوار ہوگیا۔ ۱۹۱۸ء میں مولانا ظفر علی خاں کے ہفت روزہ "ستارہ صبح" میں تصوف کی مخالفت میں چند مضامین شائع ہوئے تو بعض بدنیتوں نے حسن نظامی کو اقبالؔ کے خلاف بھڑکایا کہ یہ سب علامہ کی شہ پر ہو رہا ہے مگر میر غلام بھیک نیرنگ نے

خواجہ صاحب کو یقین دلایا کہ اس میں اقبال کا ہاتھ نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک خط لکھ کر اقبال سے معذرت کی۔ بعد کے عرصے میں اقبال اور حسن نظامی کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں اور خط و کتابت بھی رہی۔ اقبال کی وفات پر خواجہ صاحب نے اپنے پیغامِ تعزیت میں کہا "ان کی وفات سے تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایسا نقصان پہنچا ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی" پھر تقسیمِ ہند کے بعد ایک موقع پر لکھا: "میرا ایمان ہے کہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صرف ہندوستان ہی کے نہیں بلکہ پورے ایشیا کے ہیرو اور لیڈر تھے اور ایشیا کی بیداری ان کی برکاتِ باطن کا نتیجہ تھا"

تا حال حسن نظامی کے نام علامہ اقبال کے کل بیس خطوط دستیاب ہوئے ہیں، تفصیل یہ ہے:

- اقبال نامہ۔ جلد دوم (ص ۳۵۲ - ۳۶۸) — ۱۴ خطوط
- انوارِ اقبال (ص ۴ - ۵ اور ۱۸۴، ۱۸۶) — ۲ خطوط
- زیرِ نظر مجموعے میں مشمولہ — ۴ خطوط

(۱) ——— ۱۱

ہفت روزہ "توحید" میرٹھ نے خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی یاد میں ایک خصوصی نمبر شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ خواجہ حسن نظامی نے اعلان کیا کہ "خواجہ نمبر" میں شائع ہونے والی بہترین نظم، غزل اور مضمون پر تمغوں کی صورت میں اول، دوم اور سوم انعامات دیے جائیں گے۔ اس سلسلے میں مولانا عبدالحلیم شرر، اکبر الٰہ آبادی اور علامہ اقبال کو منصف مقرر کیا گیا "خواجہ نمبر" ۸ جون ۱۹۱۳ء کو شائع ہوا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد منصفین نے اپنے فیصلے کا اعلان کیا۔ اس ضمن میں علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل مکتوب ۲۴ جولائی کے "توحید" میں شائع ہوا۔ (بحوالہ "اوراقِ گم گشتہ" ص ۱۲ - ۱۳) اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے لیکن ظاہر ہے کہ جون، جولائی ۱۹۱۳ء میں لکھا گیا۔

ڈیر خواجہ صاحب، السلام علیکم

خواجہ نمبر میں نواب علی صاحب پروفیسر بڑودہ کالج[1] کا مضمون مجھے سب سے زیادہ پسند آیا کہ معنی خیز ہے۔ اس سے دوسرے نمبر پر "زلف خواجہ کا اسیر" اور "شہنشاہوں کی پیشانیاں اجمیری چوکھٹ[2] پر" مؤخر الذکر مضمون کچھ نتیجہ خیز نہیں ہے۔

نظموں میں گرامی[3] صاحب کی غزل سب سے اعلیٰ، اس کے بعد شفق صاحب کا ترانہ یا یوں کہیئے کہ فارسی نظموں میں گرامی صاحب کی غزل اوّل نمبر اور اردو نظموں میں شفق[5] کا ترانہ۔

محمد اقبال

---

[1] پروفیسر سید نواب علی (۱۸۷۷ء - ۱۹۶۱ء) لکھنؤ کے باشندے تھے۔ دو سال تک مدرستہ العلوم علی گڑھ اور پھر ۲۶ سال تک بڑودہ کالج میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ محمد علی جوہر اور علامہ اقبال سے ملاقات کا شرف حاصل رہا۔ "تاریخ صحف سماوی"، "سیرت رسول اللہ" وغیرہ متعدد کتابوں کے مؤلف ہیں (تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو: "اقبال اور بھوپال" ص ۱۶۹ تا ۱۷۳)

[2] از احسن الدین خاموش سب پوسٹ ماسٹر کھارچی، راجپوتانہ۔

[3] از مولانا سعید احمد مارہروی

[4] مولانا شیخ غلام قادر گرامی، (۱۸۵۶ء - ۱۹۲۷ء) فارسی کے قادر الکلام شاعر اور علامہ اقبال کے یار غار۔ علامہ اقبال کے بارے میں ان کا یہ شعر بہت معروف ہے ؎

در دیدۂ معنی نگہاں حضرتِ اقبال
پیغمبری کرد و پیمبر نتواں گفت

مولانا گرامی کے نام اقبال کے خطوط "مکاتیب اقبال بنام گرامی" کے نام سے چھپ چکے ہیں دگرامی کے مفصل حالات اور اقبال سے ان کے تعلقات کی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مقدمہ از محمد عبداللہ قریشی۔ مکاتیب اقبال بنام گرامی۔ اقبال اکیڈمی، کراچی، اپریل ۱۹۶۹ء)

[5] از مولانا سید حسن مرتضیٰ شفق عمادپوری (۱۸۷۱ء - ۱۹۴۴ء)

۱۲ —— (۲)

مندرجہ ذیل خط "اسرارِ خودی" کی بحث کے سلسلے میں، علامہ اقبال کے موقف کی وضاحت کرتا ہے۔ اس ضمن میں ان کے بعض دیگر مضامین بھی اہمیت رکھتے ہیں مثلاً:

۱. اسرارِ خودی اور تصوف — "وکیل"، امرتسر، ۱۵ر جنوری ۱۹۱۶ء
۲. سِرِّ اسرارِ خودی — "وکیل" امرتسر، ۹ر فروری ۱۹۱۶ء
۳. علمِ ظاہر و علمِ باطن — "وکیل"، امرتسر ۲۸ر جون ۱۹۱۶ء
۴. تصوفِ وجودیہ — "وکیل"، امرتسر ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۶ء۔

مضمون ۱، ۲، ۳ اور ۴ "مقالاتِ اقبال" (مرتبہ سید عبدالواحد معینی) میں اور مضمون ۳ "انوارِ اقبال" (مرتبہ: بشیر احمد ڈار) میں شامل ہے۔

لاہور، ۳۰ر دسمبر 1915ء

مخدومی خواجہ صاحب، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مِل گیا۔ آپ کی علالت کا حال معلوم کرکے تردد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صحتِ عاجلہ عطا فرمائے۔

مجھے خوب معلوم ہے کہ آپ کو اسلام اور پیغمبرِ اسلام سے عشق ہے۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کو ایک حقیقتِ اسلامی معلوم ہو جائے اور آپ اس سے انکار کریں بلکہ مجھے ابھی سے یقین ہے کہ آپ بالآخر میرے ساتھ اتفاق کریں گے۔ میری نسبت بھی آپ کو معلوم ہے۔ میرا فطری اور آبائی میلان تصوف کی طرف ہے اور یورپ کا فلسفہ پڑھنے سے یہ میلان اور بھی قوی ہو گیا تھا۔ کیونکہ فلسفۂ یورپ بحیثیت مجموعی وحدت الوجود کی طرف رُخ کرتا ہے۔ مگر قرآن پہ تدبر کرنے اور تاریخِ اسلام کا بغور مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے اپنی غلطی معلوم ہوئی اور میں نے محض قرآن کی خاطر اپنے قدیم خیال کو ترک کر دیا اور اس مقصد کے لیے مجھے اپنے فطری اور آبائی رجحانات کے ساتھ ایک خوفناک دماغی اور قلبی جہاد کرنا پڑا۔

رہبانیت اور اسلام پر مضمون ضرور لکھوں گا مگر آپ کے مضمون کے بعد رہبانیت عیسائی مذہب کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر قوم میں پیدا ہوئی ہے اور ہر جگہ اس نے شریعت اور قانون کا مقابلہ کیا ہے اور اس کے اثر کو کم کرنا چاہا ہے۔ اسلام حقیقت میں اسی کے خلاف ایک صدائے احتجاج ہے۔ تصوف جو مسلمانوں میں پیدا ہوا (اور تصوف سے میری مراد ایرانی تصوف ہے) اس نے ہر قوم کی رہبانیت سے فائدہ اٹھایا ہے اور ہر راہبی تعلیم کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ قرمطی تحریک[1] سے بھی تصوف نے فائدہ اٹھایا ہے محض اس وجہ سے کہ قرمطی تحریک کا مقصد بھی بالآخر قیود شرعیہ اسلامیہ کو فنا کرنا تھا بعض صوفیا کی نسبت تاریخی شہادت ابھی اس امر کی موجود ہے کہ وہ قرمطی تحریک سے تعلق رکھتے تھے۔

اب تک جو اعتراضات آپ کی طرف سے ہوئے ہیں وہ مثنوی کے دیباچے پر ہیں خود مثنوی پر جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہو کہ مثنوی پر کیا اعتراضات ہیں۔ اس وقت تک میں کیونکر قلم اٹھا سکتا ہوں۔ مثنوی پر جو اعتراض آپ نے کیا ہے، وہ اسی قدر ہے کہ حافظ کی بے حرمتی کی گئی۔ لیکن جب تک اصولی بحث نہ ہو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ میں حافظ[2] کی تنقید میں کہاں تک حق بجانب ہوں۔

---

[1] قرمطی تحریک: شیعوں کا ایک فرقہ جو "قرمطی" نامی ایک شخص سے منسوب ہے۔ حجاج کے زمانے میں قرمطیوں نے مکے پر حملہ کر کے قتل و غارت گری کی اور حجرِ اسود نکال کر لے گئے مگر پھر واپس کر دیا۔ یمن، بحرین اور ملتان میں ان کا زور رہا۔ محمود غزنوی نے ان کی سرکوبی کی۔

[2] خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی: (۱۳۲۶ء - ۱۳۸۸ء) علامہ اقبال نے حافظ کے کمالِ فن کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے: "شاعرانہ اعتبار سے میں حافظ کو نہایت بلند پایہ سمجھتا ہوں۔ جہاں تک فن کا تعلق ہے یعنی جو مقصد اور شعراء پوری غزل میں بھی حاصل نہیں کر سکتے، خواجہ حافظ اسے ایک لفظ میں حاصل کر لیتے ہیں" مگر حافظ کے شاعرانہ خیالات کو وہ "زہرِ اجل" سے کم نہیں سمجھتے جس نے مسلمانوں کے انحطاط میں بطور ایک عنصر کے کام کیا ہے" چنانچہ اقبال نے "اسرارِ خودی" میں حافظ پر سخت تنقید کی تاہم بعد میں یہ اشعار کتاب سے خارج کر دیئے (مذکورہ اشعار کے لئے دیکھئے: "سرودِ رفتہ" ص ۷۰ - ۷۲)

حضرت امام ربانی[1] نے مکتوبات میں ایک جگہ بحث کی ہے کہ گسستن، اچھا ہے یا پیوستن، میرے نزدیک گسستن عین اسلام ہے اور پیوستن رہبانیت یا ایرانی تصوف ہے اور اسی کے خلاف میں صدائے احتجاج بلند کرتا ہوں۔ گزشتہ علمائے اسلام نے بھی ایسا ہی کیا ہے اور اس بات کی تاریخی شہادت موجود ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب آپ نے مجھے سرّالوصال کا خطاب دیا تھا تو میں نے آپ کو لکھا تھا کہ مجھے سرّالفراق کہا جائے۔ اس وقت میرے ذہن میں یہی امتیاز تھا جو مجدد الف ثانی نے کیا ہے۔ آپ کے تصوف کی اصطلاح میں اگر میں اپنے مذہب کو بیان کروں تو یہ ہوگا کہ شانِ عبدیت انتہائی کمالِ روحِ انسانی کا ہے۔ اس سے آگے اور کوئی مرتبہ یا مقام نہیں یا محی الدین ابنِ عربی[2] کے الفاظ میں عدم محض ہے یا

---

[1] حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی: (۱۵۶۴ء - ۱۶۲۴ء) سرہند میں پیدا ہوئے۔ خواجہ باقی باللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اکبر کے دینِ الٰہی کے سبب جو مفاسد پیدا ہوئے تھے، شیخ مجدد نے ان کے ازالے کے لیے کوشش کی۔ جہانگیر نے قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا لیکن پھر ان کا معتقد ہو گیا اور اپنے لڑکے شاہجہان کو ان سے حلقۂ بیعت میں داخل کیا۔ انہوں نے غیر اسلامی رسوم و بدعات کے خلاف جہاد کیا اور اتباعِ شریعت پر زور دیا۔ اقبال نے انہیں "اسلامی تصوف کا مصلحِ اعظم" اور "سترھویں صدی کے بہت بڑے مرشدِ کامل" قرار دیا ہے (تشکیلِ جدید، اردو ص ۳۰۰، ۲۹۸)۔

[2] شیخ ابوبکر محی الدین محمد ابن عربی: ۲۸ جولائی ۱۱۶۵ء کو مرسیہ (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ بتیس سال تک اشبیلیہ میں تحصیلِ علم کے بعد مشرق کی طرف سفر کیا اور دمشق میں قیام پذیر ہو گئے۔ ۱۲۴۰ء میں یہیں فوت ہوئے۔ فصوص الحکم اور الفتوحاتِ المکیہ معروف تصانیف ہیں۔ ابنِ عربی، شیخِ اکبر کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ بہت متنازعہ فیہ شخصیت ہیں۔ ایک گروہ انہیں ولیِ کامل مانتا ہے اور دوسرے گروہ کے نزدیک وہ ملحد ہیں۔ ان کے متصوفانہ فلسفے کا دار و مدار عقیدۂ وحدت الوجود پر ہے۔ اگرچہ بقول عابد علی عابد "اقبال نے ابنِ عربی سے استفادہ بھی کیا ہے۔" تاہم بحیثیتِ مجموعی وہ ابنِ عربی کو غلط سمجھتے ہیں۔ مثلاً سلیمان ندوی کے نام لکھتے ہیں: "میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی تعلیمات، تعلیمِ قرآن کے مطابق نہیں ہیں اور نہ کسی تاویل و تشریح سے اس کے مطابق ہو سکتی ہیں۔" سراج الدین پال کے نام خط میں فصوص الحکم کو "الحاد و زندقہ" قرار دے کر اس کی تردید میں کچھ لکھنے کا عزم ظاہر کیا۔

بالفاظِ دیگر یوں کہیے کہ حالت سکر، منشائے اسلام اور قوانینِ حیات کے مخالف ہے اور حالتِ صحو، جس کا دوسرا نام اسلام ہے، قوانینِ حیات کے عین مطابق ہے اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء یہ تھا کہ ایسے آدمی پیدا ہوں جن کی مستقل حالت کیفیت 'صحو' ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رسولِ کریم کے صحابہ میں صدیق و عمر تو بکثرت ملے مگر حافظ شیرازی کوئی نظر نہیں آتا مضمون بہت طویل ہے اور اس مختصر خط میں سما نہیں سکتا۔ میں انشاء اللہ اس پر مفصل بحث کروں گا۔ جب حالات مساعدت کریں گے مگر شیخ محی الدین ابنِ عربی کے ذکر سے ایک بات یاد آگئی جو عرض کرتا ہوں۔ اس واسطے کہ آپ کو غلط فہمی نہ رہے۔ میں شیخ کی عظمت و فضیلت کا قائل ہوں اور ان کو اسلام کے بہت بڑے حکماء میں سمجھتا ہوں۔ مجھ کو ان کے اسلام میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ جو عقائد (مسئلہ قدم ارواح و مسئلہ وحدت الوجود) ان کے ہیں، ان کو انہوں نے فلسفہ کی بناء پر نہیں مانا بلکہ نیک نیتی سے قرآن کی آیات سے استنباط کیا ہے[۱]۔ پس ان کے عقائد صحیح ہوں یا غلط، قرآن کی تاویل پر مبنی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جو تاویل ان کی ہے، وہ منطقی یا منقولی اعتبار سے صحیح ہے یا غلط میرے نزدیک ان کی تعبیر یا تاویل جو کچھ ہے، صحیح نہیں ہے۔ اس واسطے گو میں ان کو ایک مخلص مسلمان سمجھتا ہوں۔ مگر ان کے عقائد کا پیرو نہیں ہوں۔

اصل بات یہ ہے کہ صوفیاء کو 'توحید' اور 'وحدت الوجود' کا مفہوم سمجھنے میں سخت غلطی ہوئی ہے۔ یہ دونوں اصطلاحیں مرادف نہیں بلکہ مقدم الذکر کا مفہوم خالص مذہبی ہے اور مؤخر الذکر کا مفہوم خالص فلسفیانہ ہے۔ توحید کے مقابلہ میں یا اس کی ضد لفظ 'کثرت' نہیں جیسا کہ صوفیاء نے تصور کیا ہے بلکہ اس کی ضد شرک ہے۔ 'وحدت الوجود' کی ضد 'کثرت' ہے اس غلطی کا نتیجہ یہ ہوا کہ جن

---

[۱] مضمون "اسرارِ خودی اور تصوف" میں حضرت علامہ نے مسئلہ قدمِ ارواح اور وحدت الوجود کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ "مسائل میرے نزدیک مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔ گو میں ان کے ماننے والوں کو کافر نہیں کہہ سکتا کیوں کہ انہوں نے نیک نیتی سے ان مسائل کا استنباط قرآن شریف سے کیا ہے" (مقالاتِ اقبال ص ۱۶۱)

لوگوں نے وحدت الوجود یا زمانۂ حال کے فلسفۂ یورپ کی اصطلاح میں توحید کو ثابت کیا، وہ موحد تصور کیے گئے۔ حالانکہ ان کے ثابت کردہ مسئلے کا تعلق مذہب سے نہ تھا بلکہ نظامِ عالم کی حقیقت سے تھا۔ اسلام کی تعلیم نہایت صاف و روشن ہے۔ یعنی یہ کہ عبادت کے قابل صرف ایک ذات ہے۔ باقی جو کچھ کثرت نظامِ عالم میں نظر آتی ہے، وہ سب کی سب مخلوق ہے۔ گو علمی اور فلسفیانہ اعتبار سے اس کی کنہ اور حقیقت ایک ہی ہو۔ چونکہ صوفیا نے فلسفے اور مذہب کے دو مختلف مسائل یعنی توحید اور وحدت الوجود کو ایک ہی مسئلہ سمجھ لیا، اس واسطے ان کو یہ فکر ہوئی کہ توحید ثابت کرنے کا کوئی اور طریق ہونا چاہیے، جو عقل و ادراک کے قوانین سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ اس غرض کے لئے حالتِ سکر ممد و معاون ہوئی اور یہ اصل ہے مسئلہ حال و مقامات کی۔ مجھے حالتِ سکر کی واقعیت سے انکار نہیں۔ صرف اس بات سے انکار ہے کہ جس غرض کے لئے یہ حالت پیدا کی جاتی ہے، وہ غرض اس سے مطلق پوری نہیں ہوتی۔ اس سے زیادہ سے زیادہ صاحبِ حال کو ایک علمی مسئلے کی تصدیق ہو جاتی ہے، نہ مذہبی مسئلے کی۔ صوفیا نے وحدت الوجود کی کیفیت کو محض ایک مقام لکھا ہے (شیخ عربی کے نزدیک یہ انتہائی مقام ہے اور اس کے آگے عدمِ محض ہے) لیکن یہ سوال کسی حل نہیں کیا اہنیں ہوا کہ آیا یہ مقام کسی حقیقت نفس الامری کو واضح کرتا ہے؟ اگر کثرت حقیقت نفس الامری ہے تو یہ کیفیت وحدت الوجود جو صاحبِ حال پر وارد ہوتی ہے محض دھوکا ہے اور مذہبی اور فلسفیانہ اعتبار سے کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ اور اگر کیفیت وحدت الوجود محض ایک مقام ہے اور کسی حقیقت نفس الامری کا انکشاف اس سے نہیں ہوتا تو پھر اس کو معقولی طور سے ثابت کرنا فضول ہے۔ جیسا کہ محی الدین ابنِ عربی اور دیگر صوفیا نے کیا ہے۔ نہ اس کے محض مقام ہونے سے روحانی زندگی کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے، کیوں کہ قرآن کی تعلیم کی رُو سے وجود فی الخارج کو ذاتِ باری سے نسبت اتحاد کی نہیں بلکہ مخلوقیت کی ہے۔ اگر قرآنِ کریم کی تعلیم یہ ہوتی کہ ذاتِ باری کثرتِ نظامِ عالم میں دائر و سائر ہے تو کیفیت وحدت الوجود کو قلب پر وارد کر سکنا مذہبی زندگی کے لئے نہایت مفید ہوتا بلکہ مذہبی زندگی کی آخری منزل ہوتی مگر میرا عقیدہ یہ ہے کہ یہ قرآن کی تعلیم نہیں ہے

اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ میرے نزدیک ہر کیفیت قلبی مذہبی اعتبار سے کوئی فائدہ نہیں رکھتی۔ اور علم الحیات کی رُو سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس کا ورود حیاتِ انسانی کے لئے فردی اور ملی اعتبار سے مُضر ہے۔ مگر علم الحیات کی رُو سے اس پہ بحث کرنا بہت فرصت چاہتا ہے، جس پر پھر کبھی لکھوں گا۔

فی الحال اس خط کو ختم کرتا ہوں اور اس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ فقط

آپ کا خادم

محمد اقبال

۴ ——— (۴)

خواجہ حسن نظامی کا مرتبہ: "آسان قاعدہ" شائع ہوا تو اس کے بارے میں متعدد اکابر نے اپنی آراء خواجہ صاحب کو لکھ بھیجیں۔ علامہ اقبال نے اپنی رائے کا اظہار مندرجہ ذیل خط کی شکل میں کیا۔

جناب خواجہ صاحب، السلام علیکم و رحمتہ اللہ

قرآن آسان قاعدہ بظاہر خوب معلوم ہوتا ہے۔ اس کا تجربہ ضرور کرنا چاہیئے۔ گو مجھے اندیشہ ہے کہ تجربات میں مشکلات کا سامنا ہوگا۔ کیا آپ نے اپنے بچوں میں سے کسی کو اس قاعدے کے مطابق قرآن شریف پڑھایا ہے؟ اگر آپ نے ایسا کیا تو مجھے یقین ہے کہ اور مسلمان بھی اس قاعدہ سے مستفید ہوں گے۔ میں نے خود کبھی بچوں کو قرآن شریف نہیں پڑھایا۔ اس واسطے ان مشکلات سے ناواقف ہوں جو اُستادوں کو پیش آیا کرتی ہیں۔

محمد اقبال

لاہور

۲۷ ستمبر ۱۹۲۲ء

۱۴ ——— (۴)

" ۱۹۳۵ء میں دہلی کے ہندو مسلمان اہلِ علم نے جناب سری رام آنجہانی مصنف "خم خانۂ جاوید" (متوفی ۲۵ر مارچ ۱۹۳۰ء) کے مکان پر جمع ہوکر " غالب سوسائٹی " قائم کی جس نے ۱۵ جنوری ۱۹۳۶ء کو دہلی میں پہلا " یوم غالب " بڑے وسیع پیمانے پر منایا۔ اراکین انجمن کے مشورے سے خواجہ حسن نے مقامی و بیرونی ہندو مسلم مشاہیر کو شرکت کی دعوت دی اور ہندوستان کے علمی سرپرستوں اور والیانِ ریاست کو " غالب ڈے " کی امداد و اعانت کے لئے تار بھیجے۔ علامہ اقبال ان دنوں بیمار تھے، اس لئے خود تو بہ نفسِ نفیس تقریبات میں شریک نہ ہوسکے مگر انہوں نے اپنا پیغام خواجہ حسن نظامی کے نام بھیج دیا جو حسب ذیل تھا " (اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۱۵ - ۱۶)

جناب خواجہ صاحب

دو سال سے علیل ہوں ؎

سخن اے ہم نشیں از من چہ خواہی\
کہ من با خویش دارم گفتگوئے

پیغام کے لیئے مراقبہ کیا تو مرزا ہرگوپال تفتہ مرحوم کی روح سامنے آگئی اور دلّی والوں کے لئے یہ دو شعر نازل کرکے غائب ہوگئی ؎

دریں محفل کہ افسونِ فرنگ از خود ربود او را\
نگاہے پردہ سوز آور، دلے دانائے راز آور را

مئے ایں ساقیانِ لالہ رُو ذوقے نمی بخشد\
ز فیضِ حضرتِ غالب ہماں پیمانہ باز آور

زیادہ کیا عرض کروں سوائے اس کے کہ دعا کا محتاج ہوں، ہاں، دلّی کے پنڈتوں سے سلام کہہ دیجئے گا۔

محمد اقبال

۱۵

مُلّا واحدی

مُلّا واحدی ، برِّ صغیر کے معروف اخبار نویس اور صاحبِ طرز انشا پرداز ہیں ۔ اصل نام محمد ارتضیٰ ہے ۔ ان کا تعلق کوچہ چیلاں ، دہلی کے ایک متموّل اور آسودہ حال گھرانے سے ہے ۔ خواجہ حسن نظامی سے دوستی ہوئی تو انہوں نے "مُلّا واحدی" کا خطاب دیا ۔ رفتہ رفتہ یہی نام مشہور ہو گیا ۔ مُلّا واحدی کو مذہب اور ادب سے دلچسپی تھی ۔ چنانچہ پہلے "درویش" اور پھر ماہنامہ "نظام المشائخ" جاری کیا ۔ تقسیمِ ہند کے بعد ہجرت کر کے کراچی آ گئے ۔ "میرے زمانے کی دلّی" ان کی معروف تصنیف ہے ۔ مُلّا واحدی کے نام علاّمہ اقبال کا صرف مندرجہ ذیل خط دستیاب ہے ۔ اس خط میں علاّمہ نے مکتوب الیہ کو جو فارسی اشعار لکھے وہ بعد میں کسی قدر ترمیم کے ساتھ "اسرارِ خودی" میں شائع کر دیئے گئے (اسرار و رموز ص ۲۱)

خط پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن اس کے سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے کہ "اسرارِ خودی" کی اوّلین اشاعت (۱۹۱۵ء) سے پہلے کا لکھا ہوا ہے :

❖

ڈیر واحدی صاحب

مولانا جامیؒ[۱] کے ایک شعر کی تضمین عرض ہے ۔ جو فارسی مثنوی کا ایک جزو ہے عنقریب یہ مثنوی بھی انشاء اللہ تعالیٰ شائع ہو گی ۔

---

[۱] مولانا عبدالرحمٰن نورالدین جامیؔ : (۱۴۱۷ء – ۱۴۹۲ء) فارسی کے معروف صوفی اور درویش شاعر اور متنوع التصنیفات ادیب ۔ خراسان کے رہنے والے تھے ۔ جامیؔ نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی گران کی سات مثنویاں "ہفت اورنگ" بہت معروف ہیں ۔

گشتہ اندازِ مُلّا جامیم | نظم و نثرِ اُو علاجِ خامیم
شعر لبریزِ معانی گفتہ است | در ثنائے خواجہ گوہر سفتہ است
"نسخہ کونین را دیباچہ اوست
جُملہ عالم بندگان و خواجہ اوست"

(۱۶)

بنام سردار میر احمد خاں

مندرجہ ذیل خط کے مکتوب الیہ کے بارے میں یقینی طور پر کچھ معلوم نہیں البتہ ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا خیال ہے کہ "میر صاحب" سے مراد میر سردار احمد خان ہیں جو ڈیرہ اسماعیل خان کے رہنے والے تھے۔ ان کی تصویر جدّو جہد آزادی کے البم (بعنوان (struggle for Independence) میں شامل ہے۔ یہ البم ادارہ قومی تعمیر نو (B.N.R.) نے شائع کیا تھا (صحیفہ۔ اقبال نمبر ۳، ۱۹۷۳ء جلد اوّل۔ ص ۱۹۰) رحیم بخش شاہین نے مکتوب الیہ کا نام سردار احمد خان "پی۔ سی۔ ایس" لکھا ہے (اوراقِ گم گشتہ ص ۱۶۱) معلوم نہیں "پی۔ سی۔ ایس" کا مآخذ ہے؟

✦

لاہور

۱۰ر فروری ۱۹۱۴ء

ڈیر میر صاحب

اگر آپ کے دوست مارچ میں انگلستان روانہ ہونا چاہتے ہیں تو یہ ضروری ہے کہ وہ سیکرٹری مشاورتی کمیٹی سے ذاتی طور پر خط کتابت کریں۔ انہیں کمیٹی کے سامنے پیش ہونا پڑے گا اور وہاں ان کے داخلے کا انحصار کمیٹی ہی کی سفارشات پر ہے۔ انہیں چاہیئے کہ وہ اپنی درخواست بھیج دیں اور درخواست کے ہمراہ دو ایسے معزز افراد کی تصدیقی اسناد بھی، جو انہیں آپ کے

دوست کو) ایک سال سے زائد مدت سے جانتے ہوں اور تصدیق کریں کہ اُن کا چال چلن بہت اعلیٰ ہے۔

جب یہ درخواست کمیٹی کے سامنے پیش ہوگی تو میں اس کا خیال رکھوں گا۔

میں نے ابھی سیکرٹری صاحب کو خط لکھا ہے کہ اگر ان کے پاس قواعد وضوابط کی کچھ کاپیاں ہوں تو ایک کاپی آپ کو بھیج دیں۔

آپ کا

محمد اقبال

پی۔ایس

سفر کے کوائف وغیرہ کے سلسلے میں میری معلومات بہت پرانی ہو چکی ہیں۔

محمد اقبال

Lahore
10th Feb. 1914.

Dear Mir Sahib,

Your friend must put himself in correspondence with the Sec. Advisory Committee, Lahore, if he wishes to proceed to England in March. He will have to go through the Committee and it is on the Committee's recommendation that they will admit him there. He should send an application with two certificates from Men of position, who are in a position to say that the applicant has been known to them for more than a year, and that he bears an excellent character.

When this application comes up before the Committee I shall see to it.

I have just written to the Sec. to send you a copy of the rules, if he has got spare copies.

Yours ever,
Md. Iqbal.

P. S.

For the particulars about journey etc., my knowledge has become rather antiquated.

Md. Iqbal.

۱۷

بنام ایڈیٹر پیغامِ صلح

قادیانیت کے متعلق علامہ اقبال کا مؤقف بہت واضح ہے۔ —— وہ انہیں غیر مسلم سمجھتے تھے اور اسی بناء پر انہوں نے متعدد مواقع پر قادیانیوں کو مسلمانوں سے علیحدہ جماعت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ پنڈت نہرو کے نام ایک خط میں تو انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہہ دیا۔ "احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں"

مگر ابتدائی دور میں قادیانیوں کے بارے میں اُن کی رائے ایسی دو ٹوک اور واضح نہیں تھی۔ علامہ اقبال کے اپنے بقول "ربع صدی پیشتر مجھے اس تحریک سے اچھے نتائج کی امید تھی"..... وہ قادیانیوں کے ساتھ بعض جلسوں میں بھی شریک ہوتے رہے اور ان کے ساتھ مل کر بعض ملکی مسائل پر بیانات بھی دیتے رہے (قادیانی غالباً اسی کو اقبال کا "احمدیت کے ساتھ بڑا گہرا تعلق" قرار دیتے ہیں)، مگر جب قادیانیوں کے سیاسی عزائم واضح طور پر سامنے آگئے تو انہوں نے قادیانیت سے بیزاری کا اعلان کر دیا[1]

ابتدائی دور کا مندرجہ ذیل خط بھی قادیانیت کے بارے اقبال کی پوزیشن کو مزید واضح کرتا ہے کسی قادیانی نے جب قادیانیوں کی حمایت میں بعض کلمات اُن سے منسوب کئے تو انہوں نے

---

[1] قادیانیت کے بارے علامہ اقبال کے مؤقف کی وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:

(۱) اقبال اور قادیانی، نعیم آسی مسلم اکادمی سیالکوٹ، ۱۹۷۰ء

(۲) اقبال اور قادیانیت، شورش کاشمیری مطبوعات چٹان لاہور، ۱۹۷۰ء

اس خط کے ذریعے اس کی تردید کی۔

لاہور، ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء

مخدومی ایڈیٹر صاحب پیغام صلح، السلام علیکم!

۹ر اکتوبر ۱۹۱۵ء کے "الفضل" میں سید انعام اللہ شاہ صاحب سیالکوٹی نے ایک تحریر بعنوان "جناب ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کی رائے اختلاف جماعت احمدیہ کے بارے میں" شائع کرائی ہے۔ اس تحریر کے متعلق میرے اکثر احباب نے بذریعہ خطوط وغیرہ مجھ سے دریافت کیا ہے۔ فرداً فرداً جواب دینے سے قاصر ہوں۔ لہٰذا آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مندرجہ ذیل سطور کو اپنے اخبار میں جگہ دے کر مجھے ممنون فرمایئے۔

میرے بہت سے احباب سلسلۂ احمدیہ کے ساتھ گہری دلچسپی رکھتے ہیں اور جب کبھی مجھے سیالکوٹ جانے کا اتفاق ہوتا ہے تو اکثر موقعے گفتگو کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ستمبر گذشتہ میں بھی جب میں سیالکوٹ میں تھا تو ایک سے زیادہ موقعے گفتگو کے پیدا ہوئے لیکن مجھے یہ یاد نہ آتا تھا کہ سید انعام اللہ صاحب کون سے موقع گفتگو کا ذکر اپنی تحریر میں فرماتے ہیں۔ چونکہ ان کی تحریروں میں سید بشیر احمد صاحب کی طرف اشارہ ہے اور وہ لکھتے ہیں کہ سید صاحب موصوف کے سوال پر میں نے کہا کہ قادیانی جماعت حق پر ہے اور مجھے ہمدردی لاہور والوں سے ہے۔ اس واسطے اپنے حافظہ پر اعتبار نہ کر کے میں نے سید بشیر احمد صاحب موصوف کو خط لکھا، جواب کا وہ حصہ، جو اس بحث سے متعلق ہے ذیل میں درج کرتا ہوں تاکہ میرے احباب کو اصل کیفیت سے آگاہی ہو جائے۔

"ہوشیارپور۔ ۲۹ر اکتوبر

برادرِ مکرم و معظم سلمہٗ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ابھی آپ کا خط ملا۔ ستمبر کے آخری ہفتہ میں جب آپ سیالکوٹ تشریف فرما تھے اور میں بھی وہیں تھا۔ آپ کے دولت کدے پر انعام اللہ میرے ہمراہ گیا تھا۔ اور وہ

کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں حسبِ عادت کرتا رہا تھا۔ کئی اس نے سوال وجواب کیے جو مجھے یاد نہیں ہیں۔ قادیان پارٹی اور لاہور پارٹی کا وہ ذکر کرتا رہا۔ گفتگو البتہ مجھے یاد نہیں کہ کیا تھی۔ ہاں میں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کوئی سوال آپ سے نہیں کیا تھا۔ میر انعام اللہ صاحب سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ وہ عادتاً مبالغہ آمیز باتیں کرنے کا عادی ہے۔ پوری گفتگو نہ کبھی اس کی کسی نے سمجھی ہے اور نہ ہی وہ خود بے چارا سمجھ سکتا ہے۔ ایک فقرہ سے کئی کئی نتائج اخذ کیا کرتے ہیں۔ انہیں معذور سمجھنا چاہیئے۔"

افسوس ہے کہ میر انعام اللہ صاحب نے میرے الفاظ کو صحیح طور پر بیان نہیں کیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں غلط فہمی ہوئی ہو۔ ایک شخص جو کسی خاص فریق سے تعلق رکھتا ہو، وہ قدرتی طور پر اوروں کی گفتگو سے وہی الفاظ ومطالب یاد رکھتا ہے۔ جو اس کے مفیدِ مطلب ہوں اور سیاقِ الفاظ فراموش کر جاتا ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے کتاب "حقیقت النبوۃ" کی بہ لحاظ اس کی ترتیب کے تعریف کی تھی۔ مگر اس کے دلائل پر رائے دینے کا مجھے حق حاصل نہیں کیوں کہ اختلاف سلسلہ احمدیہ کے متعلق وہی شخص رائے دے سکتا ہے جو مرزا صاحب مرحوم کی تصانیف سے پوری آگاہی رکھتا ہوں اور یہ آگاہی مجھے حاصل نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بدیہی ہے کہ ایک غیر احمدی مسلمان جو رسول اللہ صلعم کے بعد کسی نبی کے آنے کا قائل نہ ہو، وہ کس طرح یہ بات کہہ سکتا ہے کہ "عقائد کے لحاظ سے قادیان والے سچے ہیں"

محمد اقبال۔ لاہور

بنام سید فصیح اللہ کاظمی

سید فصیح اللہ کاظمی الٰہ آباد کے رہنے والے تھے۔ اُن کے نام علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل تین خطوط دستیاب ہیں۔ ان تینوں خطوں کا موضوع اسرارِ خودی کی بحث سے متعلق ہے۔ جناب بشیر احمد ڈار نے اُن کے نام علامہ کے ایک اور خط کی نشاندہی بھی کی ہے مگر اسے بہ طور خط نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ ایک تو اس میں سرے سے القاب و آداب ہی موجود نہیں دوسرے اس میں خطاب کاظمی صاحب سے نہیں کیا گیا۔ دراصل یہ ایک رائے ہے جو علامہ کی طرف سے "اُردوئے فصیح" نامی تصنیف پر دی گئی۔ یہ کتاب کئی سال تک نصاب میں بھی شامل رہی۔ (ملاحظہ ہو: اقبال ریویو، اکتوبر ۱۹۶۹ء ص ۸۴)

(۱۸) ——— (۱)

لاہور، ۱۰ر جولائی ۱۶ء

مکرمی تسلیم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے۔ حافظ شیرازی کے متعلق جو کچھ میں نے لکھا ہے، وہ میری مثنوی اسرارِ خودی کا ایک جزو ہے جو حال میں فارسی میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں خواجہ حافظ کے تصوّف پر اعتراض ہے۔

میرے نزدیک تصوّف وجودی مذہب اسلام کا کوئی جزو نہیں بلکہ مذہب اسلام کے مخالف ہے اور یہ تعلیم غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں میں آئی ہے۔ صوفی عبداللہ صاحب اس خیال کے اظہار سے قال سے حال میں آ گئے مگر یہ ایک خاص علمی اور تاریخی بحث ہے جس میں تاریخ و آثار سے

تو مدد لینی چاہیئے، گالیوں سے کام نہ چلے گا۔ صوفی عبداللہ صاحب نے گالیوں کی رُوش اختیار کی ہے۔ اس کا جواب مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ تصوّف پر جو میرے خیالات ہیں۔ اُن کا اظہار میں متعدد مضامین میں کر چکا ہوں جو وکیل اخبار (امرتسر) میں شائع ہوئے ہیں۔ اگر آپ کو اس بحث میں دلچسپی ہو تو وکیل کے وہ تمام نمبر ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خط اُنہی لوگوں کے اعتراضات کا جواب ہے اور مضمون بھی لکھ رہا ہوں۔ والسلام۔

صوفی صاحب کا رسالہ مدہوشی بیخودی میں نے نہیں دیکھا۔ اگر آپ کو ضرورت نہ ہو تو ارسال فرما دیجیے۔ میں دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال۔ لاہور

۲۹ —— (۲)

لاہور، ۱۴؍ جولائی ۱۶ء

مکرم بندہ، السلام علیکم

آپ کا مرسلہ "پیام امید" ملا۔ یہ رسالہ میرے پاس موجود ہے۔ واپس ارسالِ خدمت کرتا ہوں۔ میں نے ان دونوں پر حاشیے مختصر لکھ دیئے ہیں۔ اگر آپ کچھ لکھنا چاہیں گے تو آپ کو ان نوٹوں سے مدد ملے گی اور تلاشِ سندات کی زحمت نہ اٹھانا پڑے گی۔

تصوّف کے متعلق میں خود لکھ رہا ہوں۔ میرے نزدیک حافظ کی شاعری نے بالخصوص اور عجمی شاعری نے بالعموم مسلمانوں کی سیرت اور عام زندگی پر نہایت مذموم اثر کیا ہے۔ اسی واسطے میں نے اُن کے خلاف لکھا ہے۔ مجھے امید تھی کہ لوگ مخالفت کریں گے اور گالیاں دیں گے لیکن میرا ایمان گوارا نہیں کرتا کہ حق بات نہ کہوں۔ شاعری میرے لئے ذریعۂ معاش نہیں کہ میں لوگوں کے اعتراضات سے ڈروں۔ آخر میں انسان ہوں اور مجھ سے غلطی ممکن کیا یقینی ہے۔ نہ ہمہ دانی کا دعویٰ ہے نہ زبان دانی کا۔ افسوس کہ مثنوی کی کوئی کاپی اب موجود نہیں۔ پانچ سو کاپیاں شائع ہوئی تھیں جو زیادہ تر احباب

ہیں تقسیم ہوگئیں۔ اب کوئی کاپی باقی نہیں ورنہ ارسالِ خدمت کرتا۔ والسلام

آپ کا خادم

محمد اقبال لاہور

(۱۹) —— (۳)

لاہور، ۲۳ فروری ۱۷ء

مکرم بندہ السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔ بہت عرصہ ہوا پیامِ امید ایک دفعہ دیکھا تھا اس کے بعد ملاحظہ سے نہیں گذرا۔ اعتراضات کا تعلق جہاں تک زبان سے ہے اس کا جواب دینا آسانی سے ہو سکتا ہے مگر اس بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں اور باقی رہے مطالب تو زمانہ خود سمجھا دے گا۔

جس تحریر کی بناء پر وہ آپ پرلائبل (Lible) کا مقدمہ دائر کرنا چاہتے ہیں، میری نظر سے کسی رسالے یا اخبار میں نہیں گزری۔ اگر پڑھوں تو قانونی اعتبار سے اس کے متعلق رائے دے سکتا ہوں۔ آپ کے پاس پیامِ امید کی وہ اشاعت ہو تو بھیج دیں۔ میں بڑی خوشی سے اپنے علم اور سمجھ کے مطابق رائے دوں گا۔

افسوس ہے کہ میرے پاس بہت سی نظمیں نہیں ہیں۔ اب مجموعہ مرتب کرنے کی کوشش میں ہوں کہ اشاعت کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال لاہور

ل اسرارِ خودی کا پہلا ایڈیشن ۱۹۱۵ء میں حکیم فقیر محمد چشتی نظامی کے اہتمام سے یونین اسٹیم پریس لاہور میں چھپا۔ ضخامت ۱۵۶ صفحات اور تقطیع $\frac{20 \times 30}{16}$ تھی۔

(۲۰)

بنام میاں محمد شاہنواز

میاں شاہ نواز لاہور کے معروف بیرسٹر تھے۔ ان کی بیگم سر محمد شفیع کی صاحبزادی تھیں۔ اس اعتبار سے میاں شاہ نواز اور جسٹس شاہ دین ہمایوں کے صاحبزادے میاں بشیر احمد ہم زلف تھے۔ میاں صاحب مرحوم سے زیادہ بیگم شاہ نواز نامور ہوئیں انہوں نے سیاست میں بھر پور حصّہ لیا اور مسلم لیگ میں شامل ہو کر تحریکِ پاکستان کے لیے مفید خدمات انجام دیں۔

میاں شاہ نواز کے نام علامہ اقبال کا مندرجہ ذیل خط محض ایک شعر پر مشتمل ہے جو انہوں نے جسٹس شاہ دین ہمایوں کی وفات پر کہا۔ جسٹس محمد شاہ دین ہمایوں ۲ اپریل ۱۸۶۸ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ سر سیّد کی اصلاحی تحریک کے موید تھے۔ شعر و ادب سے بھی شغف تھا۔ نظموں کا مجموعہ "جذباتِ ہمایوں" ان کی یادگار ہے۔ پنجاب چیف کورٹ کے جج رہے۔ ۲؍ جولائی ۱۹۱۸ء کو لاہور میں انتقال کیا۔ میاں بشیر احمد نے ان کی یادگار میں اردو کا معروف ادبی رسالہ "ہمایوں" ۱۹۲۲ء میں جاری کیا جو ۱۹۵۷ء میں بند ہو گیا۔ علامہ اقبال نے ہمایوں کی یاد میں ایک خوبصورت نظم کہی (بانگِ درا، ص ۲۵۴) جس کے پہلے دو شعر ناقابلِ فراموش ہیں:-

اے ہمایوں زندگی تیری سراپا سوز تھی ۔۔۔ تیری چنگاری چراغِ انجمن افروز تھی

گرچہ تھا تیرا تنِ خاکی نزار و دردمند ۔۔۔ تھی ستارے کی طرح روشن تری طبعِ بلند

اقبال نے ہمایوں کی وفات پر ایک قطعۂ تاریخ اور ایک شعر بھی کہا جس کا عکس "انوارِ اقبال" (ص ۳۴۷) اور متن "سرودِ رفتہ" (ص ۲۱۸) میں شامل ہے۔

۴ر جولائی ۱۹۱۸ء (انگریزی)

یقیناً وہ اسے پسند کریں گے۔

دوش بر خاک ہمایوں بلبلے نالید گفت

اندریں ویرانہ ما ہم آشنائے داشتیم

ہمیشہ، آپ کا

محمد اقبال

4th July, 1918

"Sure they will like it.

دوش بر خاک همایوں بلبلے نالید و گفت

اندریں ویرانه ما هم آشنائے داشتیم

yours ever

Mohammad Iqbal"

****

بنام سید شوکت حسین

سید شوکت حسین ۲ر مارچ ۱۸۹۹ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ تعلیم اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ اور اسلامیہ کالج لاہور اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے حاصل کی۔ علی گڑھ میں تعلیم کے دوران میں سید شوکت حسین کو مولانا محمد علی جوہر کی صحبتوں سے مستفید ہونے کا موقع ملا جس سے ان کی شعری اور ادبی صلاحیتوں کو جلا ملی۔ انہوں نے محمد علی جوہر کی سیرت پر ۱۹۲۶ء میں ایک کتاب بھی لکھی۔ علی گڑھ سے تکمیل تعلیم کے بعد سید شوکت حسین لاہور کے اخبار "سیاست" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ انہوں نے تحریکِ خلافت میں بھی حصہ لیا۔ "سیاست" کی بندش پر گورنمنٹ ہائی سکول کمالیہ (ضلع لائلپور) میں بحیثیت مدرس ملازم ہوگئے اور بقیہ

زندگی درس و تدریس میں گذار دی۔ آخری عمر میں وہ تصوف کی طرف مائل ہو گئے تھے۔ ۱۹۴۹ء میں انتقال کیا۔

(۲۲) —— (۱)

سید شوکت حسین اوائلِ عمر ہی سے، علامہ اقبال کے مداح تھے۔ وہ انٹرمیڈیٹ میں پڑھتے تھے کہ ایک دفعہ "اودھ پنچ" میں اقبال کی غزل پر تنقید شائع ہوئی جس کا مقطع ہے ؎

خبر اقبال کی لائی ہے گلستاں سے نسیم
نو گرفتار پھڑکتا ہے تہِ دام ابھی

شوکت صاحب نے "اودھ پنچ" کا تراشہ علامہ اقبال کی خدمت میں بھیجا اور تنقید کے بارے میں ان کا تأثر دریافت کیا" (اوراقِ گم گشتہ ص ۱۵۲) جواباً اقبال نے مندرجۂ ذیل خط روانہ کیا—

Lahore
3rd January, 1919

Sir,

Thanks for your sending me the paper. I read it a few days ago, but do not think it worth while to reply. The poem was written 20 years ago and I do not know who has published it. It would have been only fair to me to ask my permission before doing so. But literary morality is unknown in this country and no body cares for the author whose mind and outlook are continuously changing. In spite of the fact that the poem is one of my earliest attempts, some of the criticisms are based on misprints for which I cannot be held responsible. The critic, however, has failed to see the real flaws of the poem. Poetry is something more than the mere correctness of idioms and expressions. My ideals are different to the critic's literary ideals. Poetry plays only a subordinate role in my utterances, and it is not my ambition to be classed among the poets of the day.

Yours tru ly
MUHAMMAD IQBAL
LAHORE

لاہور

(انگریزی)

۳؍ جنوری ۱۹۱۹ء[1]

سر،

اخبار بھیجنے کا شکریہ۔ چند دن پہلے میں اسے دیکھ چکا تھا۔ میرے خیال میں یہ اس قابل نہیں ہے کہ اس کا جواب دیا جائے۔ یہ نظم بیس برس پہلے لکھی گئی تھی اور مجھے معلوم نہیں کہ اسے کس نے شائع کرایا ہے۔ اشاعت سے پہلے اگر مجھ سے اجازت لے لی جاتی تو مناسب ہوتا مگر اس ملک میں ادبی اخلاقیات مفقود ہیں۔ مصنف کا ذہن اور زاویۂ نگاہ مسلسل تغیر پذیر رہتے ہیں مگر مصنف کو کوئی بھی خاطر میں نہیں لاتا۔

یہ نظم میری ابتدائی کاوشوں میں سے ہے۔ پھر بھی اس پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ان کی بنیاد طباعت کی غلطیاں ہیں، جس کی ذمہ داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔ بہر حال (دلچسپ بات یہ ہے کہ) حضرت ناقد نظم کی اصل خامیوں کو دیکھنے میں ناکام رہے ہیں۔ شاعری محض محاورات اور اظہار بیان کی صحت سے بڑھ کر کچھ اور بھی ہے۔ میرے معیار تنقید نگاروں کے ادبی معیاروں سے مختلف ہیں۔ میرے کلام میں شاعری محض ایک ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ مجھے قطعاً یہ خواہش نہیں کہ دورِ حاضر کے شعراء میں میرا بھی شمار ہو۔

آپ کا مخلص[2]
محمد اقبال
لاہور

---

[1] اقبال نامہ جلد دوم (ص ۲۵۳) میں مندرج سنِ تحریر ۱۹۲۶ء درست نہیں

[2] اقبال نامہ جلد دوم میں Yours truly کا ترجمہ "نیاز مند" کیا گیا ہے جو سیاق و سباق میں کسی طرح درست نہیں۔

(۲) —— ۲۳

بیس برس پہلے کی مذکورہ نظم، مکتوب الیہ نے تلاش کرکے علامہ کی خدمت میں روانہ کی

جواباً انہیں علامہ کی طرف سے ذیل کا انگریزی خط موصول ہوا:

لاہور ۶؍ جنوری ۱۹۱۹ء (انگریزی)

ڈیر سر

آپ کے خط کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ نے نظم کا ابتدائی (مطبوعہ) متن ڈھونڈ نکالا ہے۔ میرے پاس اصل مسودے کی نقل بھی موجود نہیں۔ نظم میں متعدد خامیاں موجود ہیں مگر (فی الحال) اس پر توجہ دینے کی مجھے فرصت نہیں۔ کسی پرانی نظم کو ٹھیک کرکے نئے سانچے میں ڈھالنے کی نسبت نئی نظم کہہ لینا کہیں زیادہ آسان ہے۔ بہرحال نظم کی خامیاں نفسیاتی ہیں اور بعض مقامات پر خامیوں کا تعلق اظہار بیان سے ہے۔ لکھنوی[1] ناقدوں کو ابھی فنی تنقید کے اصول سیکھنے کی ضرورت ہے۔ تاہم مجھے خوشی ہے کہ آپ کو اس معاملے میں اطمینان ہوگیا۔

رہی 'زحمت' تو آپ نے (خط لکھ کر) مجھے کوئی زحمت نہیں دی۔

آپ کا

محمد اقبال

Lahore
6th January, 1919.

Dear Sir,

Thanks for your letter, I am glad you have been able to discover an earlier print of the poem. I retain no copy of the original. The poem is not free from faults, but I have no time to attend to it. It is easier to write a new poem than to remould an old one. The faults of the poem are, however, psychological and in some cases those of expressions. Lucknow critics have yet to learn the principles of art-criticism. However, I am glad to see that you are satisfied in this matter.

As to disreg you have done me nothing of the kind.[2]

Yours etc.[3]

MUHAMMAD IQBAL

---

۱ اصل انگریزی مکتوب میں Lucknow critics کے الفاظ صاف پڑھے جا سکتے ہیں مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ اس خط کے مطبوعہ دونوں اردو ترجموں میں "ہندوستانی ناقدین" اور "ہندوستانی نقادوں" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں (ملاحظہ ہو: اقبال نامہ جلد دوم، ص ۲۵۵ – اور – اوراق گم گشتہ، ص ۱۵۴)

۲ شیخ عطاء اللہ کے منقول متن (اقبال نامہ جلد دوم ص ۲۵۴ – ۲۵۵) میں اس آخری جملے کا ترجمہ موجود نہیں۔

۳ اقبال نامہ جلد دوم میں yours etc. کا ترجمہ بھی حذف کر دیا گیا ہے۔

(۲۴) ——— (۳)

سید شوکت حسین علامہ اقبال کے عقیدت مند اور مداح تھے۔ انہوں نے باون اشعار کی ایک فارسی نظم لکھی جس کا عنوان رکھا: "خطاب بہ اقبال" ۔ ۱۹۲۵ء میں اسے مولوی مسعود علی ندوی نے مطبع معارف اعظم گڑھ سے بارہ صفحات کے پمفلٹ کی صورت میں شائع کیا۔ اس میں علامہ اقبال کے فلسفۂ اشک ریزی پر نئے پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے[1]

نظم کی اشاعت پر مولانا گرامی اور عزیز لکھنوی نے شوکت صاحب کو ان کے کمالِ فن پر داد دی۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اوراقِ گم گشتہ ص ۱۵۵) علامہ اقبال نے اپنا ردِ عمل مندرجہ ذیل خط کی صورت میں ظاہر کیا:

مخدومی[2]، السلام علیکم

آپ کی نظم موصول ہوگئی ہے[3]۔ شکریہ قبول فرمائیے۔ اسرارِ خودی، اقبال کا حال ہے۔ مگر ممکن ہے آپ کا حال ہو۔ اگر ایسا ہو تو میرے لئے بھی دعا فرمائیے۔ والسلام

محمد اقبال، لاہور

۷ فروری ۲۶ء

※ ※ ※

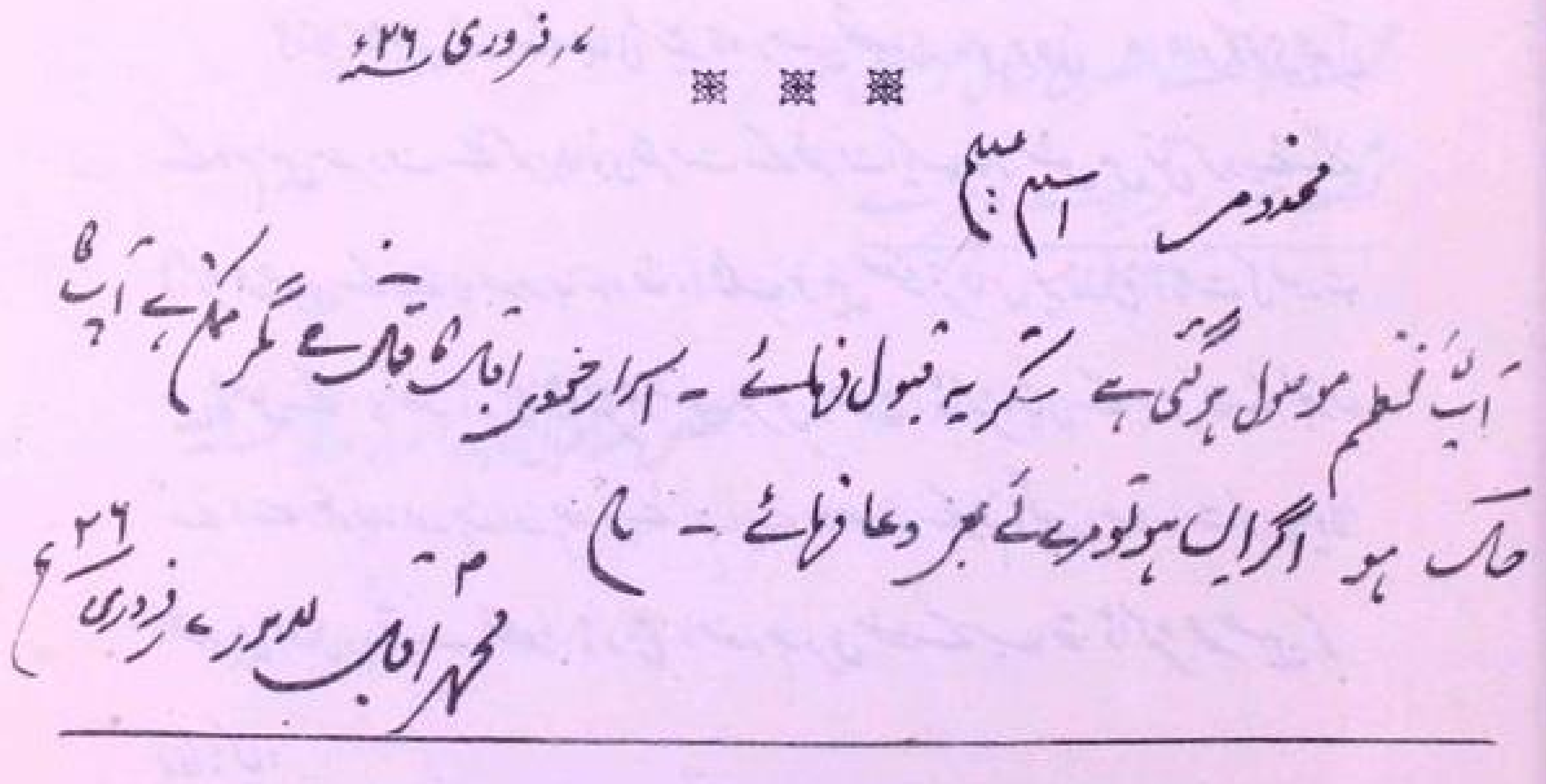
مخدومی السلام علیکم
آپ کی نظم موصول ہوگئی ہے شکریہ قبول فرمائیے - اسرار خودی اقبال کا حال ہے مگر ممکن ہے آپ کا حال ہو اگر ایسا ہو تو میرے لئے بھی دعا فرمائیے - و السلام
محمد اقبال لاہور ۷ فروری ۲۶ء

---

[1] نظم کے متن کے لئے ملاحظہ ہو ضمیمہ نمبر ۲

[2] اوراقِ گم گشتہ" کے متن (ص ۱۵۶) میں "محترمی" درج ہے جو درست نہیں۔

[3] اقبال نامہ، جلد دوم کے متن (ص: ۲۵۵) میں "ہے" موجود نہیں ہے۔

۲۵

بنام ڈاکٹر محمد حسین

ڈاکٹر سید محمد حسین شکرگڑھ، سیالکوٹ کے رہنے والے تھے۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد لاہور میں پریکٹس کرنے لگے۔ ایک معالج کی حیثیت سے لاہور میں ان کی اچھی شہرت تھی۔ اقبال نے مولانا گرامی کو کئی بار لکھا کہ وہ لاہور آ کر ڈاکٹر صاحب سے علاج کرائیں کیوں کہ وہ "اچھے طبیب ہیں"[1] انہوں نے ساہل سینی ٹوریم قائم کیا۔ جسے بعد میں حکومت کے حوالے کر دیا گیا۔ کرنل ڈاکٹر بشیر حسین، ریٹائرڈ ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز، مغربی پاکستان انہی کے فرزند ہیں۔ علامہ اقبال اور ڈاکٹر محمد حسین میٹرک تک ہم جماعت رہے۔ بعد میں بھی دونوں کے مراسم قائم رہے۔ عقیدے کے اعتبار سے ڈاکٹر محمد حسین قادیانی تھے۔ ۲۶ راپریل ۱۹۳۹ء کو انتقال کیا۔

ڈاکٹر محمد حسین شاہ" کے بھائی سید نادر حسین تحصیلدار ۲۸ رجولائی ۱۹۱۸ء کو فوجی بھرتی کے کام میں مصروف تھے کہ برطانوی حکومت کے خلاف ایک سازش میں قتل کر دیئے گئے ڈاکٹر محمد حسین کے لئے یہ صدمہ جانکاہ تھا۔ اشکِ خونیں صفحۂ قرطاس پر تاریخِ وفات کی صورت میں ڈھل گئے۔ یہ قطعۂ تاریخ ڈاکٹر محمد حسین بغرضِ اصلاح، ڈاکٹر اقبال کے پاس لائے انہوں نے اسے رکھ لیا۔ اور چند روز بعد اپنے اور اپنے دوست کے غم آگیں احساسات کو ان یادگار اشعار میں ڈھال دیا[2]۔ قطعۂ تاریخ، مندرجہ ذیل خط کے ساتھ ڈاکٹر محمد حسین کو روانہ کیا:

---

[1] مکاتیبِ اقبال بنام گرامی۔ ص ۲۲۸

[2] فقیر سید وحیدالدین: "روزگارِ فقیر" (اوّل) ص ۱۹۰

مخدومی شاہ صاحب ، السلام علیکم

دل میں درد ہو تو اس کے اظہار کا بہترین طریق شعر ہے۔ بھائی کے فراق نے آخر آپ کو شاعر بنا دیا مگر جو اشعار آپ نے کہے ہیں، وہ سنگِ مزار کے لئے موزوں نہیں۔ میں قطعۂ تاریخ عرض کرتا ہوں اُسے مزار پر کندہ کرائیے۔ مادۂ تاریخ الہامی ہے۔

والسلام

محمد اقبال

قطعۂ تاریخ

سیدِ والانسب نادر حسینؒ
در رہِ صدق و صفا جولانگرے
چوں جدِ خود از جہاں مظلوم رفت
آں گروہے صادقاں را سرورے
گفت ہاتف مصرعِ سالِ رحیل
کُشت سید را یزیدے کافرے
۱۳۳۷ھ

مخلص محمد اقبال لاہور، ۷ فروری ۱۹ء

۲۶

بنام شیخ نور محمد

حضرت علامہ کے والدِ گرامی شیخ نور محمد ایک درویش منش، عالی ظرف اور صلح کل انسان تھے۔ زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے کیوں کہ کسی مکتب میں تعلیم حاصل نہیں کی تھی مگر علماء کی صحبتوں سے ہمیشہ استفادہ کرتے رہتے تھے۔ اس لیے ان میں ایک طرح کا علمی ذوق پیدا ہوگیا تھا اردو اور فارسی کی چھپی ہوئی تصانیف، پڑھ لیتے تھے۔ وہ کلامِ اقبال، خصوصاً "اسرارِ خودی" ذوق و شوق سے پڑھتے۔

حضرت علامہ اپنے والدِ محترم سے غیر معمولی محبت کرتے تھے۔ یہ محبت، عقیدت کی حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ گھر کے لوگ انہیں "میاں جی" کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد علامہ مستقلاً لاہور میں رہنے لگے مگر شیخ نور محمد سیالکوٹ میں ہی مقیم رہے اور ۱۷ اگست ۱۹۳۰ء کو وہیں انتقال کیا۔

شیخ اعجاز احمد نے بی اے پاس کیا تو اب ان کی مزید تعلیم کا مرحلہ درپیش ہوا، حضرت علامہ نے ذیل کا خط اسی ضمن میں اپنے والدِ محترم کی خدمت میں روانہ کیا۔

قبلہ و کعبہ ام، السلام علیکم

اعجاز کے امتحان کا نتیجہ کل شام نکل گیا۔ پاس ہوگیا ہے۔ آپ کو اور بھاوجہ صاحبہ کو مبارک ہو۔ اب اس کو یہ سوچنا چاہیئے کہ ایم اے میں داخل ہو یا قانون کے امتحان ایل ایل بی میں داخل ہو۔ دونوں امتحانوں کے لئے دو سال ہیں۔ ایل ایل بی کا امتحان پاس[1] کرتے میں بھی بہت سے فوائد

---

[1] اوراقِ گم گشتہ کے متن میں لفظ "پاس" موجود نہیں ہے۔

ہیں۔ بھائی صاحب کی خدمت میں بھی میں نے یہی لکھا ہے۔ اعجاز کو بھی اپنی قابلیت کا جائزہ لینا چاہیئے۔ وکیل کا کام اگر بہت نہ بھی چلے تو دو ڈھائی سو روپے ماہوار کما لیتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پہلے چند سال محنت کرنی پڑتی ہے اور انتظار کی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس لئے اس پر غور کرنے کے بعد مجھے لکھئے کہ اس کی طبیعت کا میلان کدھر ہے۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور

۱۶ جولائی ۱۹ء

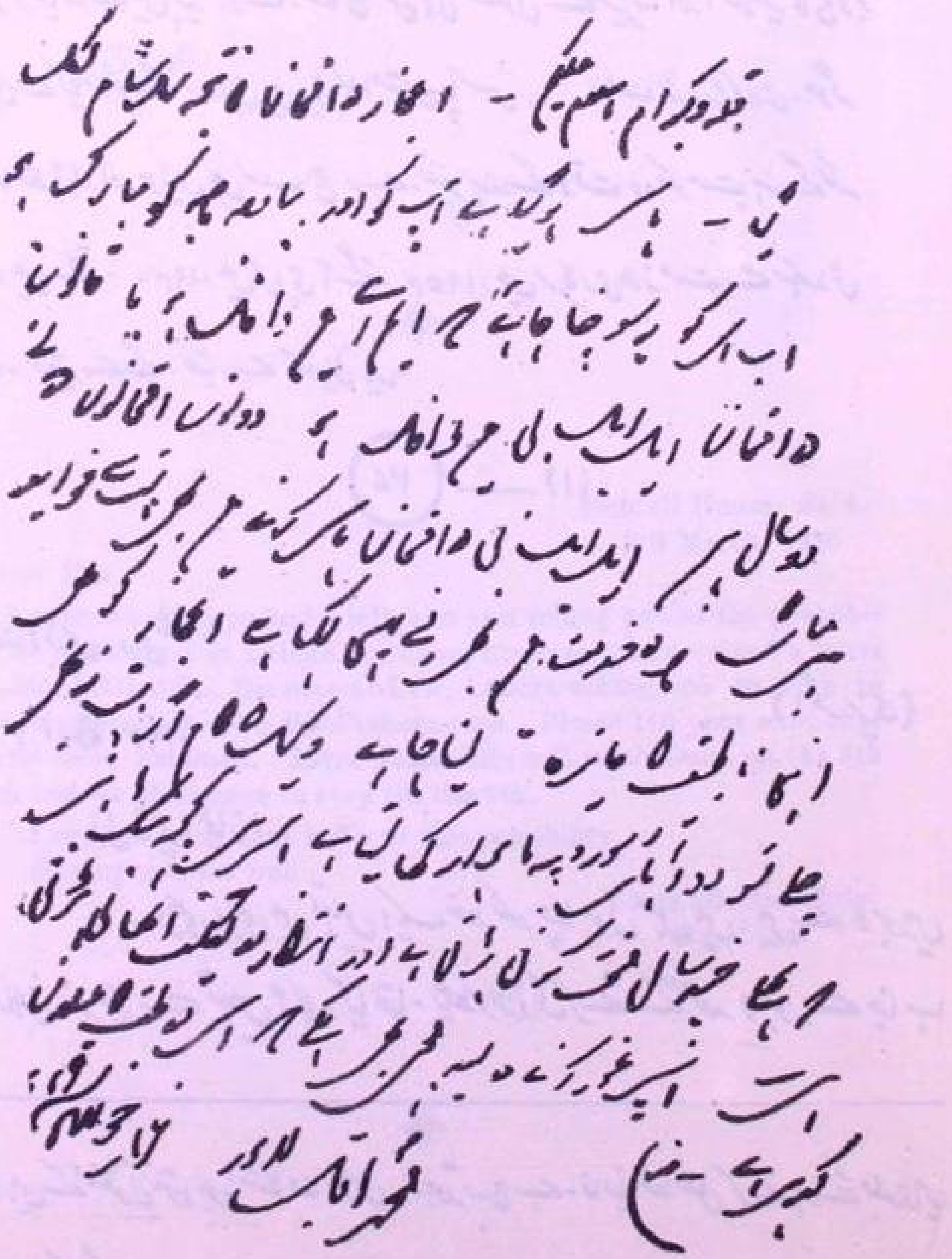

بنام شیخ اعجاز احمد

علامہ اقبال کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد کے صاحبزادے، شیخ اعجاز احمد ۱۲ جنوری ۱۸۹۹ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ سکاچ مشن ہائی سکول سے میٹرک اور اسلامیہ کالج لاہور سے بی اے کیا۔ اس کے بعد ایل ایل۔ بی کا امتحان پاس کر [illegible]کالت شروع کر دی۔ موگہ دہلی، حافظ آباد اور چونیاں میں سب جج رہے۔ تقسیم ہند کے وقت وہ حکومت ہند کے محکمہ خوراک میں تھے۔ ۱۹۴۷ء میں کراچی آ گئے۔ ۱۹۵۴ء میں سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ عقیدے کے اعتبار سے قادیانی ہیں۔

۲۷ ــــ (۱)

مشکات ہاؤس، دہلی[1]

۳ مارچ ۱۹۲۰ء

(انگریزی)

مائی ڈیر اعجاز،

ابھی ابھی میں تمہیں ایک خط لکھ چکا ہوں جس میں، میں نے لاہور میں اپنی آمد کی امکانی تاریخ سے تمہیں آگاہ کیا تھا۔ یہ خط حوالۂ ڈاک کرنے کے معاً بعد لاہور سے جناب

---

[1] رحیم بخش شاہین کے منقول متن میں "مشکات ہاؤس لاہور" درج ہے۔ غالباً خط نقل کرتے ہوئے جلدی میں دہلی کے بجائے لاہور لکھا گیا

جلال الدین بیرسٹرایٹ لا، لاہور کا خط ملا ہے۔ جس میں انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ Probate case کے سلسلے میں، دہلی ہی میں ٹھہروں۔ لہٰذا چچی کو بتادو کہ مجھے یہاں روک لیا گیا ہے۔ مرزا جلال الدین ۵ مارچ کو دہلی پہنچ رہے ہیں اور ہمیں سات تاریخ تک یہاں رُکنا پڑے گا۔

شاید تمہاری چچی کو دقیام دہلی میں اضافے کے، اس امکان کا پہلے سے کچھ اندازہ ہوگا۔

اُمید ہے تم بخیریت ہوگے۔

شفقت کے ساتھ

محمد اقبال

Metcalf House, *Delhi*
3rd March, 1920

My dear Ijaz,

A moment ago I posted a letter to you telling you of the probable date of my arrival in Lahore. I have, however, just received a letter from Mr. Jalaluddin, Barister-at-Law, Lahore asking me to stay in Delhi in connection with the Probate case. Please tell your aunt that I have been detained. Mirza Jalaluddin will reach Delhi on the 5th March and we shall have to stay till the 7th.

I suppose your aunt knew of this possibility.

Hoping you are well

Yours affectionately,
Md. Iqbal

۲۸ — (۲)

شیخ اعجاز احمد نے زمانۂ طالب علمی ہی میں اپنی ذاتی بیاض میں کلامِ اقبال جمع کرنا شروع کر دیا تھا۔ سیالکوٹ کے ڈاکٹر شاہ نواز صاحب بڑے خوشخط تھے۔ وہ بیاض میں کلامِ اقبال نقل کرنے میں ان کی مدد کرتے۔ اس طرح "بانگِ درا" کی اشاعت سے بہت پہلے اُن کی بیاض میں بہت سا مطبوعہ اور زیادہ تر غیر مطبوعہ کلام جمع ہو گیا۔ شیخ اعجاز احمد کے ایک دوست کے عزیز مشتاق صاحب نے بیاض دیکھی تو انہیں اس کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا مگر اس کے لیے حضرت علامہ کی اجازت ضروری تھی۔ چنانچہ مشتاق صاحب نے شیخ اعجاز احمد سے علامہ کے نام خط لکھوا کر، کلامِ اقبال شائع کرنے کی اجازت چاہی۔ جواباً شیخ اعجاز احمد کو ذیل کا مکتوب موصول ہوا۔

❖

لاہور

(انگریزی)

۱۰ جنوری ۱۹۲۱ء

مائی ڈیئر اعجاز،

بعض وجوہ کی بنا پر میں تمہارے دوست کی تجویز سے متفق نہیں۔ تفصیلی وجوہ کا ذکر تو یہاں غیر ضروری ہے تاہم سب سے اہم وجہ یہی ہے کہ میں پہلے ہی اپنی نظموں کا ایک مجموعہ[۱] اشاعت کے لئے مرتب کر رہا ہوں[۲]

شفقت کے ساتھ

محمد اقبال

لاہور

۱؎ روزگارِ فقیر، جلد دوم، ص ۲۱۵-۲۱۸

۲؎ اشارہ ہے "بانگِ درا" کی طرف جو پہلی بار ستمبر ۱۹۲۴ء میں طبع ہو کر منظرِ عام پر آئی۔

Lahore
10th January, 1921

My dear Ijaz,

I am afraid I cannot accede to your friend's request for poems, which, it is unnecessary to detail here, the most important of these poems, and that I am already preparing a collection of poems for publication.

Yours Affectionately,
MUHAMMAD IQBAL
Lahore

※※※※※※

(۳) —— (۲۹)

حضرت علامہ کے والدِ محترم شیخ نور محمد کا قیام سیالکوٹ میں تھا۔ جب کہ اقبال خود مستقلاً لاہور میں رہتے تھے ۔ ان کی طرف سے سیالکوٹ کے جملہ اعزّہ کو تاکید تھی کہ وہ والدِ محترم کی خدمت گذاری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ علامہ بالالتزام اُن کے احوال سے باخبر رہتے اور ان کے آرام و آسائش اور علاج معالجے کے سلسلے میں مفصل ہدایات لکھ کر اہلِ خانہ کو روانہ کرتے ۔ شیخ اعجاز احمد ۱۹۲۴ء کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں! " ہماری ایک پھوپھی صاحبہ جو سیالکوٹ میں ہمارے ساتھ رہتی تھیں اور جنہیں میاں جی کا تقرب حاصل تھا، تھوڑے عرصے کے لیے لاہور چچا جان کے ہاں گئیں۔ جب انہیں گئے ہوئے کچھ دن ہو گئے تو میاں جی کچھ اداس نظر آنے لگے۔ میں نے چچا جان کو یکے بعد دیگرے دو خط لکھے کہ میاں جی بہت اداس معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا پھوپھی صاحبہ کو جلد ہی سیالکوٹ بھجوا دیں۔ میرے خطوط ملنے پر

پر انھوں نے میاں جی کو خط لکھا کہ آپ کی بے چینی کا حال معلوم ہو کر بہت رنج ہوا۔ ہمشیرہ کو انشاء اللہ اوّل تو آج ہی، ورنہ کل روانہ کر دیا جائے گا۔ اسی خط میں میرے نام بھی علیحدہ خط تھا[1]

شیخ اعجاز احمد کے نام درج ذیل مکتوب پر کوئی تاریخ یا سن درج نہیں لیکن چونکہ متعلقہ واقعہ ۱۹۲۴ء کا ہے۔ اس لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ خط کا سالِ تحریر بھی ۱۹۲۴ء ہی ہوگا۔

برخوردار اعجاز کو بعد دعا واضح ہو کہ میں نے تمہارے دونوں خط پڑھ لیے ہیں والدِ مکرم کی طبیعت پہلے بھی رقیق تھی، اب بہ سبب ضعفِ پیری کے اور بھی رقیق ہو گئی ہے اس کے علاوہ زیادہ عمر کا آدمی کوئی رفیق اپنا نہیں دیکھتا۔ اس کو دنیا نئی معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو تنہا پاتا ہے، جس سے اس کی طبیعت اور گھبرا جاتی ہے۔ اس واسطے میرا مشورہ تم کو یہ ہے کہ دن میں ایک دفعہ وقت نکال کے ایک آدھ گھنٹہ اُن کے پاس بیٹھا کرو اور جن باتوں میں اُن کو دلچسپی ہے ان کے متعلق ان سے گفتگو کیا کرو۔ خواہ وہ گفتگو بے تکلف ہی کیوں نہ ہو۔ تم اس بات کو زندگی کے دیگر فرائض کی طرح لازم کر لو اور ایک دن بھی اس فرض کی انجام دہی سے غافل نہ ہو غالب گمان ہے کہ اس سے تم کو بہت فائدہ پہنچے گا۔ کیا عجیب ہے کہ جو بات اُن سے .... کو حاصل نہیں ہو سکی، وہ تم کو مل جائے اور اگر یہ بات ہو گئی تو زندگی بھر اُن کے احسان کو فراموش نہ کر سکو گے۔ اگرچہ اس وقت تم کو اس کا احساس نہ ہو کیونکہ جوانی کے خیالات کا رُخ اور طرف ہوتا ہے مجھے خود جو فائدہ اُن کی ذات سے ہوا، اس کا احساس اب ہوا ہے اور میں اس کو ہر قسم کے علم اور دنیوی وجاہت پر ترجیح دیتا ہوں۔ تم ان کے مذاق کا مطالعہ کرو اور پھر خواہ بے تکلف

---

[1] روزگارِ فقیر جلد دوم - ص ۱۲۹ - ۱۳۰

ہی کیوں نہ ہو، تھوڑی دیر کے لئے اس مذاق میں رنگین ہو جایا کرو تاکہ وہ تمہیں محرم تصور کریں۔ اس میں تمہارے لیے بڑے بڑے فائدے مستور ہیں، جن کو میں اب بیان نہیں کر سکتا اور اگر بیان کروں بھی تو شاید تم ان کو اچھی طرح سمجھ بھی نہ سکو گے۔ اس فائدے کے علاوہ دنیوی فائدے کا بھی امکان غالب ہے۔ کسی وقت خوش ہو کر ایک کبیر السن آدمی کے منہ سے دعا نکل جائے تو اسے دنیا کے تجربے نے نہایت پُر تاثیر بتایا ہے۔“ [۱]

---

[۱] حضرت علامہ کا قیاس غلط نہ تھا۔ شیخ اعجاز احمد کا بیان ہے کہ ”اس خط کے ملنے کے بعد جب تک میں سیالکوٹ میں رہا، قریباً ہر روز میاں جی کے پاس ضرور کچھ وقت بیٹھتا اور ان کی باتوں سے مستفید ہوتا۔ اس سے مجھے اتنے فوائد حاصل ہوئے کہ میں نہ میاں جی کا احسان فراموش کر سکتا ہوں اور نہ چچا جان کا، جنہوں نے ایسی خدمت کی طرف توجہ دلائی۔“ (روز گارِ فقیر، جلد دوم، ص ۱۳۱)

(۳۰)

بنام شاہ اسد الرحمٰن قدسی

ناصر الدین اسد الرحمٰن قدسی ۱۸۹۱ء میں بھوپال میں پیدا ہوئے۔ والد حبیب الرحمٰن صاحبِ رشد و ہدایت بزرگ تھے۔ قدسی صاحب نے بھی اپنے والدِ محترم کا مسلک اختیار کیا۔ کئی سال تک صحراؤں، پہاڑوں اور جنگلوں میں ریاضت کی زندگی گزارنے کے بعد بھوپال کے قریب ”ثمرستانِ حبیبؒ“ میں مقیم ہو گئے۔ ۱۹۴۹ء میں ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور بالآخر بھون (ضلع جہلم) میں آستانۂ قدسی قائم کیا اور وہیں مقیم ہوئے۔

بھوپال میں حضرت علامہ کی آمد سے پہلے ہی ان کے اور شاہ اسدالرحمٰن قدسی کے باہمی روابط قائم تھے۔ علامہ بھوپال آنے لگے تو رفتہ رفتہ تعلقات بڑھتے گئے۔ حضرت علامہ اور قدسی صاحب کے درمیان کئی سال تک سلسلۂ مکاتبت بھی جاری رہا۔ ہجرت کے موقع پر ان کے نام علامہ کے نام خطوط ضائع ہو گئے۔ زیرِ نظر مکتوب البتہ کاغذات میں محفوظ رہ گیا۔

اس خط میں گل حسین شاہ صاحب کی وفات کی خبر دی گئی ہے۔ شاہ صاحب امیر معظ کے ایک بزرگ تھے۔ حضرت علامہ یورپ سے اعلیٰ تعلیم پاکر لوٹے تو گل حسن شاہ سے عقیدت مندانہ تعلق پیدا ہوا۔ کبھی کبھی ان کی خانقاہ پر حاضری دیتے تھے۔ علامہ اقبال کے توسط سے قدسی صاحب کا تعارف و تعلق بھی شاہ صاحب سے قائم ہوا۔ قدسی صاحب طویل عرصہ تک متواتر سیر و سیاحت میں رہے، جب واپس اپنے مستقر بھوپال آئے تو علامہ سے شاہ صاحب کا حال دریافت کیا۔ جواباً علامہ نے زیرِ نظر مکتوب ارسال فرمایا:

مکرم بندہ، السلام علیکم
گل حسن شاہ صاحب قریباً ایک سال ہوا رحلت فرما گئے[1]

محمد اقبال

۲۴ر ستمبر ۱۹۳۵ء۔ لاہور

---

[1] شاہ اسدالرحمٰن قدسی اور حضرت گل حسن شاہ کے بارے میں مزید تفصیل ملاحظہ ہو: "اقبال اور بھوپال" ص ۲۱۲ - ۲۲۱

بنام سید رحمت اللہ شاہ

پیرزادہ سید رحمت اللہ شاہ کے والد عراق میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رح کے گدی نشین خاندان میں سے تھے۔ ایک بار تبلیغی مشن پر بلوچستان آئے اور پھر لاہور پہنچ کر یہیں مقیم ہو گئے۔ سید رحمت اللہ شاہ ۱۸۹۶ء میں یہیں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سے حاصل کی۔ میٹرک اور حکیم حاذق کے امتحانات پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیے اور طب کی تکمیل مفتی مقیم اللہ سے کی۔ ۱۹۲۴ء میں امریکن ہومیوپیتھک کالج سے ایچ۔ایل۔ایم۔ایس کا امتحان بھی امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ تکمیلِ طب کے بعد مطب کرنے لگے۔ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں انہوں نے مسلمانوں کی مذہبی، معاشرتی اور معاشی اصلاح و تنظیم کے لیے The Comrades کے نام کی ایک انجمن قائم کی۔ جو کئی برس تک کامیابی سے کام کرتی رہی۔ محمد امین (نومسلم) بیرسٹر ایٹ لا، اس کے صدر اور سید صاحب جنرل سیکرٹری تھے۔ ۱۹۳۴ء میں انجمن طبیہ پنجاب کے زیرِ اہتمام یونانی طبیہ کالج قائم ہوا تو اس میں کچھ عرصہ تدریس کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ سید صاحب ایک قابل طبیب، سرگرم سماجی کارکن اور صاحب علم و فضل انسان تھے۔ علامہ اقبال، خلیفہ شجاع الدین، الحکیم عبدالمجید عتیقی اور دیگر اکابر علم و فن سے ان کے خصوصی مراسم تھے۔ اقبال اور ان کے تعلقات کا اندازہ ان تین خطوط سے لگایا جا سکتا ہے جو دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ سکے۔ یہ خطوط انہیں جیکب آباد کے پتے پر لکھے گئے تھے۔ سید صاحب کا معمول تھا کہ وہ اپنے عقیدت مندوں کے اصرار پر موسم سرما کے دو تین ماہ سندھ میں گزارتے تھے۔ وفات ۲۰ رجون ۱۹۶۵ء کو لاہور میں ہوئی (افضل حق قریشی "صحیفہ"۔ اقبال نمبر، جلد اول، ص ۱۹۸ - ۱۹۹)

(۳۱) —— (۱)

لاہور

۲۲ر نومبر ۲۰ء

مخدومی، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

آپ کا نوازش نامہ مل گیا ہے، جس کے لئے سراپا سپاس ہوں:

گماں مبر کہ بہ پایاں رسید کارِ مغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

مخلص

محمدؐ اقبال

(۳۲) —— (۲)

لاہور

۲۰ر اکتوبر ۲۵ء

ڈیر شاہ صاحب، السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ الحمد للہ کہ خیریت ہے[1]۔ دیوانِ طرزی[2]، بڑی خوشی سے بھیج دیجئے گا۔

---

[1] علامہ قلم برداشتہ اور تیز لکھنے کے عادی تھے۔ چنانچہ کہیں کہیں کوئی لفظ چھوٹ جاتا تھا یہاں "خیریت" کے بعد لفظ "ہے" رہ گیا ہے۔

[2] "دیوانِ طرزی" مکتوب الیہ کے ایک مرید غلام سرور مغل کا فارسی دیوان تھا جو فارسی کے علاوہ اردو و ہندی میں بھی شعر کہتے تھے۔ وہ خان بہادر رسول بخش سابق ڈپٹی کلکٹر حکومت سندھ و نائب وزیر ریاست خیرپور کے فرزند تھے۔ ۱۰ر فروری ۱۹۵۷ء کو گڑھی یاسین/ کراچی میں فوت ہوگئے جہاں والد کی وفات کی بعد انہوں نے مستقل رہائش اختیار کر لی تھی۔

جس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

آپ کے دوست[1] کا خط میرے نام آیا تھا مگر وہ خط بدقسمتی سے گم ہو گیا اور پتہ مجھے یاد نہ تھا۔ اس واسطے میں ان کو خط کا جواب نہ دے سکا۔ میری طرف سے معذرت کر دیجئے گا امید کہ مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال

(۳) —— ۳۳

جناب شاہ صاحب، السلام علیکم

آپ کا خط مل گیا ہے۔ 'دیوان طرزی' بھی موصول ہو گیا ہے جس کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔

غلام سرور[2] کے حالات معلوم کر کے مجھے بہت افسوس ہوا، گو تعجب نہیں ہوا۔ اسی اندیشے کی وجہ سے میں نے آپ کو اسے لاہور میں رکھنے کی اجازت نہ دی تھی۔ آپ کو یاد ہوگا۔

بہرحال اب دعا ہے اللہ تعالیٰ اس پر فضل و کرم کرے۔ میں انشاء اللہ اس کے لئے دعا کروں گا۔ اگرچہ میں کیا اور میری دعا کیا۔ تاہم چونکہ اس دعا میں غرض کا شائبہ نہ ہوگا۔ اس

---

[1] دوست سے مراد ہیں غلام سرور مغل

[2] غلام سرور طبعاً آرام پسند اور ریشانہ زندگی کے عادی تھے۔ مکتوب الیہ نے اُن کے مفصل حالات علامہ کو لکھ بھیجے۔ جواباً علامہ نے اظہارِ تأسف کے ساتھ غلام سرور کے لئے دعا فرمائی۔

واسطے ممکن ہے درگاہِ رب العزت میں قبول ہو جائے۔ فی الحال آپ سے میری طرف سے کہیئے یا لکھیئے کہ وہ اپنے موجودہ طرزِ زندگی کو ترک کر دے کہ اس کا انجام تباہی ہے۔ اگر انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے خمیر میں لذت و سرور کے تمام سامان موجود ہیں تو کبھی بیرونی لذتوں کی تلاش میں سرگرداں نہ ہو۔ مگر آہ! جوانی میں انسان کی نظر خارجی دنیا کی چیزوں پر پڑتی ہے اور وقت گذر جاتا ہے اور اکثر انسانوں کو اس بات کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ وہ ایک گرانمایہ متاع کھو چکے ہیں۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ والسلام

محمد اقبال۔ لاہور

۳ر نومبر ۲۵ء

بنام سجاد حیدر یلدرم

یلدرم اردو کے معروف ادیب اور افسانہ نگار ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں نہٹور، ضلع بجنور میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے بی اے کے بعد بغداد کے برطانوی قونصل خانے میں ترکی ترجمان کی حیثیت سے ملازم ہو گئے۔ بغداد سے واپسی پر راجہ صاحب محمود آباد کے سیکرٹری رہے۔ ۱۹۲۰ء میں علی گڑھ کالج کو یونیورسٹی کا درجہ ملا تو یلدرم رجسٹرار مقرر ہوئے۔ چند سالوں کے بعد بحیثیت ریونیو کمشنر، جزائر انڈمان چلے گئے۔ ملازمت کا آخری عرصہ غازی پور اور اٹاوہ میں گذرا۔ ۱۹۳۵ء میں خرابیٔ صحت کی بنا پر ملازمت سے ریٹائر ہو گئے اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ ۱۱ر اپریل ۱۹۴۳ء کو لکھنؤ میں انتقال کیا۔

(۳۴) —— (۱)

جس زمانے میں یلدرم علی گڑھ یونیورسٹی کے رجسٹرار تھے، جنوری ۱۹۲۳ء میں یونیورسٹی کا کانوکیشن

کے موقع پر یونیورسٹی کے ادبی رسالے "علی گڑھ میگزین" کا خاص نمبر شائع کرنے کا پروگرام بنا۔ میگزین کے ایڈیٹر خواجہ منظور حسین نے علامہ اقبال کی خدمت میں ایک خط لکھ کر تازہ کلام اور دستخطی تصویر کی فرمائش کی اور ساتھ ہی یلدرم کا حوالہ بھی دیا۔ معلوم نہیں، اس سلسلے میں یلدرم نے بھی علامہ کو خط لکھا یا نہیں، مگر علامہ نے خواجہ منظور حسین کے اسی خط کے خالی حصے پر جواب لکھا اور نظم اس کی پشت پر لکھ کر بھیجی۔

اس خط پر تاریخ درج نہیں مگر اندازہ ہے کہ دسمبر ۱۹۲۲ء کے پہلے پندرھواڑے میں لکھا گیا ہوگا کیوں کہ خواجہ منظور حسین نے علامہ کی خدمت میں اپنا عریضہ یکم دسمبر کو ارسال کیا تھا۔ علامہ بالعموم فوراً جواب لکھتے تھے۔

ڈیر سجاد!

اس خط کے پچھلے صفحہ پر چند اشعار لکھتا ہوں[۱]۔ ایڈیٹر صاحب، کو دیدیجئے۔ اس وقت جلدی میں ہوں۔ معاف کیجئے کہ علیحدہ کاغذ پر نہیں لکھ سکا۔ ایک شامی عرب بشیر کمال سے معلوم ہوا کہ محمد عاکف[۲]، ایڈیٹر "سبیل الرشاد"، نے ترکوں کی شاعری کے بہت عمدہ نمونے

---

[۱] اشعار سے مراد ہے اقبال کی فارسی نظم "تنہائی" جو انھوں نے خط کی پشت پر لکھ بھیجی۔ یہ نظم "پیام مشرق" (ص ۱۱۸) میں موجود ہے۔

[۲] محمد عاکف (۱۸۷۳ء - ۱۹۳۶ء) ترکی کے معروف اسلامی شاعر۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس، مضمون نگاری، مختلف ملازمتوں اور سیر و سیاحت میں گذرا۔ انقرہ میں قیام کے زمانے میں انھیں اقبال کا کوئی کتابچہ ہاتھ آیا اور وہ علامہ کے نام اور کلام سے متعارف ہوئے۔ قیام مصر (۱۹۲۶ - ۱۹۳۶ء) کے دوران میں، جب وہ جامعہ فواد میں ترکی زبان کے پروفیسر رہے، انہیں "پیام مشرق" پڑھنے کا موقع ملا۔ ۱۹۳۱ء میں گول میز کانفرنس (لندن) سے واپسی پر اقبال ۵ روز قاہرہ میں ٹھہرے۔ محمد عاکف کا قیام بھی ان دنوں قاہرہ ہی میں تھا، مگر ملاقات نہیں ہو سکی کیونکہ دونوں ایک دوسرے سے نا آشنا تھے ۔ اقبال اور

(باقی صفحہ ۱۵۲ پر ملاحظہ ہو)

جمع کئے ہیں۔ اس کتاب کا نام "صفحات محمد عاکف" ہے۔ اس کا ترجمہ اُردو میں ہونا چاہیئے۔ محمد ثانی[1] کے دیوان میں کوئی شعریت نہیں۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۳۵) ———— (۲)

ڈیر سجاد،

جلیل احمد صاحب کا ان دل خوش کن الفاظ کے لیئے، جو انہوں نے میرے متعلق لکھے ہیں، میری طرف سے بہت بہت شکریہ ادا کیجیے۔ آخر کے تین شعر اگر پسند نہ ہوں یا علی گڑھ کی فضا کے لئے موزوں نہ ہوں تو کاٹ دیجیے[2]۔ والسلام

محمد اقبال

حاشیہ از صہ ۱۵۱

عاکف کی شاعری میں زبردست فکری ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو،

(۱) محمد عاکف از علی نہاد تارلان۔ (اردو ترجمہ)، لاہور۔ ۱۹۷۰ء

(۲) "اقبال اور عاکف" از ثروت صولت: "فکر و نظر"، اسلام آباد اگست ۱۹۷۵ء

[1] غالباً اشارہ ہے سلطان محمد فاتح کی طرف۔ جو ترکی کا معروف اور بیدار مغز حکمران تھا۔ قسطنطنیہ کے فاتح کی حیثیت سے اس کا نام تاریخ کے اوراق میں ہمیشہ محفوظ رہے گا۔

[2] یہ اشعار "زبور عجم" میں (غزل ۳۷) موجود ہیں۔ البتہ غزل کی ترتیب میں معمولی سا فرق ہے۔ شعر ۲ "زبور عجم" میں تیسرے نمبر پر ہے جب کہ شعر ۳ "زبور عجم" میں دوسرے نمبر پر۔ علامہ اقبال کے یہ غزل "علی گڑھ میگزین" (۱۹۲۵ء) میں جوں کی توں چھپی اور اس میں سے کوئی شعر قلمزد نہیں کیا گیا۔

بنام ایڈیٹر "زمیندار"

(۳۶) —— (۱)

۲۲ جون ۱۹۲۳ء کے روزنامہ "زمیندار" میں "انقلاب" کے سابق مدیر شمس الدین حسن کا ایک مضمون شائع ہوا (موصوف سرگرم اشتراکی تھے۔ "انقلاب" ان کے بقول "اشتراکی خیالات کی تبلیغ کے لئے" نکالا گیا تھا مگر جلد ہی مالی خسارے اور محدود دائرۂ مقبولیت کی وجہ سے بند ہو گیا) جس میں انہوں نے کامریڈ غلام حسن کا دفاع کرتے ہوئے (کامریڈ غلام حسن ایڈورڈز کالج پشاور میں استاد تھے۔ نومبر ۱۹۲۲ء میں ملازمت چھوڑ کر لاہور آگئے اور "انقلاب" کی پالیسیوں میں شریک کار رہے ۱۹۲۳ء میں بالشویک سازش کے مقدمے میں گرفتار ہوئے) یہ موقف اختیار کیا تھا کہ اشتراکیت کی حمایت کوئی جرم نہیں کیونکہ علامہ اقبال بھی بالشویک خیالات رکھتے ہیں۔ انہوں نے لکھا: "بالشویک نظام حکومت کارل مارکس کے

فلسفۂ سیاست کا لُبِّ لباب ہے اور کارل مارکس کے فلسفہ کو عام فہم زبان میں سوشلزم اور کمیونزم کہا جاتا ہے۔ ان حالات میں اگر کوئی تھوڑی سی عقل کا مالک بھی سر محمد اقبال کی "خضرِ راہ" اور "پیامِ مشرق" کو بغور دیکھے تو وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچے گا کہ علامہ اقبال یقیناً ایک اشتراکی ہی نہیں بلکہ اشتراکیت کے مبلغِ اعلیٰ بھی ہیں۔ "پیامِ مشرق میں" قسمت نامہ سرمایہ دار و مزدور" اور "نوائے وقت" کے عنوان سے جو مختصر سی نظمیں لکھی ہیں ان سے قطع نظر کرکے ص ۵۹ کی غزل کا مطلع ملاحظہ ہو:

تیر و سناں و خنجر و شمشیرم آرزوست

بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست

کیا ایسے اشعار کی موجودگی میں کسی کو شک ہو سکتا ہے کہ علامہ اقبال ایک انتہائی خیالات رکھنے والے اشتراکی نہیں ہیں۔ (زمیندار ۲۳ جون ۱۹۲۳ء ص ۳)

"زمیندار" میں مذکورہ بالا مضمون چھپا تو علامہ اقبال کو کسی نے اطلاع دی کہ آپ سے "بالشویک خیالات" منسوب کیے گئے ہیں۔ علامہ موصوف کی نظر سے مذکورہ بالا مضمون یا اخبار نہ گذرا تھا اور انہیں اس وقت تک معلوم نہ تھا کہ مجھ سے بالشویک خیالات منسوب کرنے والے صاحب کون ہیں۔

بہر حال "بالشویک خیالات" سے اعلانِ برارت کے لئے انہوں نے بلا تاخیر، اُسی روز ذیل کا مفصل مضمون مدیر "زمیندار" کے نام ارسال کیا جو اگلے روز اخبار میں شائع ہوا:

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ "گفتارِ اقبال" میں اس خط کا جو متن شامل کیا گیا، وہ مکمل اور صحیح نہیں ہے۔ ذیل میں ہم اس کا مکمل اور صحیح متن پیش کر رہے ہیں:

مکرّم بندہ جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار،

السلام علیکم

میں نے ابھی ایک دوست سے سُنا ہے کہ کسی صاحب نے آپ کے اخبار میں یا کسی اور اخبار میں (میں نے اخبار ابھی تک نہیں دیکھا) میری طرف بولشویک خیالات منسوب کئے ہیں۔ چونکہ بولشویک خیالات رکھنا میرے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہو جانے کے مترادف ہے۔ اس واسطے اس تحریر کی تردید میرا فرض ہے[1]۔

میں مسلمان ہوں۔ میرا عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ دلائل و براہین پر مبنی ہے کہ انسانی جماعتوں کے اقتصادی امراض کا بہترین علاج قرآن نے تجویز کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سرمایہ داری کی قوّت جب حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے تو دنیا کے لئے ایک قسم کی لعنت ہے لیکن دنیا کو اس کے مُضر اثرات سے نجات دلانے کا طریق یہ نہیں کہ معاشی نظام سے اس قوّت کو خارج کر دیا جائے۔ جیسا کہ بولشویک تجویز کرتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس قوّت کو مناسب حدود کے اندر رکھنے کے لئے قانونِ میراث، حرمتِ ربا اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام تجویز کیا ہے[2]۔ اور فطرتِ انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہی طریق قابلِ عمل بھی ہے۔ روسی بولشوزم یورپ کی ناعاقبت اندیش اور خود غرض سرمایہ داری کے خلاف ایک زبردست ردِّ عمل ہے لیکن حقیقت

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ علامہ اقبال "بولشویک خیالات" کے بارے میں خاصے حسّاس تھے اور انہیں گوارا نہ تھا کہ انہیں "اشتراکی" کہا جائے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ علامہ نے بلا تاخیر اس روز اور اسی لمحے ایڈیٹر زمیندار کو خط لکھ کر اس کی تردید ضروری سمجھی اور تردید بھی خاصی مفصّل ہے۔

[2] "گفتارِ اقبال" کے متن میں "حرمتِ ربا" کے الفاظ غائب ہیں جب کہ اصل خط (مطبوعہ زمیندار ۲۴ جون ۱۹۲۳ء) میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

یہ ہے کہ مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بولشوزم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں[1]۔ اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے اور جس کا میں نے اوپر اشارۃً ذکر کیا ہے۔ شریعت حقہ اسلامیہ کا مقصود یہ ہے کہ سرمایہ داری کی بنا پر ایک جماعت دوسری جماعت کو مغلوب نہ کر سکے اور اس مدعا کے حصول کے لئے میرے عقیدے کی رُو سے وہی راہ آسان اور قابلِ عمل ہے جس کا انکشاف شارع علیہ السلام نے کیا ہے۔ اسلام سرمایہ کے[2] قوت کو معاشی نظام سے خارج نہیں کرتا بلکہ فطرتِ انسانی پر ایک عمیق نظر ڈالتے ہوئے اسے قائم رکھتا ہے اور ہمارے لئے ایک ایسا معاشی نظام تجویز کرتا ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے یہ قوت کبھی اپنے مناسب حدود سے تجاوز نہیں کر سکتی۔ مجھے افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کے اقتصادی پہلو کا مطالعہ نہیں کیا ورنہ ان کو معلوم ہوتا کہ اس خاص اعتبار سے اسلام کتنی بڑی نعمت ہے۔ میرا عقیدہ ہے "فاصبحتم بنعمتہٖ اخوانا"[3] میں اسی نعمت کی طرف اشارہ ہے۔

---

[1]
هر دو جاں را ناصبور و ناشکیب — هر دو یزداں ناشناس، آدم فریب
زندگی ایں را خروج، آں را خراج — درمیانِ ایں دو سنگ آدم زجاج
ایں بہ علم و دین و فن آرد شکست — آں برد جاں را ز تن، ناں را ز دست
غرق دیدم ہر دو را در آب و گل — ہر دو را تن روشن و تاریک دل

(جاوید نامہ: ص ۶۵)

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا — طریقِ کوہکن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی

(بالِ جبریل، ص ۴۰)

[2] "کی" ہونا چاہیئے۔ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔

[3] سورہ آلِ عمران کی اس آیت کا ترجمہ ہے: "اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے" یعنی آنحضورؐ کی آمد سے پہلے اہلِ عرب باہمی عداوتوں، لڑائیوں اور کشت و خون کے سبب تقریباً تباہ ہو چکے تھے۔ اسلام کی نعمت نے انہیں مکمل بربادی سے بچا لیا۔

کیونکہ کسی قوم کے افراد صحیح معنوں میں ایک دوسرے کے اخوان نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ وہ ہر پہلو سے ایک دوسرے کے ساتھ مساوات نہ رکھتے ہوں اور اس مساوات کا حصول بغیر ایک ایسے سوشل نظام کے ممکن نہیں جس کا مقصود سرمایہ داری کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھنا ہے۔ یورپ اس نکتہ کو نظر انداز کر کے آج آلام و مصائب کا شکار ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ بنی نوع انسان کی تمام قومیں اپنے اپنے ممالک میں ایسے قوانین وضع کریں جن کا مقصود سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر رکھ کر مذکورہ بالا مساوات کی تخلیق و تولید ہو۔[1] اور مجھے یقین ہے کہ خود روسی قوم بھی اپنے موجود نظام کے نقائص تجربے سے معلوم کر کے کسی ایسے نظام کی طرف رجوع کرنے پر مجبور ہو جائے گی جس کے اصول اساسی یا تو خالص اسلامی ہوں گے یا اُن سے ملتے جلتے ہوں گے۔ موجودہ صورت میں روسیوں کا اقتصادی نصب العین خواہ کیسا ہی محمود کیوں نہ ہو۔ ان کے طریقِ عمل سے کسی مسلمان کو ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان اور دیگر ممالک کے مسلمان جو یورپ کی پولیٹیکل ایکانمی پڑھ کر مغربی خیالات سے فوراً متاثر ہو جاتے ہیں ان کے لئے لازم ہے کہ اس زمانے میں قرآن کریم کی اقتصادی تعلیم پر نظرِ غائر ڈالیں۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنی تمام مشکلات کا حل اس کتاب میں پائیں گے۔ لاہور کی لیبر یونین کے مسلمان ممبر بالخصوص اس طرف توجہ کریں۔ مجھے اُن کے اغراض و مقاصد کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ مگر مجھے امید ہے کہ وہ کوئی ایسا طریقِ عمل یا نصب العین اختیار نہ کریں گے جو قرآنی تعلیم کے منافی ہو۔"

محمد اقبال

بیرسٹر ایٹ لاء،

لاہور

---

[1] اس عبارت میں ذیل کا حصّہ:

"۔۔۔۔ رکھنا ہے۔ یورپ اس نکتہ کو نظر انداز ۔۔۔۔۔۔۔ تا ۔۔۔۔ سرمایہ کی قوت کو مناسب حدود کے اندر" "گفتارِ اقبال کے متن میں شامل نہیں ہے۔

(۴) ——— ۳۷

نومبر ۱۹۲۶ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل (مجلس قانون ساز پنجاب) کا انتخاب ہونے والا تھا۔ علامہ اقبال طبعاً سیاسی سرگرمیوں اور ہنگاموں سے چنداں دلچسپی نہ رکھتے تھے تاہم دوستوں اور مداحوں کے اصرار پر انہیں انتخاب میں حصہ لینا پڑا۔ ان کے مداح دوست چاہتے تھے کہ وہ بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو جائیں مگر تین حضرات (میاں عبدالعزیز ملک محمد حسین اور خان بہادر ملک محمد دین) اُن کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ دوستوں کے سمجھانے بجھانے پر میاں عبدالعزیز نے اپنا نام واپس لے لیا۔ بعد ازاں بلدیہ کے صدر ملک محمد حسین بھی علامہ کے حق میں دستبردار ہو گئے۔ ان کا اعلان دستبرداری ۳ اکتوبر کے "زمیندار" میں شائع ہوا تو علامہ موصوف نے ذیل کا مکتوب ایڈیٹر "زمیندار" کو بغرضِ اشاعت ارسال کیا:

جناب ایڈیٹر صاحب "زمیندار"

السلام علیکم!

آج آپ کے پرچے میں یہ خبر پڑھ کر کہ ملک محمد حسین صاحب صدر بلدیہ لاہور پنجاب کونسل کی امیدواری سے میرے حق میں دستبردار ہو گئے ہیں، مجھے بہت مسرت ہوئی۔ میں ملک صاحب کی اس عنایت فرمائی کا تہِ دل سے شکر گذار ہوں اور ان کے اس جذبے کو بے انتہا قابلِ تعریف سمجھتا ہوں کہ وہ مسلمانوں میں برادریوں کے افتراق کو دیکھنا گوارا نہیں کرتے اور اتحادِ مسلمین کے مقصدِ عزیز کے لیے انتہائی ایثار سے کام لے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسی قسم کی دردمندی اور ایسے ہی ایثار کی توفیق بخشے۔

لاہور ۳ اکتوبر ۱۹۲۶ء — محمد اقبال

لہ خان بہادر ملک محمد دین بیرسٹر ایٹ لا آخر وقت تک مقابلے پر ڈٹے رہے۔ ان کا تعلق ارائیں برادری سے تھا بعض نمایاں اصحاب مثلاً ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور مولوی محرم علی چشتی نے بھی اقبال کے خلاف کام کیا مگر علامہ موصوف، بفضلہ تعالیٰ خان بہادر کو تین ہزار ووٹوں کی اکثریت سے شکست دے کر ۲۳ نومبر ۱۹۲۶ء کو مجلسِ قانون ساز کے ممبر منتخب ہو گئے۔

بنام جسٹس شیخ دین محمد

جسٹس شیخ دین محمد ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں ایم اے اور ۱۹۱۰ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ پہلے کچھ عرصہ راولپنڈی اور پھر گوجرانوالہ میں رہے۔ ۱۹۲۴ء میں صدر بلدیہ گوجرانوالہ منتخب ہو گئے۔ ۱۹۲۶ء میں صوبائی مجلس قانون ساز کے ممبر منتخب ہونے کے بعد لاہور منتقل ہو گئے۔ ۱۹۳۱ء میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ ۱۹۳۴ء میں لاہور ہائی کورٹ کے ایڈیشنل جج اور بعد ازاں مستقل جج بنا دیئے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد ریاست بہاولپور کے چیف جج مقرر کیے گئے۔ جولائی ۱۹۴۷ء میں قائد اعظم نے شیخ صاحب کو باؤنڈری کمیشن کے لیے نامزد کیا۔ ۱۹۴۸ء میں صوبہ سندھ کے گورنر مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۰ء میں استعفیٰ دے کر گوجرانوالہ میں مقیم ہو گئے اور یہیں انتقال کیا۔

ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی روایت کے مطابق شیخ صاحب مرحوم کے پاس علامہ اقبالؒ کے چھ سات خطوط تھے[1]۔ ان میں سے صرف دو خطوط دستیاب ہیں۔

(۳۸) ——— (۱)

۲۲ جولائی ۲۳ء

ڈیر شیخ صاحب، السلام علیکم

حامل رقعہ ایک غریب آدمی ہے جو گجرانوالہ کے ضلع میں کہیں مدرس ہے اور اپنے

---

[1] صحیفہ — اقبال نمبر (حصہ اوّل) ۱۹۷۳ء - ص ۱۹۲

سکول سے کسی اور سکول میں تبدیلی چاہتا ہے۔ یہ تبدیلی شیخ رحیم بخش[له] اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز کے اختیار میں ہے۔ جنکا ہیڈ کوارٹر جالکے میں ہے۔ افسوس کہ میں شیخ صاحب موصوف سے واقف نہیں ہوں ورنہ میں ان کو براہ راست لکھتا۔ ممکن ہے کہ آپ یا آپ کا کوئی عزیز یا دوست شیخ رحیم بخش صاحب کو جانتا ہو۔ اس واسطے آپ کو تکلیف دیتا ہوں کہ اس آدمی کی مدد کریں۔ آدمی اس قابل معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مدد کی جائے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۲) —— ۳۹

۱۹۲۹ء میں پنجاب لیجسلیٹو کونسل کا ممبر منتخب ہو جانے کے بعد شیخ دین محمد لاہور منتقل ہو گئے۔ اس زمانے میں لاہور ہائی کورٹ کے ایک کلرک منشی فضل محمد، شیخ صاحب کے ہاں ملازمت کے خواہاں ہوئے اور چاہا کہ علامہ اقبال، شیخ صاحب سے ان کا تعارف کرا دیں۔ اس ضمن میں علامہ نے شیخ دین محمد کو ذیل کا خط لکھا:

لاہور

۱۹ر اپریل، ۱۹۲۹ء (انگریزی)

مائی ڈیر دین محمد،

حامل خط ہذا منشی فضل محمد کو بڑا اشتیاق ہے کہ وہ آپ کی لاہور منتقلی پر، ایک کلرک کی

له شیخ رحیم بخش ملازشیاں، قصبہ جالکے کے رہنے والے تھے۔ مدتوں گوجرانوالہ میں اول اسسٹنٹ ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز اور پھر ڈسٹرکٹ انسپکٹر رہے۔ آخر میں ان کا تبادلہ لاہور ہو گیا تھا اور یہاں ڈپٹی ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔ ان کے تین لڑکے اعلیٰ عہدوں تک پہنچے۔ نذیر احمد محمود جج اور شیخ عنایت اللہ و شیخ امان اللہ سی۔ ایس۔ پی ہوئے (ڈاکٹر وحید قریشی: صحیفہ - اقبال نمبر حصہ اول ۱۹۷۳ء، ص ۱۹۳)

حیثیت سے آپ کی خدمات بجالائیں۔ میری نظر میں، وہ لاہور ہائی کورٹ کے بہترین کلرکوں میں سے ہیں۔ اگر آپ انہیں اپنے ہاں ملازمت کا موقع دیں تو، بلاشبہ یہ آپ کا بہت عمدہ انتخاب ہوگا۔ اگر آپ انہیں بطور کلرک منتخب کریں تو آپ خود محسوس کریں گے کہ وہ مخلص ہونے کے علاوہ پوری طرح قابلِ اعتماد ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہائی کورٹ کے کام کے جملہ پہلوؤں سے بخوبی واقف ہیں۔

آپ کا

محمد اقبال

Lahore

19th Ap., 1929

My dear Din Mohammad,

The bearer of this letter is Munshi Fazl Mohammad who is anxious to serve as your clerk on your coming to Lahore. As far as I know he is one of the best clerks in the Lahore High Court. I have no doubt that you will be making a very good choice. If you select him for your clerkship, you will find him thoroughly well acquainted with all aspects of the High Court work, faithful and thoroughly trustworthy.

Yours Etc.

Mohammad Iqbal

بنام سیّد محمد سعید الدین جعفری

"سید محمد سعید الدین جعفری جالندھر کے رہنے والے تھے اور غالباً جج کے عہدے پر فائز تھے۔ زندگی کا بیشتر حصہ یوپی میں گزارا۔ علامہ اقبال سے انھیں بے حد عقیدت تھی، وہ جب بھی کشمیر وغیرہ کا سفر کرتے تو اقبال کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتے" (اوراقِ گم گشتہ ص ۱۱۷)

جعفری صاحب کے نام علامہ کے صرف تین خطوط دستیاب ہیں۔ ایک خط "انوارِ اقبال" (ص ۲۵۸) میں موجود ہے۔ بقیہ دو خطوط ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

۴۰ —— (۱)

مکتوب الیہ ان دنوں کشمیر میں مقیم تھے اور وہاں سے پنجاب واپس آنے والے تھے۔ ان کا ارادہ تھا کہ وطن جانے سے پہلے لاہور میں رُک کر حضرت علامہ سے ملاقات کرتے جائیں چنانچہ خط لکھ کر دریافت کیا۔ جواباً علامہ نے مندرجہ ذیل خط میں اپنے مکان کا پتہ لکھا اور یہ بھی کہ میں ان دنوں لاہور ہی میں ہوں گا:

مخدومی، السلام علیکم

آپ کا ۱۱ر جولائی کا لکھا ہوا خط مجھے آج ۲۴ کو ملا۔ امید نہیں کہ یہ کارڈ آپ کو ۲۶ سے پہلے ملے۔ مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کشمیر میں ہیں اور یہ کہ واپسی میں آپ سے ملاقات ہوگی۔

میرا مکان اسٹیشن لاہور سے کچھ زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ قلعہ گجر سنگھ کا علاقہ ہے جو

لاہور ریلوے اسٹیشن کے قریب ہی ہے۔ انگریزی روش کا پتہ یہ ہے۔ 43, McLeod Rd.
امید کہ اب آپ کی صحت بہت اچھی ہوگی۔ کشمیر ایک نہایت پُر فضا مقام ہے۔ میں انشاء اللہ اگست کی ۲ یا ۳ تاریخ تک لاہور ہی میں ہوں۔ اُمید کہ جناب کا مزاج بخیر ہوگا۔
منشی سراج الدین صاحب[1] اور ڈاکٹر عبدالواحد صاحب سے سلام کہیے گا۔

مخلص

محمد اقبال

لاہور، ۲۴ جولائی ۲۳ء

۱۴ — (۲)

لاہور، ۱۴ نومبر ۲۳ء

مکرمی السلام علیکم

(۱) ایشیا کے قدیم مذاہب کی طرح اسلام بھی زمانۂ حال کی روشنی میں مطالعہ کیے جانے کا محتاج ہے۔ پرانے مفسرینِ قرآن اور دیگر اسلامی مصنفین نے بڑی خدمت کی ہے۔ مگر ان کی تصانیف میں بہت سی باتیں ایسی ہیں جو جدید دماغ کو اپیل نہ کریں گی۔ میری رائے میں بہ حیثیت مجموعی زمانۂ حال کے مسلمانوں کو امام ابنِ تیمیہ[2] اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی[3] کا مطالعہ کرنا چاہیئے

---

[1] ۔ منشی سراج الدین، میر منشی ریذیڈنسی کشمیر۔ "اقبال نامہ" (حصہ اول) میں ان کے نام اقبال کے ۱۳ خطوط ملتے ہیں۔

[2] ابنِ تیمیہؒ (۱۲۶۳ء — ۱۳۲۸ء) عالمِ دین، فقیہہ، مجدد، امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکار تھے۔ کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں قید میں ڈالے گئے اور وہیں انتقال کیا۔ ڈیڑھ سو کتابیں تصنیف کیں۔ بدعات کے خاتمے اور صحیح اسلامی تعلیمات کی ترویج کے لئے ان کی کوششیں قابلِ قدر ہیں۔

[3] شاہ ولی اللہؒ (۱۷۰۳ء — ۱۷۶۲ء) مفسر، محدث، فقیہہ، سوانح نگار، اُمتِ مسلمہ کی اصلاح اور تجدید و احیائے دین

ان کی کتب زیادہ تر عربی میں ہیں مگر شاہ صاحب موصوف کی حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ حکماء میں ابنِ رشد[1] اس قابل ہے کہ اسے دوبارہ دیکھا جائے۔ علیٰ ہٰذا القیاس غزالی[2] اور رومی[3] علیہم الرحمۃ۔ مفسرین میں معتزلی نقطۂ خیال سے زمخشری[4]، اشعری نقطۂ خیال

بقیہ حاشیہ از ص ۱۶۳

کے لیے شاہ صاحب کی کوششیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ "حجۃ اللہ البالغہ" شاہ صاحب کی اہم اور معروف تصنیف ہے۔ اس کا پہلا اردو ترجمہ "آیات اللہ الکاملہ" کے نام سے چھپا۔ دوسرا ترجمہ مولانا عبدالرحیم مرحوم نے کیا جس کے دو ایڈیشن ۱۹۵۷ء اور ۱۹۶۲ء میں قومی کتب خانہ، لاہور نے شائع کیے۔ دیگر اہم تصنیفات میں الفوز الکبیر، ازالۃ الخفا اور البدور البازغہ شامل ہیں۔ کل تصانیف کی تعداد تقریباً ساٹھ ہے۔

[1] ابنِ رشد: (۱۱۲۶ء — ۱۱۹۸ء) ہسپانیہ کا عرب فلسفی اور سائنسدان۔ طب، فلکیات اور فقہ کا ماہر۔ اقبال نے خطبات میں ابنِ رشد پر ان الفاظ میں تنقید کی ہے: "ابنِ رشد اسلام کے ایک نہایت اہم اور پُر معانی تصور کے فہم سے قاصر رہا اور نادانستہ ایک ایسے فرسودہ اور سست رگ فلسفہ رجات کے نشوونما کا سبب بنا، جس سے انسان کو نہ تو اپنی ذات ہی کی کوئی بصیرت حاصل ہوتی نہ خالقِ کائنات اور کائنات کی" (تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ ص ۶)

[2] امام غزالی: (۱۰۵۸ء — ۱۱۱۱ء) عالمِ دین، فلسفی، فقیہہ اور متکلم۔ کل تصانیف ستر کے لگ بھگ ہیں۔ تہافتہ الفلاسفہ اور احیاء العلوم اہم تصانیف ہیں۔

[3] جلال الدین رومی: (۱۲۰۷ء — ۱۲۷۳ء) معروف صوفی اور شاعر۔ "مثنوی روم" کے خالق۔ اقبال، رومی کے اس حد تک مداح اور معترف ہیں کہ انھیں اپنا مرشد قرار دیتے ہیں۔

[4] جار اللہ زمخشری: (وفات: ۱۱۴۴ء) معروف تفسیرِ قرآن "کشاف" کے مؤلف۔ معتزلی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ مختلف علوم سے متعلق ۴۹ کتابیں تصنیف کیں۔

رازیؔ اور زبان و محاورہ کے اعتبار سے بیضاویؔ ۔ نئے تعلیم یافتہ مسلمان اگر عربی زبان میں اچھی دستگاہ پیدا کرلیں تو اسلام کے Re-Interpretation میں بڑی مدد دے سکیں گے ۔ میں نے اپنی تصانیف میں ایک حد تک یہی کام کرنے کی کوشش کی ہے ۔ انشاء اللہ اس پر نثر میں بھی لکھوں گا ۔

(۲) الفاظ کے انتخاب میں لکھنے والا (شاعر) اپنی حسِ موسیقیت سے کام لیتا ہے اور مضامین کے انتخاب میں اپنے فطری جذبات کی پیروی پر مجبور ہوتا ہے ۔ اس امر میں کسی دوسرے شخص کے مشورے پر خواہ وہ کتنا ہی نیک مشورہ کیوں نہ ہو، عمل نہیں کیا جا سکتا ۔ دوسرے اعتراض کے متعلق یہ بھی عرض ہے کہ میرے نزدیک اسلام نوعِ انسان کی اقوام کو جغرافی حدود سے بالاتر کرنے اور نسل و قومیت کی مصنوعی مگر ارتقاء انسانی کے ابتدائی مراحل میں مفید امتیازات کو مٹانے کا ایک عملی ذریعہ ہے ۔ اسی وجہ سے اور مذاہب (یعنی مسیحیت، بدھ ازم وغیرہ) سے زیادہ کامیاب رہا ہے ، چونکہ اس وقت ملکی اور نسلی قومیت کی لہر یورپ سے ایشیا میں آرہی ہے اور میرے نزدیک انسان کے لیے یہ ایک بہت بڑی لعنت ہے اس واسطے بنی نوعِ انسان کے مفاد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس وقت اسلام کے اصلی حقائق اور اس کے حقیقی پیشِ نہاد پر زور دینا نہایت ضروری ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ میں خالص اسلامی نقطۂ خیال کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتا ہوں ۔ ابتداء میں میں بھی قومیت پر اعتقاد رکھتا تھا اور ہندوستان کی متحدہ قومیت کا خواب شاید سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا لیکن تجربے اور خیالات کی وسعت نے میرے خیال میں تبدیلی کردی اور اب قومیت میرے نزدیک محض ایک عارضی

---

[1] امام رازی : (۱۱۴۹ - ۱۲۰۹ء) عالمِ دین، مفسر اور فلسفی ۔ اشعری اور شافعی عقائد کے پیروکار ۔

[2] ابو سعید ناصر الدین علی بن عمر بیضاوی : مفسرِ قرآن ، فقیہہ اور متکلم ۔ عربی میں اُن کی تفسیرِ قرآن بہت معروف ہے ۔

نظام ہے جس کو ہم ایک ناگزیر زشتی سمجھ کر گوارا کرتے ہیں۔ آپ Pan-Islam کو ایک پولیٹیکل یا قومی تحریک تصور کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ ایک طریق چند اقوام انسانی کو جمع کرنے اور ان کو ایک مرکز پر لانے کا ہے۔ اس غرض سے ایک مرکز شہودی پر مجتمع ہو جانے اور ایک ہی قسم کے خیالات رکھنے اور سوچنے کے باعث یہ اقوام نسلی اور قومی اور ملکی امتیازات و تعصبات کی لعنت سے آزاد ہو جائیں۔ پس اسلام ایک قدم ہے نوع انسانی کے اتحاد کی طرف۔ یہ ایک سوشل نظام ہے جو حریت و مساوات کے ستونوں پر کھڑا ہے۔ پس جو کچھ میں اسلام کے متعلق لکھتا ہوں اس سے میری غرض محض خدمت بنی نوع ہے اور کچھ نہیں اور میرے نزدیک عملی نقطۂ خیال سے صرف اسلام ہی Humanitarian Ideal کو Achieve کرنے کا ایک کارگر ذریعہ ہے۔ باقی ذرائع محض فلسفہ ہیں۔ خوشنما ضرور ہیں مگر ناقابل عمل۔ مجھے یہ معلوم کر کے تعجب ہوا کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خالص اسلامی حقائق پر لکھنے اور ان کو نمایاں کرنے سے ہندوستان کی اقوام میں باہمی عناد بڑھتا ہے۔ اس بات میں میں آپ سے متفق ہوں کہ مسلمانوں کو محبت کا طریق اختیار کرنے چاہیئے۔ نبی کریمؐ کی حدیث ہے کہ مسلمان دنیا کے لئے سراپا شفقت ہے مگر اس اخلاقی انقلاب کو حاصل کرنے کے لئے بھی یہی ضروری ہے کہ اسلام اپنی اصلی روشنی میں پیش کیا جائے۔ میرا ذاتی طریق یہی ہے کہ میں دنیا کی تمام مذہبی تحریکوں کو ادب اور احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہوں، گو یہ احترام مجھے ایسی تنقید سے باز نہیں رکھ سکتا جس کی بناء دیانت پر ہو اور جس میں سوائے خلوص کے اور کچھ نہ ہو۔ غرضیکہ میرا عقیدہ یہ ہے اور یہ عقیدہ محض خاندانی تربیت اور ماحول کے اثرات کا نتیجہ نہیں بلکہ بیس سال کے نہایت آزادانہ غور و فکر کا نتیجہ ہے کہ اس وقت اقوام انسانی کے لئے سب سے بڑی نعمت اسلام ہے اور جو شخص مسلمان کہلاتا ہے اس کا فرض ہے کہ قومی تعصب کی وجہ سے نہیں بلکہ خالصتاً للہ اپنی زندگی میں ایک عملی انقلاب پیدا کرے اور اگر دماغی قوت رکھتا ہے تو اپنی بساط کے مطابق اسلام کے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرے تاکہ نوع انسانی قدیم توہمات سے نجات پائے۔ مسلمانوں

کو تو سیاسیات سے پہلے اشاعت اسلام کا کام ضروری ہے تاہم دونوں کام ساتھ ساتھ بھی ہو سکتے ہیں۔

منظر علی صاحب کے مذہبی عقائد کا حال سُن کر مجھے کچھ تعجب نہیں ہوا کیونکہ Nationalism نے قریباً ہر ملک میں مذہب کو Displace کیا ہے لیکن الحمدللہ ان کے خیالات نے اس طرف پلٹا کھایا اور ان کو تحقیق کا شوق پیدا ہوا۔ چند مصنفین کے نام میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ میری رائے میں سید سلیمان ندوی[1] اور مولانا ابوالکلام[2] اس بارے میں بہتر مشورہ دے سکیں گے۔

مجموعہ شائع کرنے کی فکر میں ہوں۔ ان شاء اللہ ۲۴ء میں ضرور شائع ہو جائے گا۔ معلوم نہیں آپ کی سب باتوں کا جواب اس خط میں آیا ہے یا نہیں۔ میں نے آج تک اتنا طویل خط کسی کو نہیں لکھا اور نہ حقیقت میں ایسا کرنے کی فرصت ہے۔

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوگا۔ مخلص

محمد اقبال

---

[1] سید سلیمان ندوی کے تعارف کے لئے ملاحظہ ہو: حاشیہ ص: ۲۵۱

[2] ابوالکلام محی الدین احمد (۱۸۸۹ء - ۱۹۵۸ء) عالم دین، ادیب اور سیاست داں۔ الہلال، البلاغ اور وکیل کے ایڈیٹر رہے۔ کئی بار کانگریس کے صدر منتخب کیے گئے۔ تحریک آزادی کے سلسلے میں کئی برس جیل کاٹی۔ تقسیم کے بعد ہندوستان کے وزیر تعلیم مقرر ہوئے۔ تذکرہ، غبار خاطر اور قرآن پاک کی ناتمام تفسیر ان کی اہم تصانیف ہیں (ابوالکلام اور اقبال کے باہمی تعلقات کے سلسلے میں ملاحظہ ہو، قاضی افضل حق قریشی کا مضمون: مطبوعہ صحیفہ، یاد بار، اقبال نمبر ۱۹۷۳ء (ص ۱۴۶-۱۳۵)

(۱۹۲ ۔

۴۲

بنام ڈاکٹر سیّد یامین ہاشمی

سیّد یامین ہاشمی کی تعلیم علی گڑھ میں ہوئی۔ لندن سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ "اقبال کی پیش گوئیاں" (شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ لاہور، ۱۹۶۲ء) نامی کتاب کے مصنف ہیں۔ جس زمانے میں یہ کتاب شائع ہوئی، یامین ہاشمی صاحب سندھ مسلم کالج کراچی میں پروفیسر تھے۔ "انوارِ اقبال" (ص ۱۹۱-۱۹۴) میں بھی ان کے نام علامہ اقبال کے دو خطوط (مرقومہ ۹ مارچ و ۳۰ جولائی ۱۹۳۴ء) موجود ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مکتوب الیہ ملازمت کی تلاش میں تھے اور علامہ اقبال سے اعانت کے خواہاں تھے۔

۱۹۲۳ء میں انہوں نے علامہ کی خدمت میں مندرجہ ذیل قطعہ بغرضِ اصلاح روانہ کیا۔

ڈاکٹر اقبال تو ہے ملہمِ رازِ حیات
واقفِ اسرارِ ہستی، صاحبِ رازِ حیات

ہمت افزائے دلِ مسلم ہے تیری شاعری
پست ہمت بھی نظر آتے ہیں جانبازِ حیات

بادۂ عرفان جو ساقی نے پلائی ہے تجھے
ہاشمی کو بھی چکھا دے وہ مئے رازِ حیات

جواباً انہیں ذیل کا مکتوبِ اقبال موصول ہوا:

مخدومی ، السلام علیکم !

زبان کے اعتبار سے آپ کے اشعار میں کسی قسم کی اصلاح کی گنجائش نہیں۔ خیالات بھی اچھے ہیں۔ ہاں تخیل کی کمی ہے اور اس کمی کو لفظی اصلاح پورا نہیں کرسکتی۔ مجھے یقین ہے کہ آپ ترقی کریںگے۔ اس وقت عرب کے قدیم شعر کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ میری نسبت جس حُسنِ ظن کا اظہار آپ نے اپنے اشعار میں کیا۔ اس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

مخلص

محمد اقبال

لاہور

لہ ڈاکٹر یامین ہاشمی کے نام ۳۰ جولائی ۱۹۳۴ء کے مکتوب میں علامہ اقبال لکھتے ہیں :

"بحیثیت مجموعی آپ کے اشعار کا رنگ عجمیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ زمانۂ حال میں عجمیت سے اجتناب لازم ہے۔ اس وقت مسلمان کا فرض ہے کہ جو قوت خدا تعالیٰ نے اسے عطا کی ہے اسے اسلام کی خدمت اور اقوام و ملل اسلامیہ کے احیاء و بیداری میں صرف کرے میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔"

(انوارِ اقبال : ص ۱۹۲)

(۴۲)

بنام مدیر "نیرنگِ خیال"

اردو کا معروف ادبی پرچہ "نیرنگِ خیال" ۱۹۲۴ء میں جاری ہوا۔ جولائی میں اس کا پہلا شمارہ منظرِ عام پر آیا جس کا سرورق معروف مصور جناب عبدالرحمٰن چغتائی نے تیار کیا تھا۔ ادبی حلقوں نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ علامہ اقبال نے ذیل کے خط میں رسالے کے مندرجات کو سراہا۔ اس شمارے میں چغتائی کی متعدد تصاویر بھی شامل تھیں۔ علامہ کو ایک تصویر "لیلیٰ کا تحفہ" بہت پسند آئی۔ جس کا ذکر خط میں کیا ہے:

❖

رسالہ نیرنگِ خیال جو حال ہی میں لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ بہت ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مضامین میں پختگی اور متانت پائی جاتی ہے مجھے یقین ہے کہ یہ رسالہ پنجاب میں صحیح ادبی مذاق پیدا کرنے میں بہت مفید ثابت ہوگا۔ ایڈیٹر دونوں نوجوان ہیں[1] اور لٹریچر کی خدمت کا شوق رکھتے ہیں۔ جناب عبدالرحمٰن چغتائی کی تصویر "تحفۂ لیلیٰ"[2] بہت خوبصورت ہے۔ دیکھ کر مسرت ہوئی۔ دیکھئے اب تحفۂ قیس کب نکلتا ہے۔

محمد اقبال

لاہور۔ ۱۷ اگست ۱۹۲۴ء

---

[1] ایڈیٹر: حکیم محمد یوسف حسن اور جائنٹ ایڈیٹر: محمد دین تاثیر ایم اے

[2] اس تصویر کے بارے میں ایڈیٹر کی طرف سے یہ نوٹ درج کیا گیا تھا: "اس پرچہ میں ہم ہندوستان کے مایۂ ناز مصور عبدالرحمٰن چغتائی کی صنعتِ جمیلہ کا ایک نمونہ بہ عنوان "لیلیٰ کا تحفہ" پیش کرتے ہیں ـــ لیلیٰ استغراقِ شوق کے عالم میں دشتِ قیس میں نکلی ہے اور اس کے عنانِ آہوانِ صحرا ہیں، جنہیں وہ اپنی چشمِ کحیل کے اسیر مجنوں کے لیئے لاتی ہے۔ عالمِ نیاز میں اس صاحبِ نظر نے خدا جانے کس پیرایہ میں چشمِ آہو کی تحسین کی ہوگی کہ لیلیٰ یہ تحفہ لیئے جا رہی ہے۔ یہ وہ مقام ہے کہ جہاں حسن و عشق کا امتیاز محال ہو جاتا ہے اور مصور نے جس صناعی سے ان رموز کو رنگین جامہ پہنایا ہے۔ اس کی تعریف الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتی۔" (نیرنگِ خیال، شمارہ جولائی ۱۹۲۴ء)

۴۴

بنام شاد عظیم آبادی

خان بہادر علی محمد شاد عظیم آبادی اردو کے معروف شاعر ہیں۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ علمی تحقیق اور تصنیف و تالیف میں گذرا۔ ۳۵ کتابیں زندگی ہی میں چھپ گئی تھیں۔ جملہ اصناف سخن میں طبع آزمائی کی اور ایک لاکھ سے زائد اشعار کہے۔ مجموعہ ہائے کلام "نغمۂ الہام" اور "الہامات شاد" وفات کے بعد شائع ہوئے۔ جنوری ۱۹۲۷ء میں انتقال کیا۔

لاہور، ۲۵ اگست ۲۴ء

مخدومی تسلیم

آپ کا والانامہ مجھے ابھی ملا ہے۔ اس غائبانہ عقیدت کی وجہ سے جو آپ سے ہے، یہ معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ آپ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمہ وجوہ خیر و عافیت سے ہیں اور باوجود پیرانہ سالی کے آپ کی لٹریری مصروفیتیں کم نہیں ہوئیں۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کی تصانیف تمام ملک کے لئے مفید ہوں گی اور دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ان کی تکمیل کے لئے دیر تک سلامت رکھے جس تمدنی نظام نے آپ کو پیدا کیا وہ تو اب رخصت ہو رہا ہے بلکہ ہو چکا ہے لیکن آپ کی ہمہ گیر دماغی قابلیت اور اس کے گراں بہا نتائج اس ملک کو ہمیشہ یاد دلاتے رہیں گے کہ موجودہ نظامِ تمدن پرانے نظام کا نعم البدل نہیں ہے۔ کاش عظیم آباد قریب ہوتا اور مجھے آپ کی صحبت سے مستفیض ہونے کا موقع ملتا۔ شیخ عبدالقادر صاحب مع الخیر ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے (اِن کے بہت سے بال پک چکے ہیں۔ تھوڑے عرصے کے لئے ہائی کورٹ لاہور کے جج بھی ہو گئے تھے

مگر اب پھر پریکٹس کرتے ہیں۔ آج کل لاہور سے باہر ہیں[1]۔ انشاء اللہ جب ان سے ملاقات ہوگی آپ کا سلام ان تک پہنچا دوں گا۔ اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی خیریت سُن کر وہ بھی میری طرح بے انتہا مسرور ہوں گے۔ امید ہے کہ جناب کا مزاج اچھا ہوگا۔

مخلص

محمد اقبال، لاہور

---

[1] شیخ عبدالقادر ۱۳ رمئی ۱۹۲۱ء کو چار ہزار روپے مشاہرہ پر ہائی کورٹ کے قائم مقام جج مقرر ہوگئے اور ۱۴ راکتوبر ۱۹۲۲ء تک اس عہدے پر فائز رہے۔ اس کے بعد لاہور ہی میں وکالت کرتے رہے۔

(۴۵)

بنام مسٹر سمتھ

۱۹۲۴ء میں پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی اپنی "اردو کورس اوّل، دوم اور سوم کی نصابی کتابوں پر نظرِ ثانی کر رہی تھی۔ کمیٹی نے چاہا کہ نصاب میں علامہ اقبال کی بعض نظمیں شامل کر لی جائیں۔ کمیٹی کے سیکرٹری مسٹر سمتھ نے علامہ اقبال کے نام ایک خط (۱۸ اکتوبر ۱۹۲۴ء) میں درخواست کی کہ وہ اپنی چار نظموں (۱) ہمالہ (۲) پیامِ صبح (۳) جگنو (۴) شعاعِ آفتاب، کو نصاب میں شامل کرنے کی اجازت عطا کریں (مذکورہ خط کا عکس ملاحظہ ہو: روزگارِ فقیر، اوّل ص)"

حضرتِ علامہ نے جواباً ذیل کا مختصر خط مسٹر سمتھ کو روانہ کیا:

لاہور (انگریزی)

۱۹ اکتوبر ۱۹۲۴ء

مائی ڈیر سمتھ

جی ہاں آپ نے اپنے خط میں جن نظموں کا حوالہ دیا ہے، آپ انہیں ٹیکسٹ بک کے نصابوں میں شامل کر سکتے ہیں۔

آپ کا

محمد اقبال

بیرسٹر

My dear Mr. Smith,

Yes, you can include the poems mentioned in your letter in T.B. Courses.

Yours

MUHAMMAD IQBAL

Barrister

(۴۶)

بنام صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم

صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم اردو کے معروف شاعر اور ادیب ہیں۔ ۱۸۹۹ء میں امرتسر میں پیدا ہوئے۔ عمر کا بیشتر حصّہ لاہور میں گذارا۔ بی۔ ٹی کر کے گورنمنٹ سکول میں مدرس ہو گئے۔ پھر فارسی میں ایم اے کیا اور سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور میں السنۂ شرقیہ کے استاد مقرر ہوئے۔ کچھ عرصے کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں آ گئے۔ عرصۂ دراز تک یہاں فارسی اور اردو کے شعبوں کے صدر رہنے کے بعد یہیں سے ریٹائر ہوئے۔ صوفی تبسّم کو کافی عرصے تک علامہ اقبال کی خدمت میں حاضری اور ان کی صحبتوں سے مستفیض کا موقع ملا "اقبال نامہ" اوّل میں صوفی صاحب کے نام حضرتِ علامہ کا ایک خط (ص ۴۹-۵۱) شامل ہے۔

خواجہ احمدالدین مرحوم امرتسر کے ایک عالم دین تھے۔ ماہنامہ "بلاغ" امرتسر میں ان کے بعض مضامین دیکھ کر علامہ ان کے علم و فضل سے متاثر ہوئے۔ چاہتے تھے کہ ان سے ملاقات ہو۔ چنانچہ صوفی تبسّم کے نام ایک خط میں اس خواہش کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ "وہ اگر مجھ کو مستفیض کرنے کے ارادے سے امرتسر سے لاہور آنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو ان کی بہت مہربانی ہے" (اقبال نامہ اوّل ص ۴۹) جب انہیں لاہور پہنچنے میں تاخیر ہو گئی تو علامہ اقبال نے صوفی تبسّم صاحب کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔ خط کے متن میں تاریخِ تحریر درج نہیں مگر صوفی صاحب نے بتایا ہے کہ یہ خط ۶ر ستمبر ۱۹۲۵ء کا ہے:

جنابِ من، السلام علیکم

میں کل شام مولوی صاحب کا منتظر رہا لیکن چونکہ وہ تشریف نہ لائے اس واسطے مجھے اندیشہ ہے کہ میرے خط سے کوئی غلط فہمی نہ ہوئی ہو۔ میں نے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں وقت کی تعیین

اس واسطے نہ کی تھی کہ اس بارے میں مولوی صاحب موصوف کی آسائش کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ ان کی یہ عنایت کم نہیں کہ وہ محض میرے فائدے کے لئے لاہور تشریف لانے کی زحمت گوارا فرماتے ہیں۔ یہ بات قرینِ انصاف نہیں کہ ان حالات میں، میں اپنی سہولت اور اوقات ملحوظ رکھوں۔ مجھ کو یہ بات اس خط میں واضح کر دینی چاہیئے تھی کہ وہ جب چاہیں تشریف لائیں۔ مجھ کو صرف ایک روز پہلے مطلع کریں تاکہ میں ان کی تشریف آوری کے وقت مکان پر ہی رہوں کہیں ادھر اُدھر نہ چلا جاؤں۔

آپ کو گذشتہ خط لکھنے کے بعد میں نے چند باتیں نوٹ بھی کر رکھی تھیں جن پر میں مولوی صاحب کے خیالات سے اور اُن سے فائدہ اٹھانے کا آرزومند ہوں۔

مخلص

محمد اقبال

مولوی صاحب کی خدمت میں میری طرف سے سلام عرض کر دیجئے گا۔

بعد میں خواجہ صاحب مرحوم نے لاہور آکر حضرت علامہ سے ملاقات کی۔ اس موقع پر صوفی تبسم بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس ملاقات کے بارے میں ایک مختصر سی تحریر "راوی" میں شائع کی جو بعد میں "بلاغ" امرتسر کے شمارہ اگست ۱۹۳۸ء میں اور اب "اقبال ریویو" جولائی ۷۸ء ۱۹ میں نقل کی گئی ہے۔

(۸۷)

بنام شیخ عطا محمد

علامہ اقبال کے برادر اکبر، شیخ عطا محمد ۱۸۵۹ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ رڑکی کالج سے انجینئرنگ کا ڈپلوما حاصل کیا اور ملٹری ورکس سے وابستہ ہو گئے۔ ملازمت کے سلسلے میں کوئٹہ، ایبٹ آباد، کیمبلپور، پاڑا چنار اور پشاور میں تعینات رہے

بلوچستان میں ملازمت کے زمانے میں وہ ایک مقدمے میں ماخوذ ہوئے۔ علامہ کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی۔ چنانچہ اسی سلسلے میں آپ نے فورٹ سنڈیمن (بلوچستان) کا سفر اختیار کیا اور شیخ عطا محمد کو چھٹکارا نصیب ہوا۔ ایک روایت کے مطابق علامہ کی یورپ میں اعلیٰ تعلیم کے تمام اخراجات شیخ عطا محمد نے برداشت کئے۔ علامہ اپنے بڑے بھائی کا بے حد احترام کرتے تھے۔ "والدہ مرحومہ کی یاد میں" کے مندرجہ ذیل اشعار میں شیخ عطا محمد کی طرف اشارہ کیا ہے ؎

وہ جواں، قامت میں ہے جو صورتِ سروِ بلند
تیری خدمت سے ہوا جو مجھ سے بڑھ کر بہرہ مند
کاروبارِ زندگانی میں وہ ہم پہلو مرا
وہ محبت میں تری تصویر، وہ بازو مرا
تجھ کو مثلِ طفلکِ بیدست و پا روتا ہے وہ
صبر سے ناآشنا صبح و مسا روتا ہے وہ

(بانگِ درا۔ ص ۲۲۹)

شیخ عطا محمد عقیدے کے اعتبار سے قادیانی تھے (علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی: ص ۴۱)، قادیانیوں کا بھی یہی دعویٰ ہے (احمدیت علامہ اقبال کی نظر میں: ص ۳) مگر خالد نظیر صوفی نے شدومد سے اس کی تردید کی ہے (اقبال درونِ خانہ: ص ۱۷)

لاہور، ۵ اکتوبر ۲۵ء

برادرِ مکرم، السلام علیکم

آپ کا کارڈ مل گیا ہے۔ جس سے بہت اطمینان ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ جاوید اب بالکل تندرست ہے۔ آج پورے ایک سال کا ہو گیا ہے۔ اس کی والدہ آج قربانی دینے میں مصروف ہے۔ آپ اور والدِ مکرم یہ سُن کر خوش ہوں گے کہ مدت کی جستجو کے بعد آج اپنے بزرگوں کا سُراغ

مل گیا ہے۔ حضرت بابا لول حج[1] کشمیر کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ انکا ذکر خواجہ اعظم کی تاریخ کشمیر[2] میں اتفاقاً مل گیا ہے۔ والدِ مکرم نے جو کچھ اپنے بزرگوں سے سُنا تھا، وہ بحیثیت مجموعی درست ہے۔ انکا اصلی گاؤں نوچر نہ تھا بلکہ موضع جکو پرگنہ آدون تھا۔ بارہ سال کشمیر سے باہر رہے اور ممالک کی سیر میں مصروف رہے۔ بیوی کے ساتھ ان کے تعلقات اچھے نہ تھے اس واسطے ترک دنیا کرکے کشمیر سے نکل گئے۔

واپس آنے پر اشارۂ غیبی پاکر حضرت بابا نصیر الدین کے مرید ہوئے جو حضرت نور الدین ولی کے مرید تھے۔ بقیہ عمر انہوں نے بابا نصر الدینؒ کی صحبت میں گذاری اور اپنے مرشد کے جوار میں مدفون ہیں[3]۔ اب امید ہے کہ مزید حالات معلوم ہو جائینگے۔ خواجہ اعظم کا تذکرہ مختصر ہے مگر یہ مختصر نشان غالباً مزید انکشافات کا باعث ہوگا۔ ان حالات کے معلوم ہونے کا سبب بھی عجیب و غریب ہے۔ دہلی یونیورسٹی کے رجسٹرار الہ آباد یونیورسٹی سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کرنے کے لئے ایک کتاب کشمیری تہذیب و تمدن پر لکھ رہے ہیں۔ میں ان کے ممتحنین میں سے ہوں۔ باقی دو ممتحن انگلستان اور آئر لینڈ کے پروفیسر ہیں۔ اتفاق سے رجسٹرار صاحب کل آئے ہوئے تھے انہوں نے کسی اپنے دوست کو ہدایت کی تھی کہ خواجہ اعظم کی تاریخ کشمیر کا قلمی نسخہ میرے مکان پر پہنچا دے۔ وہ شخص قلمی نسخہ تاریخ مذکور کا لایا۔ میں اس وقت فارغ بیٹھا تھا، یہی کتاب دیکھنی شروع کردی۔ دو چار ورق ہی اُلٹے تھے کہ بابا صاحب کا تذکرہ مل گیا جس سے جکو[4] کی

---

[1] "لول حج" یعنی عاشق حج۔ آپ نے متعدد مرتبہ پیدل حج کیا۔

[2] تاریخ کشمیر اعظمی، خواجہ محمد اعظم شاہ دیدہ مری

[3] بابا نصیر الدین اور ان کے مرشد حضرت نور الدین کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو: "اقبال کے اجداد کا سلسلۂ عالیہ" - "صحیفہ" اقبال نمبر، جلد اوّل ص ۱ - ۱۲

[4] موضع چرار شریف، جو سری نگر کے جنوب مغرب میں بیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

خوشی ہوئی۔ غالباً بابا نصر الدین کی اولاد کشمیر میں ہوگی۔ اُن سے مزید حالات معلوم ہونے کی توقع ہے اور کیا عجب کہ ان کے پاس اپنے مریدوں کا سارا سلسلہ موجود ہو۔ والسلام

باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

والدِ مکرم کی خدمت میں آداب عرض کریں۔

محمد اقبال

(۴۸)

بنام شیخ اکرام الحق سلیم

شیخ اکرام الحق سلیم، ملتان کے رہنے والے تھے، عرصۂ دراز تک سول سروس میں رہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کے ایک انگریزی مضمون Self in the Light of Relativity (مطبوعہ کریسنٹ، اسلامیہ کالج لاہور، ۱۹۲۵ء) کا اردو ترجمہ کیا اور "معارف" کو اشاعت کے لئے ارسال کیا۔ مولانا سید سلیمان ندوی نے مضمون اقبال کو بھیج دیا تاکہ وہ اسے ایک نظر دیکھ لیں۔ خاصہ عرصہ گذر گیا مضمون شائع نہ ہوا اور مترجم کو معلوم ہوا کہ مضمون، ملاحظہ کے لئے علامہ اقبال کو بھیجا گیا ہے تو انہوں نے علامہ سے استفسار کیا۔ جواباً علامہ نے ذیل کا مکتوب روانہ کیا:

جناب من!

جہاں تک مجھے یاد ہے، میں نے آپ کا مسودہ علامہ موصوف کی خدمت میں واپس بھیج دیا تھا، مگر ممکن ہے میرا حافظہ غلطی کرتا ہو۔ تلاش کرونگا اگر مل گیا تو بھیج دیا جائے گا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۱ مئی ۲۶ء

جناب من - جہاں تک مجھ کو یاد ہے میں نے منشی صاحب مرحوم

علاوہ ازیں دو خط کے میں نے کچھ نہیں بھیجا تھا - مگر

ممکن ہے میرا حافظہ غلطی کرتا ہو - تلاش کروں گا اگر

مل گیا تو بھیجا جائے گا - والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

۱۱ مارچ ۲۶ء

(۷۹)

بنام منشی رام پرشاد

منشی رام پرشاد بی اے، گورنمنٹ ہائی سکول گونڈہ کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ انہوں نے "ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت" کے نام سے ایک کتاب لکھی اور علامہ اقبال کی خدمت میں بھیج کر اس پر رائے طلب کی۔ جواباً علامہ نے درج ذیل مکتوب ارسال فرمایا۔

جناب من، تسلیم

آپ کی کتاب دلچسپ ہے اور بہت لوگوں کی معلومات میں اضافہ کرے گی۔

محمد اقبال، لاہور

۲۸ر جون ۱۹۲۶ء

(۵۰)

بنام سراج نظامی

سراج نظامی لاہور کے باشندے تھے۔ تعلیم بی اے تک تھی۔ طویل عرصے تک الیکشن کمشنر کے دفتر میں ملازم رہے۔ بہت اچھا گلہ پایا تھا۔ ریڈیو سے کلام اقبال نشر کیا کرتے تھے۔ یہ پروگرام بہت مقبول تھا۔ ایک بار انہوں نے حضرتِ علامہ کے سامنے ان کی اردو اور فارسی غزلیں ترنم سے پڑھ کر سنائیں جسے آپ نے بے حد پسند کیا۔ انہوں نے ریڈیو ڈراموں میں بطور مصنف بھی حصہ لیا اور بطور صدا کار بھی۔ سراج نظامی نے علامہ اقبال سے اپنے تعلقات اور ملاقاتوں کی یادداشتوں پر مشتمل ایک مضمون "سیارہ ڈائجسٹ" اپریل ۱۹۵۹ء میں لکھا تھا۔ وہ آخری برسوں میں "سیارہ ڈائجسٹ" کے نائب مدیر بھی رہے۔

گوئٹے کے معروف شاہکار فاؤسٹ کے بارے میں سراج نظامی نے حضرت علامہ سے ایک بار استفسار کیا، جواباً علامہ نے انہیں مندرجہ ذیل خط لکھا:

جناب من، السلام علیکم

فوسٹ کا اردو ترجمہ جہاں تک مجھے معلوم ہے، نہیں ہوا۔ البتہ ایک اور ڈراما "شیطان کا غلام" کے نام سے مشہور ہے جو اسی روایت پر غالباً مبنی ہے۔

میرا ارادہ اس کے ترجمے کا نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فوسٹ کا اُردو ترجمہ آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بہت سی فرصت کی ضرورت ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ فوسٹ کے اردو ترجمے سے عام پبلک کچھ حظ نہ اٹھا سکے گی۔[۱] والسلام

محمد اقبال لاہور

۱۵ جون ۲۷ء

---

[۱] حضرت علامہ کو فاؤسٹ کے ترجمے سے، اس وقت نہ سہی بعد میں ضرور دلچسپی پیدا ہو گئی تھی تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: مکتوباتِ اقبال بنام نذیر نیازی ص ۱۴۲

۵۱

بنام مرزا محمد سعید

زیرِ نظر مکتوب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے پروفیسر حمید احمد خان لکھتے ہیں :

• میں پہلی مرتبہ بطورِ خاص علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس حاضری کی تحریک ایک ذاتی ضرورت سے ہوئی۔ میں نے بی اے کی سند حیدر آباد دکن کی جامعۂ عثمانیہ سے لی تھی۔ اور اس کے بعد ایم اے کے لئے لاہور کے گورنمنٹ کالج میں داخل ہونا چاہتا تھا لیکن دِقّت یہ تھی کہ پنجاب یونیورسٹی اس وقت عثمانیہ یونیورسٹی کی ڈگریوں کو تسلیم نہیں کرتی تھی۔ تاہم میں مایوس نہیں تھا .... میں نے سر اکبر حیدری سے سفارش کے دو خط لیے ایک سر محمد شفیع مرحوم کے نام اور دوسرا مسٹر عبداللہ یوسف علی پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کے نام اور .... لاہور آ پہنچا۔

• اب میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ خیال میرے دل میں کیوں آیا .... کہ اس سلسلے میں علامہ اقبال کی مدد حاصل کروں۔ بہرحال اتنا بخوبی یاد ہے کہ .... علامہ مرحوم کی خدمت میں جا پہنچا۔

تھوڑی دیر کی گفتگو کے بعد خود ہی اپنا تعارف کرایا اور اپنا مطلب گوش گذار کیا۔۔ انہوں نے مجھے سمجھایا کہ جو طریق کار تم نے اختیار کیا ہے، وہ غلط ہے۔۔۔۔ میں نے اپنے حق میں بہت سی تاویلیں پیش کیں۔۔۔۔ اور اصرار کیا کہ گورنمنٹ کالج کے کسی پروفیسر کے نام مجھے تعارف کا ایک خط دے دیجئے۔۔۔۔ یہ درخواست انہوں نے فوراً منظور فرمالی اور میرے رخصت ہونے سے پہلے اپنے ہاتھ سے ایک مختصر سی چٹھی پروفیسر مرزا محمد سعید کے نام مجھے لکھ دی:[1]

پروفیسر مرزا محمد سعید دلّی کے ایک متموّل خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ علامہ اقبالؔ کے شاگردوں میں سے تھے۔ انگریزی میں ایم اے کرنے کے بعد ۱۹۰۶-۰۷ء میں ایک دو برس علی گڑھ میں پڑھایا۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں استاد ہوگئے پطرسؔ اور امتیاز علی تاجؔ اُن کے شاگرد تھے۔ قیام پاکستان کے بعد سیاست میں حصّہ لیا۔ مسلم لیگ کونسل کے ممبر اور صوبائی لیگ کے صدر رہے۔ کراچی یونیورسٹی قائم ہوئی تو اس کے مشیر مقرر ہوئے پاکستان رائٹرز گلڈ کے تاسیسی اجلاس کی صدارت مرزا صاحب نے کی۔ مطالعے کے بے حد رسیا تھے۔ "یاسمین" اور "خوابِ ہستی" اُن کے معروف ناول ہیں۔

اس خط میں پروفیسر حمید احمد خاں (۱۹۰۳ء - ۱۹۷۴ء) کی سفارش کی گئی ہے۔ خاں صاحب نے ۱۹۲۶ء میں جامعہ عثمانیہ سے بی اے، ۱۹۲۹ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے انگریزی اور ۱۹۳۴ء میں کیمبرج سے ایم۔ لٹ کیا۔ ۱۹۳۴ء میں اسلامیہ کالج میں لیکچرر مقرر ہوئے ۱۹۵۸ء میں اسی کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ ۱۹۶۳ء سے ۱۹۶۹ء تک پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے۔ ۱۹۷۰ء سے وفات تک مجلس ترقیٔ ادب لاہور کے ناظم رہے۔

اس خط میں تاریخ درج نہیں ہے مگر حمید احمد خاں صاحب نے وضاحت کی ہے کہ اکتوبر ۱۹۲۶ء میں لکھا گیا۔

---

[1] اقبال کی شخصیت اور شاعری، ص ۲۸ - ۳۱

(انگریزی)

مائی ڈیر سعید،

یہ ایم حمید احمد خان کی معرّفی[1] کے لئے لکھ رہا ہوں جو جامعۂ عثمانیہ سے بی اے پاس کر چکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اُن کے لئے جو کچھ بھی ممکن ہو، کریں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

My dear Said,

This is to introduce M. Hamid Ahmad Khan, B.A. of the Osmania University. I hope you will do all that you can for him.

Yours sincerely,

Mohammad Iqbal

---

[1] میں نے to introduce کا ترجمہ "معرّفی" کیا ہے کیونکہ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے "معرّفی" کا لفظ خود حضرت علامہ نے کئی جگہ استعمال کیا ہے مثلاً:

"یہ خط شبیر حسن صاحب جوش ملیح آبادی لکھنوی کی معرّفی کے لئے لکھتا ہوں۔" (شاد اقبال: ۱۵۹)

"مجھے معلوم ہے کہ مہاراجہ پٹیالہ آنے والے ہیں۔ میری معرّفی کرا دیجئے۔" (شاد اقبال، ص۳۰)

"مجھ سے درخواست کرتے ہیں کہ سرکار کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے ان کو ایک معرّفی نامہ دوں" (شاد اقبال: ۶۹)

(۵۲)

بنام ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین

ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے بعد انگلستان سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور لاہور میں وکالت کرنے لگے۔ خلیفہ صاحب کافی عرصے تک پنجاب یونیورسٹی سنڈیکیٹ کے ممبر رہے۔ کئی سال تک، پنجاب اسمبلی کے ممبر اور کچھ عرصے کے لئے سپیکر بھی رہے۔ ۱۹۳۶ء میں جب پنجاب مسلم لیگ کی تنظیم نو کی گئی تو علامہ اقبال صوبائی لیگ کے صدر اور خلیفہ صاحب نائب صدر منتخب ہوئے۔ خلیفہ صاحب کو مسلمانوں کے تعلیمی معاملات سے بے حد دلچسپی تھی اس ضمن میں وہ مسلم ایجوکیشن کانفرنس اور انجمن حمایت اسلام لاہور سے متعلق رہے۔ جس زمانے میں وہ اسلامیہ کالج کمیٹی کے آنریری جنرل سیکرٹری تھے علامہ اقبال نے اُن کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا جس میں پروفیسر حمید احمد خاں کو کالج کی ملازمت میں لے لینے کی سفارش کی گئی ہے۔

اس خط کے بارے میں پروفیسر حمید احمد خاں لکھتے ہیں: "یہ خط ربع صدی سے ایک خفیہ خزانے کی حیثیت سے میرے پاس موجود تھا۔ کبھی اس کی اشاعت کا خیال ہی پیدا نہ ہوا کیوں کہ (خط کا) موضوع کچھ زیادہ ہی ذاتی نوعیت کا تھا۔ مگر کئی سال بعد، اب اس کا پس منظر تبدیل ہوگیا ہے اور اب بوجوہ، میرا یہ احساس ہے کہ کم از کم میرے اپنے کالج کے ساتھی تو اس پوشیدہ خزانے میں حصہ دار بننے کے مستحق ہیں۔" (فاران، جون ۱۹۶۲ء)

اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر قیاس ہے کہ ۱۹۳۳ء کے آخری دنوں میں لکھا گیا ہوگا۔ غالباً یہ سفارشی مکتوب کارگر ثابت ہوا کیونکہ جنوری ۱۹۳۴ء میں پروفیسر حمید احمد خان اسلامیہ کالج میں لیکچرر مقرر ہوگئے۔

مائی ڈیر شجاع الدین،

یہ خط ایم حمید احمد خان کی خاطر لکھ رہا ہوں جو اسلامیہ کالج میں (لکچرر کی) ایک اسامی کے لئے درخواست دے رہے ہیں۔ اُن سے کئی بار ملاقات ہوئی اور مجھے ان کی علمی کارگذاریاں جانچنے کا موقع ملا۔ میں کالج کمیٹی کو ان کے تقرر کا مشورہ دوں گا۔ اس وقت وہ (حکومت کے) شعبۂ حسابات میں ملازم ہیں جہاں تک میں نے دیکھا، انہیں ادب اور فلسفے سے بہت شغف ہے۔ بلاشبہ وہ انگریزی ادب اور فلسفہ کے بہت اچھے اور کامیاب لیکچرر ثابت ہوں گے۔ علاوہ ازیں آج کل کے اکثر مسلم نوجوانوں کے برعکس وہ اسلام کی ثقافتی (کلچرل) تاریخ کے بارے میں بہت پُرجوش ہیں مجھے یقین ہے کہ مسلم نوجوانوں کے ساتھ ان کا رابطہ، ان نوجوانوں کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔

میں زیادہ سے زیادہ مسلم اساتذہ کو ان جیسا دیکھنا چاہتا ہوں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

Dr. Sir Mohd. Iqbal, Kt. M.A.. PH.D.
Barrister-at-Law,
Lahore.

My dear Shuja-ud-Din,

I write this on behalf of M. Hamid Ahmed Khan who, I understand, is applying for a post in the Islamia College. I have met him several times and have had opportunities of judging his scholarly attainments. I would advise the College Committee to appoint him. He is occupying at present in the Accounts Department. I have found him keenly interested in literature and philosophy and I have no doubt he will be quite a successful lecturer on English leterature and Philosophy. Besides, unlike many Muslim youngmen of our day he is very enthusiastic about the cultural history of Islam. I am sure his contact with Muslim youngmen will do them a lot (of) good.

I would like to see more Muslim teachers like him.

Yours sincerely
Mohammad Iqbal.

(۵۳)

بنام مہتمم رسالہ نور جہاں

رسالہ "نور جہاں" امرتسر کے مہتمم نے اپنا رسالہ حضرت علامہ کی خدمت میں بھیج کر رائے طلب کی۔ جواباً علامہ نے ذیل کا مکتوب روانہ کیا:

جنابِ مکرّم، السلام علیکم

میں نے رسالہ "نور جہاں" کا نمبر جو آپ نے ارسال کیا ہے ابھی دیکھا ہے۔ آپ کی ایڈیٹر صاحبہ[1] کی نظمیں میں نے دیکھی ہیں، بہت خوب ہیں۔ شعر وسخن کا ملکہ خداداد ہے۔

مخلص

محمد اقبال

۲۸/۱/۲۶ء

---

[1] بیگم عنایت اللہ خاں، رسالے کی ایڈیٹر تھیں

بنام ایڈیٹر انقلاب

۱۹۲۰ء اور ۱۹۳۰ء کے درمیانی عرصے میں ہندوستان کے مختلف علاقوں میں فرقہ وارانہ کشیدگی میں اضافہ ہوگیا اور جگہ جگہ ہندو مسلم فسادات ہونے لگے۔ ۳ مئی ۱۹۲۷ء کو لاہور کے ڈبّی بازار میں سکھوں اور ہندوؤں کے ایک اجتماع میں مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کی گئیں جس کے نتیجے میں مشتعل سکھوں اور ہندوؤں نے مسلمانوں کے گھروں پر حملہ کر دیا۔ پھر فسادات نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور معمولاتِ زندگی معطل ہو گئے۔ علامہ اقبال اور دیگر مسلم اکابر نے فسادات کو روکنے کی کوشش کی جس کے نتیجے میں فسادات کی آگ آہستہ آہستہ سرد ہوتی گئی۔ ان فسادات میں مسلمانوں کو خاصا نقصان اٹھانا پڑا۔ مسلمان متاثرین و مظلومین کی امداد کے لئے مسلم لیگ نے علامہ اقبال کی سربراہی میں ایک ریلیف کمیٹی قائم کی۔ اقبال کی اپیل کے جواب میں مختلف علاقوں سے مسلمانوں نے اعانتِ مظلومین کے لئے رقوم روانہ کیں۔ ذیل کے دونوں خطوط اسی ضمن میں موصول ہونے والی رقوم کے بعد بطور اظہارِ تشکر کے لکھے گئے۔ دوسرا خط علامہ اقبال اور کمیٹی کے خازن شیخ عظیم اللہ کے مشترکہ دستخطوں سے روانہ کیا گیا۔ "انقلاب" میں ان خطوط کی اشاعت سے مقصود یہ تھا کہ عام مسلمان بھی اس کارِ خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں:

۵۴ —— (۱)

• "انقلاب" ۱۵ مئی ۱۹۲۷ء میں چھپنے والے اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر اندازہ ہے کہ ۱۳، ۱۴ مئی کو لکھا گیا ہوگا:

جنابِ من، السلام علیکم

یہ چند سطور اپنے قیمتی اخبار کے کسی گوشے میں شائع کر کے ممنون فرمائیں۔

"مسلمانانِ مزنگ نے مسلم ریلیف کمیٹی کو اس سے پہلے پانچ سو روپیہ بھیجا ہے۔ آج دوسری قسط سات سو روپے کی ان کی طرف سے موصول ہوئی ہے (بذریعہ چیک) یہ ... روپیہ کی رقم خان بہادر میاں چراغ دین صاحب اور ان کے احباب کی مساعی کا نتیجہ ہے۔ میں تمام مسلمانانِ شہر لاہور کی طرف سے میاں صاحب اور ان کے احباب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔"

محمد اقبال

(۵۵) ——— (۲)

"انقلاب" ۳۱ مئی ۱۹۲۷ء میں شائع ہونے والے مندرجہ ذیل خط کے بارے میں قیاس ہے کہ ۲۹ یا ۳۰ مئی ۱۹۲۷ء کو لکھا گیا ہوگا۔

بخدمت جناب ایڈیٹر صاحب "انقلاب"، السلام علیکم

مسلمانانِ لاہور کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ آج ککے زئی برادری کی طرف سے مبلغ ایک ہزار روپیہ مسلم ریلیف فنڈ کمیٹی کو عطا کیا گیا ہے۔ یہ روپیہ برادری مذکور نے خان بہادر ملک محمد حسین صاحب پریزیڈنٹ میونسپل کمیٹی لاہور کو سرکار کی طرف سے خطاب ملنے کے موقع پر اُن کی دعوت کے لیے جمع کیا تھا۔ میں اہلِ لاہور کی طرف سے ملک صاحب موصوف اور ان کے برادری کو اس بلند ہمتی پر مبارک باد دیتا ہوں اور ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مسلمانانِ شہر کی فوری ضروریات کو مقدم سمجھا اور سب نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ یہ رقم خطیر اعانت مجروحین و مظلومین کے لیے دے دی جائے۔ اس روپیہ کو پہلی قسط تصور کرنا چاہیئے۔ ملک صاحب کے

وارڈ میں الگ چندہ ہو رہا ہے جو عنقریب وصول ہو گا۔ جزاہم اللہ احسن الجزا۔

شیخ عظیم اللہ (خازن)

محمد اقبال

(۵۶) ——— (۲)

۸ر نومبر ۱۹۲۷ء کو حکومتِ ہند نے سر جان سائمن کی قیادت میں ایک کمیشن مقرر کیا تاکہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ ۱۹۱۹ء کی اصلاحات کس حد تک کامیاب رہی ہیں اور ہندوستان کے آئینی مسائل اور نئی اصلاحات کے بارے میں، حالات کا جائزہ لینے کے بعد مفصل رپورٹ پیش کرے۔

مسلم لیگ نے مخلوط انتخاب کو قبول کیا تو پارٹی دو دھڑوں میں بٹ گئی۔ جناح مسلم لیگ کے مقابلے میں سر شفیع لیگ نے مخلوط انتخاب کو ماننے سے انکار کر دیا۔ سائمن کمیشن سے تعاون کے مسئلے پر بھی دونوں لیگوں میں اختلاف تھا۔ جناح لیگ نے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا مگر شفیع لیگ نے تعاون کی حمایت کی۔ علامہ اقبال شفیع لیگ کا ساتھ دے رہے تھے۔ اس لئے انہوں نے بائیکاٹ کے خلاف اور تعاون کی حمایت میں متعدد بیانات جاری کئے (ملاحظہ ہو: "انقلاب" ۱۸ر نومبر ۱۹۲۷ء و ۸ر دسمبر ۱۹۲۷ء) مدیرِ "سیاست" کو شک گذرا کہ شاید علامہ اقبال اپنے مؤقف سے منحرف ہو گئے ہیں۔ درج ذیل خط اس ضمن میں اپنی پوزیشن واضح کرنے کے لئے لکھا ہے:

لاہور، ۸ر جولائی[1]

جناب ایڈیٹر صاحب "انقلاب"،

السلام علیکم۔ نواب احمد یار خان صاحب[2] نے ۲۶ر جون کے اخبار "سیاست" کی ایک کٹنگ

---

[1] سنہ ۱۹۲۸ء

[2] مسلم لیگ کے معروف لیڈر اور سابق وزیرِ اعلیٰ پنجاب میاں ممتاز دولتانہ کے والد۔ سر سکندر حیات کی وزارت میں چیف پارلیمنٹری سیکرٹری رہے۔ نواب صاحب کو شعر گوئی سے بھی شغف تھا۔

پرسوں کی ڈاک میں مجھے ارسال فرمائی ہے۔ صاحب مدیر" سیاست" تعریضاً یہ لکھتے ہیں کہ میں سائمن کمیٹی کے انتخاب کے روز کونسل کے اجلاس سے غیر حاضر تھا۔ افسوس ہے کہ سیّد صاحب کو واقعات کی اطلاع غلط ملی یا ان کو غلط اطلاع عمداً دی گئی۔ بہرحال میں اس روز کونسل میں موجود تھا۔ طویل علالت کی وجہ سے میں اس سے پہلے اس امر کی تردید نہیں کر سکا۔ اس کے علاوہ نواب احمد یار خان صاحب نے مجھے بذریعہ تار اطلاع دی کہ انہوں نے تردید کر دی ہے۔ چونکہ اخبار" سیاست" میں تردید میری نظر سے نہیں گذری اور نیز اس خیال سے کہ شاید سیّد صاحب اپنے اخبار میں میری تردید شائع کرنا مناسب نہ تصور کریں، آپ سے التماس ہے کہ یہ چند سطور اپنے اخبار میں درج فرما کر مجھے ممنون فرمائیں"

مخلص محمد اقبال بیرسٹر، لاہور

(۵۷) ——— (۴)

دسمبر ۱۹۲۸ء میں علامہ اقبال نے مدراس کا سفر اختیار کیا۔ ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی اور چودھری محمد حسین آپ کے ہمراہ تھے۔ مدراس میں آپ نے انجمن خواتین اسلام کے استقبالیے (منعقدہ ۷ جنوری ۱۹۲۹ء بمقام ٹاکرس گارڈن) میں شرکت کی۔ انجمن خواتین نے علامہ موصوف کی خدمت میں ایک سپاس نامہ پیش کیا (متن کے لیے ملاحظہ ہو: "انوارِ اقبال" ص ۲۳۲-۲۳۶) جواباً علامہ اقبال نے اسلام میں عورتوں کی حیثیت کے موضوع پر ایک تقریر کی (متن کے لیے ملاحظہ ہو: "انوارِ اقبال" ص ۴۵-۴۸) "انقلاب" میں اس کی رپورٹ شائع ہوئی جو نادرست اور نامکمل تھی۔ ذیل کا وضاحتی خط اسی ضمن میں ایڈیٹر "انقلاب" کو لکھا گیا۔

خط پر کوئی تاریخ درج نہیں لیکن اندازہ ہے کہ ۱۸، ۱۹ فروری کو لکھا گیا۔

جناب ایڈیٹر صاحب "انقلاب"، السلام علیکم

خواتین مدراس کے سپاس نامے کے جواب میں جو تقریر میں نے کی تھی، وہ آج آپ کے اخبار میں میری نظر سے گذری ہے۔ افسوس ہے کہ جن صاحب نے تقریر مذکور کے نوٹ لیے

ان سے بعض ضروری باتیں چھوٹ گئیں۔ خیر اس وقت ان باتوں کا ذکر مطلوب نہیں۔ ایک دو اغلاط کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ فقہ اسلامی میں بیوی بچوں کو دودھ پلانے کی اُجرت طلب کر سکتی ہے، نہ کہ بچہ جننے کی، جیسا کہ رپورٹ لکھنے والے صاحب نے لکھا ہے۔ میں نے تقریر میں اسی کا ذکر کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ان کے حافظہ سے اُتر گئی۔ علیٰ ہٰذا القیاس لالہ لاجپت[1] رائے آنجہانی کی کتاب میں جس سرکلر[2] کا حوالہ ہے وہ ترکوں کا نہیں بلکہ غالباً انگلستان کا ہے مہربانی کر کے ان چند سطور کو شائع فرما دیجئے کہ غلط فہمی (بالخصوص امراؤں کے متعلق) پیدا نہ ہو۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

(۵۸) ——— (۵)

علامہ اقبال تیسری گول میز کانفرنس (۱۹۳۲ء) میں شرکت کے بعد پیرس سے ہوتے ہوئے ہسپانیہ پہنچے اور تقریباً تین ہفتے وہاں گذارے۔ ہسپانیہ کے اس سفر میں حضرت علامہ مسجد قرطبہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ انہوں نے مسجد میں نوافل بھی ادا کیے۔ علامہ کے بقول، "مسجد کی زیارت نے مجھے جذبات کی ایسی رفعت تک پہنچا دیا جو مجھے پہلے کبھی نصیب نہ ہوئی تھی" ایسے ہی جذبات کے تحت انہوں نے ایڈیٹر انقلاب کو مندرجہ ذیل خط کے ذریعے قرطبہ دیکھنے کی تاکید کی۔

یہ خط صرف ایک مختصر سے جملے پر مشتمل ہے اور بغیر کسی لقب و آداب کے ہے۔ آخر

---

[1] لالہ لاجپت رائے، معروف ہندو لیڈر۔ جگراؤں ضلع لدھیانہ میں ۱۸۶۵ء میں پیدا ہوئے۔ بعض ہندوؤں دیانند سرسوتی، سیواجی اور سری کرشن کی سوانح عمریاں لکھیں۔ لاہور سے اخبار "بندے ماترم" نکالتے رہے۔ سیاست میں بھی حصہ لیا اور جیل بھی کاٹی۔

[2] "گفتارِ اقبال" کے متن میں لفظ "سرکار" غلط ہے۔

ہیں علامہ نے اپنا نام بھی نہیں لکھا۔ اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں، تاہم قیاس ہے کہ جنوری ۱۹۲۳ء میں لکھا گیا ہوگا۔

"مرنے سے پہلے قرطبہ ضرور دیکھو"

(۵۹)

بنام پروفیسر محمد عبدالغنی

پروفیسر محمد عبدالغنی موریس کالج ناگپور میں استاد تھے۔ انہوں نے بعض تاریخی شخصیات واکابر پر مختصر کتابیں لکھیں اور ان کا ایک ایک نسخہ حضرتِ علامہ کی خدمت میں روانہ کیا جواباً علامہ نے انہیں مندرجہ ذیل خط لکھا۔

لاہور

۱۵ مارچ ۱۹۳۰ء (انگریزی)

مائی ڈیر مسٹر غنی،

از حد ممنون ہوں کہ آپ نے ازراہِ عنایت ہمایوں اور بابر کے بارے میں اپنی تصانیف کے نسخے ارسال کیے۔ مطالعے کے لیے یہ کتابیں بہت دلچسپ ہیں اور آپ نے جس سلسلہ (کتب) کو لکھنے کا آغاز کیا ہے، بلاشبہ اس سے ایک بہت بڑی ضرورت پوری ہوگی۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ ہندوستان کے نوجوان عالم تندہی کے ساتھ تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں۔

محمد اقبال

LAHROE

15th March, 1930

My dear Mr. Ghani,

Thank you so much for your kindly sending me your volume on Humayun as well as that on Babur. I find them intersting reading and I have no doubt that the series you have undertaken to write will supply a long-felt want. It is a great pleasure to me to see young scholars of India active in research work.

Mohammad Iqbal

بنام بیگم صاحبہ ـــــ ؟

مندرجہ ذیل خط کی عکسی نقل روزنامہ "انجام" کراچی میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ "علامہ اقبال کا ایک غیر مطبوعہ خط" کے سوا اور کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ اس لئے اس خط کی مکتوب الیہا کا نام اور خط کا پس منظر وغیرہ کچھ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔

اس عکسی نقل میں تحریر بہت باریک ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصل خط کو مختصر کرکے یہ عکسی نقل بنائی گئی۔ پھر اس کے کناروں پر کچھ ایسے نشانات ہیں جن سے بعض الفاظ مٹ گئے ہیں۔ اندازہ ہے کہ اصل خط پر پانی کے چھینٹے پڑ گئے۔ جس کے سبب بعض الفاظ کچھ یوں خراب ہو گئے کہ صاف نہیں پڑھے جا سکتے۔ ایسے الفاظ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہے۔

لاہور، ۱۸ جولائی ۳۰ء

محترمہ جناب بیگم صاحبہ السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے جس کے لیے شکریہ قبول کیجیے۔ آپ کی سکیم عمدہ ہے مگر اس کا

تعلق زیادہ تر معاشرتی اصلاح سے ہے جو میرے نزدیک بہت ضروری ہے۔ پنجاب کے حالات مختلف ہیں اور میری توجہ زیادہ تر اس طرف ہے۔ مفصل اس خط میں عرض نہیں کر سکتا جو سکیم آپ نے پیش کی ہے، میرے خیال میں اس کو بروئے کار لانا جمعیت العلماء کا کام ہے۔ ایک آدمی کام نہیں کر سکتا اور نہ ایک جماعت ہی ہر کام کے اہل ہو سکتی ہے۔ پنجاب میں اس وقت زیادہ توجہ کے مستحق پولیٹیکل امور ہیں اور ایک مدت تک غالباً یہی امور جاذب توجہ رہینگے۔ سوشل اصلاح صوبہ وار ہو تو بہتر ہے کیونکہ صوبوں کے حالات ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ اگر ملک کے ایک حصے میں ایک اسلامی اسٹیٹ قائم ہو جائے تو معاشرتی زندگی بہت جلد سنور سکتی ہے۔

زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔

مخلص محمدؐ اقبال

آپ کی مرتبہ سکیم اس خط میں ملفوف ہے۔ اس میں بعض عمدہ باتیں مگر کئی امور فی الحال ناممکن العمل ہیں۔ والسلام۔

محمدؐ اقبال

(۶۱)

بنام سردار محمد رب نواز خاں

سردار محمد رب نواز خان وہوا، ضلع ڈیرہ غازی خان میں ۸ رفروری ۱۸۹۲ء کو پیدا ہوئے تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ درزانی پٹھانوں کے کھتران قبیلے کے تمندار (سردار) آنریری مجسٹریٹ درجہ اول، وائسریگل درباری اور امپیریل بلوچی جرگہ کے ممبر تھے۔ ان کا پیشہ زمینداری تھا

عربی فارسی میں اچھی دسترس حاصل تھی۔ انگریزی زبان سے معمولی واقفیت تھی۔ علامہ اقبال سے بے حد عقیدت تھی۔ معلوم نہیں تعلقات کا آغاز کب اور کیسے ہوا لیکن مراسم ایک بار قائم ہو گئے تو پھر بتدریج مستحکم ہوتے گئے۔ جب کبھی لاہور آتے تو لازماً علامہ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ سردار کریم نواز کے بقول، علامہ "کے کلام کے حافظ تھے.... سردیوں کے موسم میں گھر پر الاؤ کے گرد بیٹھے علامہ صاحب کا کلام سب گھر والوں کو سناتے۔" سردار محمد سعد اللہ خان کے الفاظ ہیں "کوئی دن ایسا مشکل ہوگا جب ان کی محفل میں علامہ کا ذکر نہ ہوا ہو۔ علامہ کے اشعار کی قرآن اور حدیث سے تطبیق ان کا خاص کمال تھا"

۱۷ اگست ۱۹۶۰ء کو اپنے آبائی گاؤں وہوا میں انتقال کیا۔

مرحوم کے آٹھ صاحبزادوں میں سردار اللہ نواز خان (۱۹۰۹ - ۱۹۶۷ء) ملتانی (سرائیکی) کے بلند پایہ شاعر تھے۔ سردار کریم نواز خان (پ: ۱۹۱۱ء) سول سروس سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ سردار عزیز جاوید (۱۹۲۸ء - ۱۹۷۴ء) دو ماہی "آرگن" کے مدیر رہے۔ فرخ درانی گورنمنٹ کالج ملتان میں انگریزی کے استاد ہیں۔ سردار ظفر اسلام خاں، عطاء اللہ خاں اور محمد سعد اللہ خان زمینداری کرتے ہیں۔ محمد اسد اللہ خان ملٹری پولیس کی ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔

مرحوم کے نام علامہ اقبال کے متعدد دیگر خطوط بھی تھے لیکن اب دستیاب نہیں۔ سردار کریم نواز خان زیرِ نظر مکتوب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اس زمانہ میں گورنمنٹ نے ڈیرہ غازی خان کے جملہ تمنداروں کو ۱۵ مربعہ اراضی Landed Gentry Grant میں فی تمندار عطیہ کیا۔ تمنداروں کے سربراہ اس زمانہ میں نواب سر بہرام خان مزاری K.C.I.E. تھے۔ جملہ تمندار بلوچ تھے۔ صرف ہمارا قبیلہ پٹھان تھا۔ اس لیے نواب صاحب مرحوم نے یہ گرانٹ صرف بلوچ سرداروں کے لیے منظور کرائی۔ ہمیں اس عطیہ سے محروم رکھا گیا۔ حالانکہ اس دور کی خدمات آنریری مجسٹریٹ اور ممبر جرگہ کی حیثیت سے

ہم برابر تھے۔ میاں سر فضل حسین اس زمانہ میں وزیر تھے اور علامہ صاحب سے ان کے مراسم تھے۔ والد صاحب نے علامہ صاحب سے گذارش کی کہ ہمارے ساتھ جو زیادتی ہوئی ہے، میاں صاحب سے سفارش کر کے اس کا ازالہ کرائیں۔ غالباً علامہ صاحب نے معذوری بیان کی کہ وہ دنیادی معاملات میں کسی سفارش کے قائل نہیں۔ والد صاحب خود میاں صاحب سے علامہ صاحب کے فرمان کے مطابق ملے اور اپنا کیس بیان کیا جس پر انہیں بھی باقی بلوچ تمنداروں کی طرح عطیہ دیا گیا۔ اس کی اطلاع والد صاحب نے علامہ صاحب کو دی، جس کا یہ خط جواب تھا۔" (مکتوب سردار کریم نواز خان بنام: رفیع الدین ہاشمی - بتاریخ ۱۹ اپریل ۱۹۷۵ء)

❖

لاہور ۲۶ جولائی ۳۰ء

جناب سردار صاحب، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے جس کے لئے شکر گزار ہوں۔

الحمد ہر طرح خیریت ہے[2]۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ آپ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ[3]۔

زیادہ و کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال[4]

---

[1] "انوارِ اقبال" کے متن میں "جرن" غلط ہے۔

[2] یہ جملہ اصل مکتوب کے عکس کے مطابق ہے "انوارِ اقبال" میں "الحمد للہ کہ خیریت ہے" درست نہیں ہے۔ اصل خط میں لفظ "للہ" رہ گیا۔

[3] "انوارِ اقبال" کے متن میں عربی کا یہ جملہ موجود نہیں ہے۔

(۶۲)

بنام ایڈیٹر "پیشوا"

دہلی کے رسالہ "پیشوا" نے اگست ۱۹۳۰ء میں ایک خصوصی شمارہ "رسولؐ نمبر" شائع کیا۔ یہ رسالہ جب حضرت علامہ کو موصول ہوا تو آپ نے اسے پسند فرمایا اور "پیشوا" کے ایڈیٹر جناب عزیز حسن بقائی کے نام ذیل کا مکتوب ارسال فرمایا۔

یہ خط بلاکسی لقب کے شروع ہوتا ہے۔ اس پر کوئی تاریخ بھی درج نہیں۔ مگر قرائن کی بناء پر یہ کہنا مشکل نہیں کہ اگست ۱۹۳۰ء میں لکھا گیا۔

رسولؐ نمبر ملا، شکریہ! بلاشبہ آپ نے اس سال پیشوا کے رسولؐ نمبر کو سیرتِ رسولؐ کی انسائیکلو پیڈیا بنا دیا ہے۔ اس وقت جتنے رسولؐ نمبر شائع ہو رہے ہیں، ان سب سے بلند مرتبہ "پیشوا" کے 'تذکرہ جمیل' کو ملنا چاہئیے۔ یہی ایک ایسا رسولؐ نمبر ہے جو تعلیم یافتہ جماعت کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے۔

محمد اقبال

****

(۶۳)

بنام فقیر سیّد سراج الدین

سیّد سراج الدین، فقیر سید افتخار الدین کے صاحبزادے تھے۔ فقیر افتخار الدین لاہور کی معروف فقیر فیملی کے ایک ممتاز فرد تھے۔ علامہ اقبال سے ان کے انتہائی قریبی مراسم تھے۔" اُن کے انتقال کے ۲۲ سال بعد جب اُن کے فرزند فقیر سید سراج الدین نے پی۔سی۔ایس میں منتخب ہو کر ملازمت کا آغاز کیا ؟ تو اس کی اطلاع علامہ اقبال کو دی۔ آپ نے جواباً، سراج الدین کو ذیل کا خط لکھا:

لاہور ۲۳ر ستمبر سنہ ۳۰ء

عزیز من سراج۔ تمہارا خط پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ مجھے یقین ہے کہ ملازمت میں تم اپنے والد مرحوم کے نقشِ قدم پر چلو گے اور اپنے فرائض محنت اور دیانت سے ادا کرو گے۔ صرف محنت اور دیانت ہی ترقّی کی راہیں کھولتی ہیں۔ زیادہ دعا

محمد اقبال

مورخہ ۲۳ ستمبر ۳۰ء

عزیز من سراج - تمہارا خط پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی
مجھے یقین ہے کہ ملازمت میں تم اپنے والد مرحوم کے نقش قدم پر چلو گے۔
اور اپنے فرائض محنت اور دیانت سے ادا کرو گے - محنت اور
دیانت ہی ترقی کی راہیں کھولتی ہیں - زیادہ دعا

محمد اقبال

بنام سیکرٹری انجمن حمایتِ اسلام

انجمن حمایت اسلام، لاہور برِ صغیر کے مسلمانوں کا معروف تعلیمی ادارہ ہے۔ علامہ اقبال مختلف اوقات میں کئی حیثیتوں سے انجمن اور اس کے تعلیمی اداروں سے متعلق رہے۔ انجمن کے سالانہ جلسوں میں نظمیں پڑھنے کا آغاز ۱۹۰۰ء میں ہوا جب وہ پہلی بار انجمن کے اسٹیج پر آئے اور "نالۂ یتیم" سنائی۔ حضرت علامہ نے اپنی بیشتر معروف نظمیں مثلاً "شکوہ، جوابِ شکوہ"، "تصویرِ درد"، "شمع و شاعر"، "خضرِ راہ" اور "طلوعِ اسلام" وغیرہ پہلی بار انجمن کے سالانہ جلسوں ہی میں پڑھ کر سنائیں۔ ابتدائی دور میں ان کی شہرت و مقبولیت کا ایک بڑا سبب انجمن کے یہی جلسے تھے۔

انجمن سے علامہ کے تعلق کی دوسری نوعیت یہ ہے کہ وہ مختلف اوقات میں انجمن کے صدر، جنرل سیکرٹری، جنرل کونسل کے رکن، کالج کمیٹی اور انجمن کی مختلف کمیٹیوں کے ممبر رہے۔ مگر علامہ اقبال غالباً کسی دور میں پوری توجہ اور مستعدی کے ساتھ صدر اور سیکرٹری کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام نہ دے سکے کیوں کہ اول تو وہ اکثر اجلاسوں میں شریک ہی نہ ہو سکتے۔ دوسرے اس طرح کے کام اُن کے مخصوص افتادِ طبع سے کوئی مطابقت نہ رکھتے تھے۔ پھر آخری عمر میں وہ بیمار بھی ہو گئے۔ ایک سبب یہ بھی تھا کہ علامہ انجمن کے بعض ارکان کے قابلِ اعتراض رویوں سے بہت نالاں تھے۔ حتّٰی کہ ایک بار انجمن کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں علامہ نے، انجمن کے بعض ارکان کی "حرکتوں" کو مسلمانوں کے لئے ذلت اور رسوائی" کا باعث قرار دیا اور کہا کہ میں "انجمن کا رکن بننا بھی پسند نہ کروں گا ـــــ" چنانچہ

انہوں نے متعدد بار انجمن کے مناصب سے استعفیٰ دیا۔ انجمن بالعموم اُن کا استعفیٰ منظور نہیں کرتی تھی کیوں کہ انجمن سے کسی نہ کسی حیثیت میں علامہ کا متعلق رہنا، انجمن کے لیے باعث عزت تھا۔ چنانچہ اکثر یوں ہوا کہ صدر یا سیکرٹری کے منصب پر نام علامہ اقبال کا رہا مگر کام دوسرے اشخاص کرتے رہے[1]۔

مندرجہ ذیل دو خطوط، انجمن کے سیکرٹری کے نام اظہارِ معذرت کے طور پر لکھے گئے :

۶۴ ——— (۱)

لاہور ۳۰ ستمبر ۱۹۳۰ء

جناب سیکرٹری صاحب، انجمن حمایت اسلام لاہور

جناب کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ تم کو جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کا ممبر انتخاب کیا گیا ہے۔ اس عزت افزائی کا شکریہ۔ لیکن میں نادم ہوں کہ کونسل و کمیٹی کے اجلاس میں حاضر نہیں ہو سکا اور ان غیر حاضریوں کی وجہ سے میں اس امر کا مستحق نہیں تھا کہ مجھے دوبارہ انتخاب کیا جاتا لہٰذا ملتمس ہوں کہ میری جگہ کسی اور صاحب کو منتخب کیا جائے جو باقاعدہ حاضر ہوا کریں۔ اگر مجھے اعتماد ہوتا کہ آئندہ حاضر ہو سکوں گا۔ تو یہ عریضہ نہ لکھتا لیکن کئی وجوہ سے اس باقاعدگی کا یقین نہیں اس واسطے مذکورہ بالا درخواست کی گئی۔

گرفتم اینکہ بہشتم دہند بے طاعت،
قبول کردن و رفتن زشرط انصاف است

محمد اقبال

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(۱) مختصر تاریخ انجمن حمایت اسلام، لاہور ۱۹۲۹ء

(۲) انجمن حمایت اسلام لاہور کی قلمی روداد یں

۶۵ ——— (۲)

جنابِ من

میرا استعفا ابھی تک اجلاس کونسل میں پیش ہوا۔ از راہِ عنایت ۴ جولائی کی کونسل میں اسے ضرور پیش فرما کر منظور کرا دیں۔ میری طویل علالت مجھے مجبور کرتی ہے کہ ہر قسم کے فرائض سے خواہ وہ کتنے ہی ہلکے کیوں نہ ہوں، سبکدوش ہو جاؤں۔

والسلام

محمد اقبال

یکم جولائی ۱۹۳۷ء

۶۶

بنام شیخ عظیم اللہ

شیخ عظیم اللہ، انجمن حمایت اسلام سے متعلق تھے۔ ان کے نام ذیل کا خط علامہ نے انجمن کی صدارت سے اپنے استعفےٰ کے ضمن میں لکھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انجمن کے ارکان سے ناراض ہونے کے باوجود علامہ کو مسلمانوں کا وقار اور انجمن کی اجتماعی ساکھ کس قدر عزیز تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ ایسے معاملات کو برسرِ عام لایا جائے اور انجمن کو کوئی نقصان پہنچے۔

ڈیئر شیخ عظیم اللہ، السلام علیکم

میں نے آپ سے اور شیخ گلاب دین سے زبانی گفتگو میں عرض کیا تھا کہ جو تحریر انجمن کی طرف سے میرے استعفا کے متعلق اخباروں میں شائع ہوئی ہے اس کا شائع ہونا

ٹھیک نہ تھا۔ اگر میں اس کی تردید کرتا تو اس کے نتائج انجمن کے حق میں اچھے نہ ہوتے۔ اس واسطے میں خاموش رہا۔ آپ نے بھی میری اس رائے سے اتفاق کیا تھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں نے علالت کی بناء پر استعفا دیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اور بھی وجوہ تھے جن کو محض اس وجہ سے نظر انداز کر دیا تھا کہ ان کی اشاعت سے انجمن کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اس واسطے، اس خط میں بھی ان کو بیان کرنے سے احتراز کرتا ہوں اور صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ انجمن کے موجودہ حالات میں، میں صدارت کا بارِ گراں نہیں اٹھا سکتا۔ آپ مہربانی کرکے جنرل کونسل سے میری طرف سے استدعا کریں کہ وہ میرا استعفا قبول کرکے مجھے ممنون کریں۔

میں نہیں چاہتا کہ میری صدارت میں انجمن تمام مسلمانوں میں اپنا وقار کھو دے اور میں اس بے اعتمادی کا کوئی علاج نہ کر سکوں۔ والسلام

محمد اقبال

بنام منشی طاہر الدین

منشی طاہر الدین وکالت میں علامہ اقبال کے معاون تھے۔ آخری عمر میں جب اقبال کے لیے بذاتِ خود خط لکھنا مشکل ہو گیا تو وہ دوسرے لوگوں کے علاوہ منشی صاحب سے بھی خطوط املا کرایا کرتے تھے۔ علامہ کو ان پر اس حد تک اعتماد تھا کہ اپنے وصیت نامے میں خواجہ عبدالغنی (جاوید اقبال کے ماموں)، شیخ اعجاز احمد اور چودھری محمد حسین کے ساتھ منشی صاحب کو بھی اپنی اولاد کا ولی مقرر کیا۔ وصیت نامے میں منشی صاحب کے بارے

ہیں یہ الفاظ ملتے ہیں: "منشی طاہر الدین، جو کئی سال میرے کلارک رہے ہیں اور ان کی شرافت و دیانت پر مجھے پورا اعتماد ہے"۔

معروف دوا "دل روز" منشی صاحب ہی کی ایجاد ہے۔ "دل روز" کے استعمال سے مولانا گرامی کا چالیس سال پرانا ناسور معدوم ہو گیا تو انہوں نے ایک مصرعہ طاہر صاحب کی نذر کیا، علامہ نے مصرع ثانی لگا کر شعر مکمل کر دیا ؎

گرامی: اطہر کردم طاہر از ناسور

اقبال: عرقش بہ زمرہم کافور

مندرجہ ذیل دونوں خطوط کے مکتوب الیہ، منشی صاحب ہیں:

(۱) — ۶۷

حکومتِ برطانیہ نے ۱۹۳۱ء کے آخر میں لندن میں دوسری گول میز کانفرنس بلائی اس میں دوسرے مسلم زعماء کے ساتھ علامہ اقبال کو بھی مدعو کیا گیا۔ اسی زمانے میں علامہ موصوف کو بلادِ مغرب سے تین دعوت نامے موصول ہوئے۔

اوّل: اٹلی کی Learned Men's Academy of Rome کے صدر نے آپ سے روم میں تقریر کی درخواست کی تھی۔

دوم: انگلستان کی انڈیا سوسائٹی کے صدر سر فرانسس ینگ ہز بینڈ نے آپ کو دعوت دی کہ سوسائٹی کی نائب صدارت قبول کریں۔

سوم: فلسطین کے مفتئ اعظم سید امین الحسینی نے اتحادِ عالمِ اسلام اور فلسطین کے مسائل پر غور کرنے کے لئے دسمبر ۱۹۳۱ء میں بیت المقدس میں ایک موتمر بلائی اور علامہ اقبال کو بھی مدعو کیا۔

ان وجوہ کی بنا پر آپ نے بلادِ مغرب کا رختِ سفر باندھا۔

۸ ستمبر ۱۹۳۱ء کو لاہور سے روانہ ہوئے۔ دہلی سے ہوتے ہوئے ۱۰ ستمبر کو بمبئی پہنچے

بمبئی میں دو روزہ قیام کے بعد ۱۲ ستمبر کو "ملوجا" نامی جہاز سے عازمِ انگلستان ہوئے۔ درج ذیل مکتوب میں اسی سفر کی روداد بیان کی گئی ہے۔ خط ساحلِ فرانس پہنچنے سے پہلے بحرِ روم سے گزرتے ہوئے لکھا گیا۔ "انقلاب" کی روایت کے مطابق تاریخِ تحریر ۲۱ ستمبر ۱۹۳۱ء ہے۔

اس خط کے متعلق روزنامہ "انقلاب" (۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء) میں صرف اس قدر بتایا گیا ہے کہ یہ اقبال نے اپنے ایک دوست کے نام تحریر کیا تھا۔ مولانا غلام رسول مہر کی روایت کے مطابق اس کے مکتوب الیہ منشی طاہر الدین ہیں۔

"انقلاب" میں مطبوعہ خط، کسی لقب کے بغیر شروع ہوتا ہے۔

بمبئی پہنچتے ہی سردار صلاح الدین سلجوقی قنصل افغانستان مقیم بمبئی نے دعوت دی۔ ان کے ہاں پر لطف صحبت رہی۔ سردار موصوف فارسی اور عربی ادبیات پر پورا عبور رکھتے ہیں۔ عربی کی جدید شاعری سے بھی باخبر ہیں۔ فارسی میں خاقانی کے بڑے معترف ہیں۔ علوم دینی میں بھی کافی دسترس رکھتے ہیں۔ ہرات کے قاضی رہ چکے ہیں[1] ان کے دولت کدہ پر مرزا طلعت یزدی نے جو بمبئی میں دس سال سے مقیم ہیں۔ ایرانی لہجے میں اپنے اشعار سنائے جو

---

[1] سردار صلاح الدین سلجوقی، ہندوستان میں افغانستان کے قونصل (سفیر) تھے۔ شعر و ادب کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ فارسی کے سینکڑوں دیوان انہیں ازبر تھے انہیں حضرت علامہ سے بڑی گہری عقیدت و محبت تھی بالعموم انہیں مرشد کہا کرتے۔ اقبال جب کبھی دہلی یا بمبئی جاتے تو بالعموم انہیں کے ہاں افغان قونصل خانے میں قیام کرتے۔ سردار سلجوقی کی تجویز پر ہی حکومت افغانستان نے مزارِ اقبال کے تعویذ کا پتھر تحفۃً ارسال کیا تھا۔

آپ کی نظر سے گذر چکے ہوں گے۔ اسی شام عطیہ بیگم صاحبہ کے ہاں سماع کی صحبت رہی، جہاں اہلِ ہوس بار نہیں پا سکتے:

بر سماعِ راست ہر تن چیز نیست
طعمۂ ہر مرغکی انجیر نیست

۱۲ر ستمبر کو ایک بجے کے قریب بمبئی سے روانہ ہوئے (ملوجا) جہاز کی وسعت کا حال علی بخش سے سُنیئے۔ ۱۷ر کی شام کو عدن پہنچے۔ عدن! یہ اسی سر زمین کا ٹکڑا ہے جس کی نسبت حالی مرحوم فرما گئے ہیں:

عرب کچھ نہ تھا اک جزیرہ نما تھا

میرا مقصد ساحل پر جانے کا تھا مگر ہمارے شہر کے ایک نوجوان شیخ عبداللہ نامی[2] یہاں

---

[1] اشارہ اس استقبالیے کی طرف ہے جو ۱۰ر ستمبر کی سہ پہر "ایوانِ رفعت" میں علامہ اقبال کے اعزاز میں دیا گیا۔ اس پُر لطف محفل میں متعدد نامور اہلِ علم و فن شریک ہوئے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: "ایک بھولی ہوئی صحبت" از ضیاء الدین احمد برنی مشمولہ: "اقبال" از عطیہ بیگم ص ۱۲۲ - ۱۲۷) اس ضمن میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ برنی کے مطابق "گول میز کانفرنس سے لوٹتے وقت علامہ موصوف نے بمبئی میں چند روز قیام فرمایا تھا" (ماہِ نو۔ اقبال نمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۵) مگر یہ درست نہیں کیونکہ برنی نے اسی مضمون میں مذکورہ صحبت کی تاریخ ۱۰ر ستمبر ۱۹۳۱ء بتائی ہے اور اس تاریخ کو علامہ انگلستان سے واپسی پر نہیں بلکہ وہاں جاتے ہوئے رُکے تھے۔ واپسی اواخر دسمبر میں ہوئی اور اس مرتبہ علامہ موصوف صرف آدھ گھنٹے کے لئے "ایوانِ رفعت" تشریف لے گئے تھے (سفرنامۂ اقبال، ص ۱۸۷) زیرِ نظر خط کا متن بھی برنی کی روایت کی تردید کرتا ہے۔

[2] "گفتارِ اقبال" کے متن میں "نامی" درست نہیں۔

وکالت کرتے ہیں، وہ جہاز پر آئے اور باصرار اپنے ساتھ لے گئے۔ کشتی پر سوار ہو کر ساحل پر اُترے اور وہاں سے موٹر پر سوار ہو کر شیخ صاحب موصوف کے مکان پر پہنچے۔ وہاں مرغ پلاؤ، کباب، قورمہ، سب کچھ حاضر تھا۔ کھانے کے بعد یمن کی سیاہ و تلخ و خوشگوار کافی کا دور چلا۔ آغا فکری ایرانی اور ایک ایرانی سوداگر سے ملاقات ہوئی۔ آغا فکری نہایت ہوشیار اور مستعار نوجوان ہیں، بمبئی کافی کی تجارت کرتے ہیں۔ بے انتہا گستان ہیں۔ رخصت کے وقت انہوں نے مجھے ایک دانہ عقیق یمنی کا بطور یادگار کے عنایت فرمایا۔ ۲۲ سال ہوئے جب میں نے عدن دیکھا تھا، اس وقت کچھ نہ تھا۔ اب ایک بارونق شہر ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ حضر موت کے عرب یہاں ساہوکار ہیں۔ پنجابی بھی بہت سے ہیں۔ خاص کر سندھ کے دوکاندار مسلمانوں میں سمالی قوم نہایت ہوشیار اور محنتی ہے۔ شیخ عبداللہ سے معلوم ہوا کہ ان میں سے بعض آٹھ آٹھ دس دس زبانیں بلا تکلف بولتے ہیں۔ عدن میں عرب نوجوانوں کا ایک لٹریری کلب بھی ہے۔ مگر چونکہ رات کا وقت تھا کلب مذکور کے ممبروں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ غرضیکہ رات کے ساڑھے دس بجے شیخ عبداللہ کے مکان سے رخصت ہو کر تقریباً گیارہ بجے اپنے جہاز پر پہنچے، جہاز ساڑھے گیارہ بجے رات روانہ ہوا۔

"۲۰ ستمبر کو تقریباً ۳ بجے شب پورٹ سعید مقام ہوا۔ یہ جگہ بھی بے انتہا ترقی کر گئی ہے۔ میں تو سو چکا تھا مگر ایک مصری ڈاکٹر سلیمان نے آ جگایا۔ میں اٹھا اور ان سے ملاقات کی۔ اتنے میں اور مصری نوجوان جو وہاں کے "شبان المسلمین" کے ممبر تھے، ملاقات کو آئے۔ ان نوجوانوں سے مل کر طبیعت نہایت خوش ہوئی۔ ایک مصری کرنل کی لڑکی بھی ملنے کے لیے آئی۔ یہ ہمارے جہاز میں انگلستان جا رہی ہے تاکہ علم نباتات کے مطالعہ کی تکمیل کرے۔ پہلے چار برس وہاں رہ آئی ہے۔ انگریزی خوب بولتی ہے عام طور پر اہل مصر فرانسیسی لہجے میں انگریزی بولتے ہیں۔ اس لڑکی کا لہجہ بالکل انگریزی تھا۔ لطفی بے نے جو قاہرہ کے نہایت مشہور بیرسٹر ہیں ڈاکٹر سلیمان کی زبانی سلام بھیجا اور واپسی پر قاہرہ آنے کی دعوت دی۔ "رنپورہ" جہاز پر جس میں میرا سفر پہلے قرار پایا تھا۔ لطفی بے تشریف لائے تھے۔ مگر افسوس کہ میں جا نہ سکا، اس کی وجہ سے

سفرنامہ اسکام آپ یہ سن کر تعجب کریں گے کہ مصر کے مسلمان عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند ہندوستان کی آزادی کی راہ میں روڑا اٹکا رہے ہیں۔ یہ پراپیگنڈہ دیگر ممالک میں بھی کیا گیا ہے پورٹ سعید پر قریبًا ہر مسلمان نوجوان نے مجھ سے یہ سوال کیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب ان کی آنکھوں سے رفتہ رفتہ حجاب اُٹھ رہا ہے۔ میں نے ان کو ایک طویل لیکچر دیا اور بتایا کہ ہندوستان کا پولیٹیکل پرابلم کس طرح مسلمانِ ہند پر مؤثر ہوتا ہے۔ میری گفتگو سننے کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی طبیعت سے ایک بہت بڑا بوجھ اُتر گیا ہے۔ تقریر کے بعض حصّے انہوں نے نوٹ بھی کر لیے۔

"جالندھر کے ایک جوان نے بحیثیت نمائندہ "رائٹر" ملاقات کی یہ یہاں کی "راول سوسائٹی" کے سیکرٹری ہیں۔ شادی بھی مصر ہی میں کر لی ہے۔ عربی خوب بولتے ہیں اور بہت ہوشیار اور مستعد معلوم ہوتے ہیں۔ جہاز تقریبًا ساڑھے چھ بجے صبح روانہ ہوا اور مصری جوان صبح تک میرے کیبن میں بیٹھے رہے۔ واپسی پر انہوں نے ساحل سے مصری سگرٹوں کے دو ڈبے ہدیۃً ارسال کیے۔

"بمبئی سے لے کر اس وقت تک جہاز" ملوجا" بحرِ روم کی موجوں کو چیرتا ہوا چل رہا ہے۔ سمندر بالکل خاموش ہے۔ طوفان کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ موسم بھی نہایت خوشگوار رہا۔ البتہ بحرِ احمر میں گرمی تھی۔ یہ سمندر عصائے کلیم کا ضرب خوردہ ہے۔ گرم مزاج کیوں نہ ہو۔ چاروں طرف جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے، سمندر ہی سمندر ہے۔ گویا قدرتِ الٰہی نے آسمان کے نیلگوں خیمے کو الٹ کر زمین پر بچھا دیا ہے۔

"سفر کی مختصر روئیداد تو میں نے لکھ دی ہے۔ سویز کینال کے متعلق لکھنا بھول گیا۔ شاید ۱۹ ستمبر کو ہم سویز کنال میں داخل ہوئے۔ فراعنۂ مصر، قدیم ایرانیوں، مسلمانوں اور اہلِ فرنگ نے اپنے عروج و قوت کے زمانے میں اس نہر کے مٹے ہوئے نقوش کو ابھار کر اس سے فائدہ اٹھایا۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب اس حیرت انگیز کینال کی اہمیت یعنی تجارتی اہمیت کا خاتمہ قریب

ہے۔ سیاسی اعتبار سے صلح و جنگ کے زمانے میں ہر قوم کے جہاز اس میں سے گذر کر سکتے ہیں سویز کنال کے بیشتر حصص انگریزی تصرف میں ہیں اور یہ غالباً اسماعیل پاشا خدیو مصر کی عیش پرستی کا نتیجہ ہے کیوں کہ اس نے اپنے تمام حصص انگریزوں کے ہاتھ بیچ دیئے تھے۔ قریباً ڈھائی کروڑ پونڈ کی لاگت سے ایشیا اور یورپ کے سمندروں کو ملانے والی یہ آبی سڑک تیار ہوئی تھی۔ لیکن اب جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے۔ شاید اس کی وہ اہمیت نہ رہے جو اسے پہلے حاصل تھی۔ پرواز کی وسعت و ترقی اور وسطِ ایشیا اور وسطِ یورپ میں ریلوے کی تعمیر سے دنیا کے دو بڑے حصوں میں جدید تجارتی رستوں کا کھل جانا، ایک نئی مگر خشک سویز کنال کو معرض وجود میں لانے والا ہے جس سے تجارتی اور غالباً سیاسی دنیا میں بھی ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہو گا۔ اگر آئندہ بیس پچیس سال میں ایسا ہو گیا تو طاقتور کمزور اور کمزور طاقتور ہو جائیں گے۔ وتلک الایام نداولہا بین الناس[۱]

—— جہاز کی روزمرہ کی زندگی کی داستان نہایت مختصر ہے۔ میں اپنی قدیم عادت کے مطابق آفتاب نکلنے سے پہلے ہی تلاوت سے فارغ ہو جاتا ہوں۔ اس کے بعد دیگر حوائج سے فراغت پاتے پاتے "برک فاسٹ" کا وقت آ جاتا ہے۔ "برک فاسٹ" کے بعد عرشۂ جہاز پر ہمسفروں سے گفتگو یا گول میز کانفرنس پر جس کی خبریں لاسلکی کے ذریعے سے ہر روز جہاز پر پہنچ جاتی ہیں، بحث و مباحثہ یا گذشتہ سال کی رپورٹوں کا مطالعہ۔ ہاں کبھی کبھی شعر و شاعری بھی ہو جاتی ہے۔ سید علی امام[۲] کو عربی،

۱۔ "گفتارِ اقبال" کے متن میں یہ آیت موجود نہیں۔ اس کا ترجمہ ہے: "یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں" (آلِ عمران: ۱۴۰)

۲۔ سر سید علی امام: (۱۸۶۹ء - ۱۹۳۱ء) غیر معمولی قابلیت کے قانون دان تھے۔ وہ پہلے ہندوستانی تھے جو وائسرائے ہند کی مجلسِ انتظامیہ کے رکن نامزد ہوئے نظامِ دکن کے مدار المہام بھی رہے۔ علامہ اقبال نے "اسرارِ خودی" سر علی امام کے نام معنون کی۔ پہلے ایڈیشن (۱۹۱۵ء) میں انتساب کے ۱۹ اشعار تھے جن میں علی امام کو زبردست خراجِ تحسین پیش کیا گیا تھا۔ دوسرے ایڈیشن میں صرف آٹھ اشعار رہ گئے اور پھر بالکل ہی حذف کر دیئے گئے۔ اس ضمن میں ایک دلچسپ مضمون ملاحظہ ہو: اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۱ء۔

فارسی اور اردو کے بے شمار اشعار یاد ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں "اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ"[1] ان کے والد ماجد مولانا نواب امداد[2] ادبیات اردو میں ایک خاص پایہ رکھتے تھے۔ جہاز پر میں گوشت کھانا[3] بالکل ترک کر دیا ہے۔ وطن میں بھی بہت کم کھاتا تھا مگر یہاں تو صرف سبزی ترکاری مچھلی اور انڈے پر گذران ہے۔ ایک تو گوشت کی طرف رغبت بہت کم ہے۔ دوسرے ذبیحہ بھی مشتبہ ہے۔ البتہ غیر مشتبہ ذبیحہ بھی کبھی کبھی مل جاتا ہے۔ وہ اس طرح کہ سر علی امام کی بیگم صاحبہ کہ نیک نفسی اور شرافت کا مجسمہ ہیں اپنے شوہر کے ہمراہ ہیں ذبیحہ کے متعلق خاص طور پر محتاط ہیں۔ اپنا باورچی ساتھ لائی ہیں۔ ان کی عنایت سے غیر مشتبہ ذبیحہ اور مغلئی کھانا قریباً قریباً ہر روز ہماری میز تک پہنچ جاتا ہے اگرچہ اس میں میرا حصہ بالعموم سبزی اور چاول تک محدود رہتا ہے۔ آپ کہیں گے کہ میں سب کچھ لکھ گیا مگر ہمسفروں کے متعلق اب تک خاموش ہوں۔ ہمارے جہاز میں کچھ زیادہ مسافر نہیں۔ گول میز کانفرنس کے ہندو اور مسلمان نمائندے شاید سات آٹھ ہیں۔ راجہ نریندر ناتھ صاحب بھی اسی جہاز میں ہیں۔ چار مسلمان نمائندے ہیں اور چاروں مغرب زدہ "مغرب زدہ مسلمان" کی اصطلاح شاید "معارف"[4] نے وضع کی تھی۔ نہایت پر لطف ہے۔ لیکن مسلمانوں کے اس مغرب زدہ قافلہ کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں دو حافظ قرآن ہیں۔ یعنی نواب صاحب چھتاری[5] اور خان بہادر حافظ ہدایت حسین[6]۔ مقدم الذکر ہر روز دور[7]

---

[1] عربی محاورہ ہے۔ معنی ہے "بیٹے میں باپ کی خو بو ہوتی ہے"۔

[2] نواب امداد امام اثر۔ اردو کے معروف محقق اور ناقد متعدد کتابوں کے مصنف۔

[3] "میں گوشت کھانا" نقل بمطابق اصل ہے۔

[4] دارالمصنفین، اعظم گڑھ کا علمی و ادبی جریدہ۔

[5] حافظ سر احمد سعید خاں چھتاری سابق وزیر اعظم حیدر آباد و سابق گورنر یو۔ پی۔ اردو کی معروف افسانہ نگار تسنیم سلیم چھتاری حافظ صاحب موصوف کی صاحبزادی ہیں۔

[6] حافظ ہدایت حسین کلکتہ میں رہائش پذیر تھے۔ غالباً رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ڈائرکٹر تھے۔

[7] "گفتار اقبال" کے متن میں "ورد" غلط ہے۔

کرتے ہیں اور سُنا ہے کہ ہر سال تراویح بھی پڑھاتے ہیں،

"سیّد علی امام صاحب کی مغرب زدگی کی کیفیت یہ ہے کہ ایک روز صبح کے وقت عرشۂ جہاز پر کھڑے تھے۔ میں بھی اُن کے ہمراہ تھا۔ میل و فرسنگ[1] کا حساب کرکے کہنے لگے۔ دیکھو بھائی اقبال، اس وقت ہمارا جہاز ساحلِ مدینہ کے سامنے سے گذر رہا ہے۔ یہ فقرہ ابھی پورے طور پر ان کے منہ سے نکلا بھی نہ تھا کہ آنسوؤں نے الفاظ پر سبقت کی۔ ان کی آنکھ نمناک ہوگئی اور بے اختیار ہوکر بولے،

بَلِّغْ سَلَامِیْ رَوْضَۃً فِیْھَا النَّبِیُّ الْمُحْتَرَمُ،

ان کے قلب کی کیفیت نے مجھے بے انتہا متاثر کیا۔ باقی رہا میں مغرب زدہ بھی ہوں اور مشرق زدہ بھی۔ البتہ مشرقی ضرب میرے لیئے زیادہ کاری ثابت ہوئی۔ باقی ہمسفروں میں مسٹر جسٹس سہروردی[2] شیخ مشیر حسین قدوائی[3] اور اودھ کے دو نوجوان تعلقدار ہیں۔ قدوائی صاحب نہایت پُرجوش 'پین اسلامسٹ' ہیں۔ تبلیغی فرائض سے کبھی غافل نہیں رہتے اور اودھ کے دو تعلقداروں میں ایک عربی خوب بولتے ہیں۔ دوسرے سمجھ لیتے ہیں مگر بول نہیں سکتے۔ ان دو نوجوانوں کے والد مدتوں کربلائے معلیٰ میں مقیم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی بول اور سمجھ لیتے ہیں۔ یہ ہے اس مغرب زدہ قافلے کی مختصر کیفیت۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ یہ خط مارسائی[4] سے ڈاک میں ڈالا جائے گا۔ علی بخش کو میرا اسلام ضرور کہیئے"

محمد اقبال

---

[1] "گفتارِ اقبال کے متن میں "فرنگ" غلط ہے۔

[2] سابق وزیرِ اعظم پاکستان اور معروف سیاست دان حسین شہید سہروردی کے بڑے بھائی۔ کلکتہ میں قیام پذیر تھے۔

[3] اودھ کے تعلقہ دار، معروف ادیب اور سیاسی کارکن۔

[4] مارسائی (MARASALI) اٹلی کے جزیرہ سسلی کی مغربی بندرگاہ ہے۔ گفتارِ اقبال کے متن میں "اوسائی" درُست نہیں۔

(۲) —— ۶۸

۱۹۳۲ء کے آخر میں علامہ اقبال (تیسری گول میز کانفرنس (لندن) میں شرکت کے لیئے انگلستان تشریف لے گئے۔ انگلستان سے واپسی پر جنوری ۱۹۳۳ء کے وسط میں ہسپانیہ تشریف لے گئے۔ ہسپانیہ کا دورہ کر کے پیرس پہنچے منشی طاہرالدین کے نام مندرجہ ذیل خط قیام پیرس کے دوران میں لکھا گیا۔ اس خط کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے ذریعے حیاتِ اقبال کی بعض اہم تاریخوں کی تصحیح ہوتی ہے۔

پیرس، ۲۶ر جنوری ۳۳ء

ڈیر منشی طاہر دین، السلام علیکم

میں آج شام ہسپانیہ سے مع الخیر واپس آگیا۔ خدا کے فضل و کرم سے وہاں ہر طرح خیریت رہی اور اپنی خواہش کے مطابق مسجد قرطبہ میں نماز پڑھی۔ اب یہاں چند روز قیام[1] کر کے وینس جاؤں گا۔ وہاں سے جہاز ۱۰ فروری کو چلتا ہے۔ انشاء اللہ العزیز ۲۲ ر فروری کی صبح کو بمبئی پہنچ جاؤں گا۔ احباب سے دعا کی درخواست کریں۔ ۲۴ فروری کی شام کو میں نے میڈرڈ (دارالسلطنت ہسپانیہ) میں "اسلام اور ہسپانیہ" پر وہاں کے وزیر تعلیم کی درخواست پر لکچر دیا[2]۔

---

[1] غلام رسول مہر کے نام اقبال کے بعض خطوں (انوار اقبال: ص ۱۰۱، ۱۰۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۶ ر جنوری سے یکم فروری تک تو اقبال (یقینی طور پر) پیرس میں مقیم رہے شاید اس کے بعد بھی ۴ یا ۵ روز تک رہے ہوں کیونکہ ۶ ر فروری تک انہیں وینس پہنچنا تھا۔

[2] اس اجلاس کی صدارت Divine Camedy Islam کے مصنف پروفیسر آسن Asin نے کی اور حاضرین سے اقبال کا تعارف بھی انہوں نے کرایا۔ اقبال کے لکچر کا عنوان تھا:

The Intellectual World of Islam and Spain.

اس اجلاس کی مختصر رپورٹ ہسپانیہ کے روزنامہ El-debate. میں شائع ہوئی۔ رپورٹ کے لئے ملاحظہ ہو، Letters and Writings of Iqbal

جس سے لوگ بہت متاثر ہوئے۔ چودھری صاحب[1] کی خدمت میں سلام عرض کریں افسوس کہ وہ اس سفر میں ساتھ نہ تھے۔

مولوی غلام رسول مہر، سالک اور سید شبیر حیدر صاحب سے سلام کہیں۔ علی بخش اور رحمان کو بھی سلام۔ جاوید، منیرہ بیگم اور آپ کے بچوں کو دعا۔ والسلام

محمد اقبال

---

[1] مراد ہے چودھری محمد حسین۔

(۶۹)

بنام محمد عبد القوی فانی

محمد عبد القوی فانی، چشتی صابری لکھنؤ یونیورسٹی کے مورس کالج، ناگپور میں استاد تھے۔ انہوں نے اپنا مجموعۂ قصائد "گلزارِ عثمانی" حضرت علامہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ جواباً انہیں ذیل کا انگریزی خط روانہ کیا گیا۔

لاہور ۱۲ مئی ۱۹۳۲ء

(انگریزی)

ڈیر سر،

چند روز پہلے آپ کے قصائد کا نسخہ موصول ہوا تھا۔ اس کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں۔ اگرچہ مجھے اعتراف کرنا چاہیئے کہ میں اس نوع کی شاعری کا اچھا پارکھ نہیں ہوں۔ تاہم ایک نظر دیکھنے کے بعد میں نے محسوس کیا ہے کہ آپ کے قصائد بہت شاندار ہیں۔ ایک ایسے زمانے میں، جب ہندوستان میں فارسی ادب کا مطالعہ انتہائی محدود ہو کر رہ گیا ہے، آپ کے قصیدے آپ کا بہت بڑا امتیاز ہیں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

21st May, 1932

Dear Sir,

I am thankful to you for a copy of your panegyrics, which I received sometime ago. However, I have glanced through it now and find the Qasidas excellent; though I must confess I am not a good judge of Poetry of this kind. In the days when Persian Literature is so little read in India your Qasids reflect great credit on you.

Yours truly,

MOHAMMAD IQBAL

****

بنام مس فارقوہرسن

مس فارقوہرسن، نیشنل لیگ آف انگلینڈ کی صدر تھیں۔ انہیں ممالک اسلامیہ اور فلسطین کے مسائل سے خاص دلچسپی تھی۔ تیسری گول میز کانفرنس کے موقع پر نیشنل لیگ نے حضرت علامہ کے اعزاز میں ایک استقبالیہ دعوت دی (روزگارِ فقیر جلد اوّل ص ۱۴۰) مس فارقوہرسن کے نام اقبال کے مندرجہ ذیل دو خطوط کے علاوہ آٹھ مزید خطوط دستیاب ہیں (ملاحظہ ہو: اقبال نامہ جلد اول ص ۴۴۵ - ۴۵۰۔ جلد دوم، ص ۲۸۳ - ۲۹۵)

(۷۰) ——— (۱) ۲۲ جون ۱۹۳۲ء

مائی ڈیر مس فارقوہرسن

آپ کے عنایت نامے کے لیے بہت ممنون ہوں۔ فوری طور پر اس کا جواب دے رہا ہوں کیوں کہ آئندہ ہفتے کے دوران میں مصروفیت اتنی بڑھ جائے گی کہ شاید خط و کتابت کے لئے وقت نہ مل سکے۔ گذشتہ نومبر لندن ہی میں ہم میں سے بعض کو شبہ تھا کہ کابینہ کے اندر اختلافات موجود ہیں۔ تاہم ہمیں انتظار کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہیئے کہ اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے[۱]۔ ذاتی طور پر میں ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں خاصا مایوس ہوں۔ بمبئی کے فسادات ابھی جاری ہیں۔ اس صورتِ حال نے مجھے خاصا پریشان کیا ہے[۲]۔ مجھے خدشہ ہے کہ ہندوستان میں جمہوریت کا نتیجہ خونریزی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا اور اس سے ایک طرح کی بے اطمینانی کے لئے میدان ہموار ہوگا مگر کوئی شخص بھی نہیں چاہے گا کہ ملک کے اندر ایسی بے اطمینانی بڑھتی رہے۔ کچھ لوگوں نے تو اب اس انداز میں سوچنا شروع کر دیا ہے کہ ہندوستان کو بھی سوویت طرز کی خونریزی سے گذرنا چاہیئے[۳]۔ میرا یہ اعتقاد ہے کہ برطانیہ کا سب سے زیادہ باخبر شخص بھی قطعاً یہ اندازہ نہیں لگا سکتا کہ واقعات کی ظاہری سطح کے نیچے کیا کچھ ہو رہا ہے۔ اعلیٰ عہدوں پر ترقی پانے والے ہندوستانی برطانوی پالیسی سے قریبی رابطہ رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر تو محض روزگار کے متلاشی تھے۔ بعض اوقات ایسے لوگ ہوشیار بھی ہوتے ہیں مگر اُن کا کوئی نقطۂ نظر نہیں ہوتا۔ بہرحال

---

[۱] دوسری گول میز کانفرنس کی کارروائی کی طرف اشارہ ہے۔ بعد میں جب ۱۶؍ اگست ۳۲ء کو کمیونل اوارڈ کا اعلان ہوا تو علامہ کے خدشات غلط ثابت ہوئے۔

[۲] بمبئی کے ہندوؤں کو شبہ تھا کہ مسلمان پٹھان، ہندو بچوں کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں۔ انہوں نے پٹھانوں کو نیست و نابود کرنے کے لیے ہولناک فسادات کرائے۔ اقبال نے ۸؍ جون کو مولانا عرفان کے نام ایک خط میں بھی ان فسادات پر اظہارِ تاسف کیا: "افسوس ہے کہ بمبئی کے فسادات ختم ہونے میں نہیں آتے" (انوارِ اقبال ص ۲۰۹)

[۳] سوویت روس میں اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں بڑے پیمانے پر قتل و خونریزی ہوئی۔

ہمیں توقع رکھنی چاہیئے کہ حالات بہتر ہو جائیں گے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ یورپ، شمالی افریقہ ترکی اور ہسپانیہ کا ایک چکر لگاؤں۔ امید ہے کہ ایک دو ماہ تک اس معاملے میں کوئی حتمی فیصلہ کر سکوں۔

بوڑھے شوکت علی نے ایک انگریز لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ اب وہ امریکہ جا رہے ہیں۔ یہ شادی ہندو پریس میں بڑے بحث و مباحثے کا موضوع بنی رہی ہے۔

اُمید ہے آپ بخیریت ہوں گی۔ مسلمانوں کے لیے آپ کی جملہ کوششوں پر سراپا سپاس گزار ہوں۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

****

22nd May 1932

My dear Miss Farquharson,

Thank you so much for your letter which I hasten to reply to as I am likely to be too busy for correspondence next week. Even in London last November some of us suspected that there were differences inside the Cabinet. However let us wait and see what comes out of it. Personally I am feeling very pessimistic about the future of India. The Bombay riots which are still going on have upset me. My fear is that democracy in India will bring nothing in its wake but blood-shed which will only prepare ground for the kind of unrest which nobody would like to see devolping in this country. Some people are beginning to think that India must pass through blood-shed to some sort of Soviet form. It is my belief that even the best-informed Britisher does not quite realise what is going on beneath the surface of events. And the Indians who are promoted to high offices and thus come into closer contact with British policy are most of them job-hunters, and though in some cases clever are men of no vision. Let us however hope for the better. I am thinking of making another trip to Europe, North Africa and Turkey and Spain. In a month or two I hope to be able to decide the matter finally.

Old Shaukat Ali has married a young English girl. He is now proceeding to America. The marriage has been the subject of much controversy in the Hindu press.

Hoping you are well and thanking you for all the work you are doing for the Muslims.

Yours sincerely
Mohammad Iqbal

۷۱ ــــــــ (۷۱)

ذیل کا خط نواب بہاولپور کے بارے میں لکھا گیا۔ الحاج سر امیر صادق خان پنجم عباسی تین سال کی عمر میں ۱۹۰۷ء میں بہاولپور کے امیر بنے۔ ۱۹۲۴ء میں لارڈ ریڈنگ نے بہاولپور آئے اور انہیں تخت پر بٹھایا۔ انہوں نے انجمن حمایت اسلام کے ۴۶ ویں اجلاس (۲۸ دسمبر ۱۹۳۰ء) کی پہلی نشست کی صدارت کی۔ اس اجلاس میں انجمن کی طرف سے علامہ اقبال نے سپاس نامہ پڑھا (متن ملاحظہ ہو سہ ماہی "اردو" شمارہ ۳، ۱۹۶۹ء ص ۵۰-۵۳) قاضی تلمذ حسین کے نام ایک خط (ص ۲۳۶) میں علامہ نے نواب صاحب کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

✧

۳ اکتوبر ۱۹۳۳ء

(انگریزی)

مائی ڈیر مس فارقوہرسن،

یہ میجر سید نذیر علی صاحب کی معرفی کے لیے لکھ رہا ہوں۔ جو اعلیٰ حضرت فرمانروائے بہاولپور کے اے۔ ڈی۔ سی ہیں۔ اعلیٰ حضرت یورپ تشریف لے جا رہے ہیں اور انگلستان کا چکر بھی لگائیں گے۔ میری خواہش ہے کہ نیشنل لیگ انہیں ایک شایانِ شان استقبالیہ دے اور انہیں انگریز اشرافی طبقے اور انگلستان میں دوسری ریاستوں (علاقوں) کے وزراء سے بھی متعارف کرائے۔ اعلیٰ حضرت ہندوستان کی ایک بہت بڑی ریاست کے حکمران ہیں۔ وہ بغداد کے عباسی خلفاء کی اولاد ہیں اس لیے ہندوستان کے مسلمان، ان کا بے حد احترام کرتے ہیں۔

امید ہے آپ بخیر ہوں گی۔

اخلاص کے ساتھ

محمد اقبال

✧

Dr. Sir Mohd. Iqbal. Kt.
M.A. Ph. D
Barrister-at-Law
Lahore.

3rd. 7th. 1933

My dear Miss ~~Margaret~~ Farquharson

I write this to introduce Major Sayyed Nazir M. A. D. C to His Highness the Ruler of Bahawalpur. His Highness is ~~[illegible]~~ proceeding to Europe & will visit England also I wish the National League would give him a fitting reception & introduce him to English Aristocracy as well as to the ministers of other States in England. His Highness ~~is~~ rules one of the biggest states in India & ~~is~~ as a descendent of the Abbaside Caliphs of Baghdad is held in high esteem by the Muslims of India.

Hoping you are well

Yours Sincerely

Muhammad Iqbal

۷۲

بنام ڈائریکٹر "ہمدم" لکھنؤ

"اکتوبر ۱۹۳۲ء میں بمبئی میں بعض ہندو اور مسلم رہنماؤں کے درمیان ہندو مسلم مفاہمت کے مسئلے پر گفتگو ہوئی۔ اسی اثنا میں مولانا شوکت علی اور شیخ عبدالحمید سندھی نے ۱۵ اکتوبر کو لکھنؤ میں ایک کانفرنس بلائی اور علامہ اقبال کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی۔ علامہ موصوف کانفرنس کو بے مقصد سمجھتے تھے کیونکہ اُن کے بقول "ہندوؤں کی طرف سے قطعی تجاویز پیش ہوئے بغیر مسلمان رہنماؤں کی کانفرنس منعقد کرنا نقصان رساں ہے۔" متعدد رہنماؤں نے آپ کو، کانفرنس میں شرکت پر آمادہ کرنے کی کوشش کی مگر آپ اس وقت تک کانفرنس کے انعقاد ہی کے خلاف تھے۔ جب تک کہ ہندو اکثریت کی طرف سے معقول اور واضح تجاویز نہ پیش کی جائیں۔

اسی اثنا میں تیسری گول میز کانفرنس کے لیے روانگی کا وقت آپہنچا۔ لکھنؤ کے پرچے "ہمدم" نے ہندو مسلم مفاہمت کے مسئلے پر ایک نوٹ لکھا جس پر علامہ نے یورپ روانگی سے پہلے ذیل کا مکتوب "ہمدم" کے نام روانہ کیا اور اس میں قدرے تفصیل کے ساتھ اپنے موقف کی وضاحت کی

مکتوب بلا کسی القاب کے شروع ہوتا ہے۔

"ہمدم" نے مسلمانوں کو ہمیشہ بے لاگ مشورہ دیا ہے جس کے لیے تمام ملک آپ کا شکرگزار ہے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں مفاہمت کرانے کے سلسلے

دوبارہ کوشش کرنے کی تجویز آپ ہی کی تھی۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض بھی کیا تھا کہ شاید ایسی مفاہمت (کا[۱]) موقع پونا کے سمجھوتے کے بعد آجائے[۲]۔ میرے ذہن میں اس وقت یہ بات تھی کہ شاید اکثریت کوئی تجاویز مسلمانوں کے سامنے پیش کرے۔ مگر افسوس کہ ایسا نہ ہوا۔ پنڈت مدن موہن مالوی[۳] صاحب نے بھی وہی طریق اختیار کیا جو دہلی میں اس سے پہلے مہاتما گاندھی نے اختیار کیا تھا۔ بہرحال آپ نے مسٹر محمد علی جناح کا تار پڑھ لیا ہوگا۔ وہ بھی اس بات سے متفق ہیں کہ مفاہمت کی تجاویز ہندوؤں کی طرف سے پیش ہونی چاہئیں خواہ ان کا[۴] اساس مخلوط انتخاب کا اصول ہی کیوں نہ ہو۔ میرا عقیدہ یہ ہے کہ لکھنؤ کانفرنس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنے مطالبات میں جن کا وہ اعادہ کئی بار کر چکے ہیں از خود ترمیم کر دیں اور بالخصوص اصول انتخاب میں موجودہ حالات میں ایسا کرنا انتہا درجے کی سیاسی کمزوری کی دلیل ہے۔ اس کے علاوہ ایسا کرنے سے مسلمانوں میں انتشار اور افتراق کا دروازہ کھل جائے گا۔ اور جو اتحادِ خیال انہوں نے بڑی مشکل سے حاصل کیا ہے ضائع ہو جائے گا۔

"اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ حکومت کے تصفیے میں اور کچھ ہو نہ ہو پنجاب کے اندر مسلمانوں کی اکثریت پانچ یا سات کی زیادتی کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ صوبہ سرحد کو

---

[۱] اصل متن میں حرف "کا" موجود نہیں ہے۔

[۲] کمیونل اوارڈ کے ذریعے اچھوتوں کو جداگانہ انتخاب کا حق ملا تو گاندھی جی نے اس کے خلاف جیل میں مرن برت رکھ لیا۔ ہندوؤں نے بالآخر اچھوت لیڈر ڈاکٹر امبیدکر کو مخلوط انتخاب پر رضامند کر لیا، اسی رضامندی نے "پونا پیکٹ" کی شکل اختیار کی۔ علامہ اقبال اس کے بارے میں کچھ زیادہ پُرامید نہ تھے۔

[۳] معروف ہندو مہاسبھائی رہنما۔ وکیل، صوبائی اسمبلی اور امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر۔ ہندو یونیورسٹی بنارس کے وائس چانسلر۔ متعدد بار فرقہ پرست جماعت ہندو مہاسبھا کے صدر رہے۔ کئی مرتبہ کانگریس کے بھی صدر منتخب ہوئے۔

[۴] "کی" ہونا چاہیئے تھا۔

کو آئندہ نظام میں مساوات کا درجہ ملتا ہے۔ سندھ کی علیحدگی کے امکانات بھی قریب تر آ گئے ہیں اور ساتھ ہیں[1] اس کے جداگانہ انتخاب بھی قائم رہا ہے۔ جو میری رائے ناقص میں مسلمانوں کے تمام مطالبات کی اساس ہے[2]۔ جداگانہ انتخابات کو غیر مشروط طور پر قائم[3] رکھ کر حکومت نے مسلمانوں کو موقع دیا ہے کہ وہ اپنا مستقبل آپ متعقل کر لیں۔ چاہیں تو اکثریت میں جذب ہو جائیں اور چاہیں تو کم از کم بعض حصص ملک میں اپنی جداگانہ ملی ہستی[4] کو برقرار رکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں۔ اگر آج مسلمانوں نے قبل از وقت جداگانہ انتخاب سے دست برداری کر لی تو آئندہ مؤرخ ان کے ہندوستان میں سیاسی اعتبار سے مٹ جانے کے لئے حکومتِ برطانیہ کو ہرگز مطعون نہ کرے گا، بلکہ خود مسلمانوں کو اس بات کا مجرم قرار دے گا کہ جمہوری نظام میں بحیثیت اقلیت انہوں نے اپنی بربادی اپنے ہاتھوں مول لی۔

تاسف کا مقام ہے کہ ہمارے بعض لیڈر جن میں بعض علمائے دین بھی شامل ہیں مسئلہ انتخاب کو محض نمائندگی کا طریقہ کار تصور کرتے ہیں اور بس۔ جہاں تک میں نے مسلمانانِ ہند کی گذشتہ تاریخ اور ایشیائی اقوام کے موجودہ امیال و عواطف۔ اور مغربی اقوام کی ریشہ دوانیوں پر غور کیا ہے، جن کا اثر اس وقت مشرقی اقوام کے سیاسیات پر ہو رہا ہے[5]۔ مجھے اس بات کا کامل یقین

---

[1] "گفتارِ اقبال" کے متن میں "اس کے ساتھ ہی" درست نہیں ہے۔

[2] علامہ اقبال ہمیشہ سے جداگانہ انتخاب کے حامی تھے۔ ۱۹۲۷ء میں جب طریقِ انتخاب کے مسئلے پر مسلم لیگ میں اختلاف پیدا ہوا تو اقبال نے شفیع لیگ کا ساتھ دیا کیوں کہ وہ جداگانہ انتخاب کی حامی تھی۔ اس مسئلے پر انہوں نے مختلف مواقع پر بیانات وغیرہ کی صورت میں اپنے مؤقف کا اعادہ کیا۔ مثلاً ملاحظہ ہو: ۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء کا مشترکہ بیان، مشمولہ: "گفتارِ اقبال" ص ۱۵۸—۱۵۹۔

[3] "گفتارِ اقبال" کے متن میں لفظ "قائم" موجود نہیں ہے۔

[4] "گفتارِ اقبال": جداگانہ ہستی

[5] گفتارِ اقبال کے متن میں یہ جملہ: "جن کا اثر اس وقت .... پر ہو رہا ہے"، غائب ہے۔

ہے کہ ابھی ایک عرصہ تک مسلمانانِ ہند کا مستقبل جداگانہ انتخاب سے وابستہ ہے۔ میرے نزدیک جداگانہ انتخاب قومیت کے مغربی تصورات سے بھی (قومیت کا مغربی تخیل ایک روحانی بیماری ہے) متناقض نہیں اور اس کے باوجود ہندی اقوام میں اتحاد و یکجہتی پیدا ہو سکتی ہے خود یورپ میں بھی اس مقصد کا اب خاتمہ سمجھنا چاہیئے۔ لیکن یہ ممکن ہے کہ مشرقی اقوام یورپ کا اترا ہوا لباس پہن لیں اور انہیں مصائب سے دوچار ہوں جس سے یورپ دوچار ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ خاص اس امر کے متعلق میں اپنے خیالات کا اظہار ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کرتا مگر کل شام یورپ جا رہا ہوں اور جانے سے پہلے ابھی بہت سے کام باقی ہیں۔ اس واسطے ان چند سطور پر کفایت کرتا ہوں۔ مختصراً یہ کہ مفاہمت کی تجاویز کا مسلمانوں کی طرف سے پیش کرانا خصوصاً جب کہ مسلمانوں کے مطالبات ایک مدت سے سب کو معلوم ہیں، خلوص اور حب الوطنی کے نیک جذبات کا ثبوت نہیں بلکہ ایک سیاسی حیلہ ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ مسلمان کسی طرح اپنی مستقل ملی ہستی سے دست بردار ہو جائیں۔ ہندی اقوام کی مفاہمت کا وقت آئے گا اور ضرور آئے گا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے[1] کہ اکثریت، جس کا فرض ہے کہ اقلیتوں کا اعتماد حاصل کرے، ابھی اس کے لیے تیار نہیں۔ موجودہ حالات میں فرقہ وار مسائل کی بحث کو از سر نو چھیڑنا نہ مسلمانوں کی خدمت ہے نہ ملک کی۔ زیادہ کیا عرض کروں۔

مخلص

محمد اقبال

---

[1] "گفتارِ اقبال" کے متن میں عبارت "کہ مسلمان کسی طرح اپنی.... معلوم ہوتا ہے" موجود نہیں ہے۔

۷۳

بنام ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال

ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال ۵ راکتوبر ۱۹۲۴ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ایم اے تک تعلیم لاہور میں پائی۔ ۱۹۴۹ء میں اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان گئے اور ۱۹۵۴ء میں ——

The Development of Muslim Political Philosophy

کے موضوع پر مقالہ لکھ کر کیمبرج سے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ انہوں نے لندن سے بیرسٹرایٹ لاء کی ڈگری بھی حاصل کی۔ ۱۹۵۶ء میں لاہور واپس آئے تو وکالت کے ساتھ لاء کالج میں جزو وقتی لیکچرر کی حیثیت سے بھی کام کرنے لگے۔ ۱۹۶۰ء میں وہ آسٹریلیا میں منعقدہ بین الاقوامی سیمینار میں شریک ہوئے ۶۲-۱۹۶۰ء میں انہوں نے اقوامِ متحدہ میں پاکستان کی نمائندگی کی۔ اس کے بعد بھی انہوں نے مختلف مواقع پر امریکہ، کینیڈا اور میکسیکو وغیرہ کا دورہ کیا۔ ۱۹۷۱ء میں انہیں لاہور ہائی کورٹ کا جج مقرر کیا گیا۔ ۱۹۷۵ء میں انہوں نے اٹلی میں منعقدہ ایک بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کی اور ایک مقالہ بھی پڑھا۔ اس کے بعد انہوں نے ہسپانیہ کی سیاحت کی۔

اُن کے نام مندرجہ ذیل خط حضرت علامہ نے جنوری ۱۹۳۲ء میں سیاحتِ ہسپانیہ کے دوران میں لکھا تھا۔ اس سے پہلے اسی طرح کا ایک خط انہوں نے مدیر "انقلاب" کو بھی لکھا تھا۔ زیارتِ مسجد قرطبہ کے جو غیر معمولی اثرات ان کے دل و دماغ پر مرتب ہوئے تھے حضرتِ علامہ چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ان سے فیضان حاصل کریں۔ اپنے عزیز بیٹے کے بارے میں زیارتِ مسجد قرطبہ کی آرزو، دعا کی صورت میں ڈھل گئی، کہ: "خدا کرے

کہ تم جوان ہوکر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو۔ حضرت علامہ کی یہ دعا کوئی ۴۳ برس بعد جاکر اس وقت پوری ہوئی۔ جب ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال کو اگست ۱۹۷۵ء میں سیاحت ہسپانیہ کا موقع ملا۔

یہ خط ہسپانیہ سے ایک تصویری کارڈ کی صورت میں روانہ کیا گیا تھا جس پر نہ تو کوئی تاریخ درج تھی اور نہ ہی القاب وغیرہ۔

"میں خدا کا شکر گذار ہوں کہ میں اس مسجد کے دیکھنے کے لیے زندہ رہا۔ یہ مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے۔ خدا کرے کہ تم جوان ہوکر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو۔"

(۷۴)

بنام لارڈ لوتھین

"لارڈ لوتھین ایک برطانوی نواب تھے۔ امریکہ میں برطانیہ کے سفیر بھی رہے۔ دوسری اور تیسری گول میز کانفرنس کے اہم شرکاء میں سے تھے۔ ۱۹۳۸ء میں ہندوستان کا دورہ کیا۔ اسی دوران میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے کانووکیشن سے بھی خطاب کیا۔

لارڈ موصوف حضرت علامہ کے بڑے مداح تھے۔ قیام ہندوستان کے زمانے میں علامہ اقبال سے ملاقاتیں بھی رہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس سے اقبال کے انگریزی خطبات کے دوسرے ایڈیشن کی اشاعت (۱۹۳۴ء) میں ان کی کوششوں کو دخل تھا۔ لارڈ لوتھین کے ایماء اور وساطت سے ہی علامہ کو آکسفورڈ یونیورسٹی میں روڈز لیکچر کی دعوت دی

گئی تھی۔ اقبال نے لیکچر کے لیے Space and Time in Muslim Thought کا موضوع بھی منتخب کر لیا تھا۔ پہلے طے ہوا تھا کہ علامہ اپریل ۱۹۳۴ء میں یہ لیکچر دیں گے۔ پھر اُن کی علالت کے سبب یہ پروگرام اگلے برس پر ملتوی کر دیا گیا مگر بدقسمتی سے مسلسل علالت انگلستان کے سفر میں ایسی سدِ راہ بنی کہ یہ پروگرام ناتمام ہی رہ گیا۔

۱۷ مارچ ۱۹۳۳ء

(انگریزی)

مائی ڈیر لارڈ لوتھین،

آپ کے عنایت نامے کا بہت بہت شکریہ جو کل دہلی سے واپسی پر مجھے موصول ہوا۔ میں لندن سے ۳۰ دسمبر ۱۹۳۲ء کو روانہ ہوا اور پیرس میں رُکنے کے بعد ہسپانیہ چلا گیا۔ جہاں میں نے تقریباً تین ہفتے گزارے[1]۔ فروری کے آخر میں ہندوستان پہنچا۔ آپ کا خط مجھے اسی وجہ سے اتنی تاخیر سے ملا۔ مجھے یہ سُن کر خوشی ہوئی کہ آپ نے میری کتاب خطبات کو پسند کیا ہے۔ آپ نے آکسفورڈ کے مسٹر تھامس ایڈورڈ کو خط لکھا تھا چنانچہ اس ضمن میں انہوں نے مجھے لکھا اور میں نے انہیں کتاب کے دو نسخے روانہ کر دیئے ہیں۔ اگر آکسفورڈ یونیورسٹی ان خطبات کی طباعت و اشاعت کا فیصلہ کرتی ہے تو میں خطبات میں کہیں کہیں تھوڑا بہت ردّ و بدل کروں گا اور اپنے اس خطبے بعنوان "کیا مذہب کا امکان ہے" کا اضافہ بھی کروں گا جو میں نے لندن کی ارسطاطالین سوسائٹی کے سامنے دیا تھا۔ ہسپانیہ اور فرانس میں میرا وقت بہت دلچسپی سے گذارا۔ پیرس میں قیام کے دوران میں برگساں سے ملاقات ہوئی۔ جدید فلسفے اور تمدّن (Civilization) پر ہماری گفتگو تقریباً دو گھنٹے تک

---

[1] غلام رسول مہر کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: "ہسپانیہ میں جو کچھ دیکھا ایک خط کے ظرفِ تنگ میں کیونکر سما سکتا ہے۔" (انوارِ اقبال: ص ۱۰۲)

17th March 1933

My dear Lord Lothian,

Thank you so much for your kind letter which reached me yesterday on my return from Dehli. I left London on the 30th of December 1932 and after making some halt at Paris I left for Spain where I spent nearly three weeks. I reached India about the end of February. This is the reason why your letter reached me so late. I am so glad to learn that you liked my book of lectures. Mr. Thomson Edward of Oxford to whom you had written wrote to me to the same effect and I have sent him two copies of the book. In case the Oxford University decides to print and publish these lectures I should like to make a few alterations here and there and perhaps add the lecture "Is Religion Possible?" which I delivered to the Aristotelian Society of London. I had very interesting time in Spain and France. During my stay in Paris I met Bergson. Our conversation on modern Philosophy and Civilization lasted for about two hours. Part of the time we talked on Berkeley on whose philosophy the French Philosopher made some very interesting observations. In Spain I came into contact with many professots of Arabic who are enthusiastic about the culture of Islam. The Madrid University requested me to address the University on "Spain and the Intellectual World of Islam." My address was very much appreciated. Professor Asin, the well-known author of *Divine Comedy of Islam*, presided. The new Government of Spain is aiming at turning Granda into a kind of cultural Macca for the world of Islam. I think it is high time that England should take some serious interest in cultural side of Islam. As a matter of fact Islam as an Economic system is much more interesting and likely to suggest much more practical solutions of our present difficulties.

The White Paper is coming out today. The Muslims of India are extremely anxious about their position in the Centre.

جاری رہی۔ کچھ وقت ہم نے برکلے[1] پر تبادلۂ خیال کیا جس کے فلسفے پر بعض فرانسیسی فلاسفروں نے بعض نہایت دلچسپ مشاہدات پیش کیے ہیں[2]۔ ہسپانیہ میں قیام کے دوران میں عربی کے بہت سے پروفیسروں سے میرا رابطہ قائم ہوا جو اسلام کے کلچر کے بارے میں بہت پُرجوش نظر آتے تھے۔ میڈرڈ یونیورسٹی نے Spain and the Intellectual World of Islam کے موضوع پر مجھ سے یونیورسٹی میں خطاب کرنے کی درخواست کی۔ میرے خطاب کو بے حد سراہا گیا۔ صدارت پروفیسر آسن نے کی جو Divine Comedy of Islam کے معروف مصنف ہیں[3]۔ ہسپانیہ کی نئی حکومت غرناطہ کو دنیائے اسلام کے لیے ایک طرح کا تہذیبی مکہ بنانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ میرے خیال میں مناسب ترین وقت یہی ہے کہ انگلستان کو اسلام کے تہذیبی پہلو میں سنجیدگی کے ساتھ دلچسپی لینی چاہیے۔ درحقیقت ایک معاشی نظام کی حیثیت سے اسلام کہیں زیادہ دلچسپ ہے اور ہماری موجودہ مشکلات کے کہیں زیادہ عملی حل تجویز کرتا ہے۔

قرطاسِ ابیض آج منظرِ عام پر آرہا ہے[4]۔ ہندوستان کے مسلمان یہ معلوم کرنے کے لیے بہت بے چین ہیں کہ مرکز میں ان کی کیا حیثیت ہوگی[5]

---

[1] برکلے: (۱۶۸۵ء - ۱۷۵۳ء) آئرلینڈ کا فلاسفر، ریاضی دان، ماہر طبیعات اور پادری

[2] برگساں سے ملاقات کا ذکر اقبال کے ایک اور خط بنام سر ڈیم روتھنسٹین میں بھی ملتا ہے۔ علامہ بتاتے ہیں کہ ایک دوست نے اس ملاقات کے دوران میں ہونے والی گفتگو کے نوٹس بھی لیے تھے مگر وہ ضائع ہوگئے۔ Letters and Writings of Iqbal. ص ۱۰۳

[3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: Letters and Writings of Iqbal. ص ۷۷، ۷۹

[4] "قرطاسِ ابیض" تیسری گول میز کانفرنس کی سفارشات پر مشتمل تھا جو برطانوی حکومت کی طرف سے مارچ ۱۹۳۳ء میں جاری کیا گیا۔ مذکورہ قرطاسِ ابیض کے بارے میں علامہ اقبال نے ۲۰ مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک بیان جاری کیا (بیان کا انگریزی متن ملاحظہ ہو: اقبال ریویو، اکتوبر ۱۹۶۹ء ص ۹۱-۹۲ کے حواشی)

[5] خط کا اختتام اچانک ہوتا ہے، آخر میں لکھنے والے کا نام وغیرہ کچھ درج نہیں ہے۔

(۷۴)

بنام ڈاکٹر ریاض الحسن

ڈاکٹر سید ریاض الحسن اُن دنوں الٰہ آباد یونیورسٹی میں ایم اے معاشیات کے طالب علم تھے۔

انہوں نے ایم اے کا مقالہ Economic Theory of Islam کے موضوع پر لکھا۔ بعد میں انہیں خیال آیا کہ علامہ اقبال سے مشورے اور راہنمائی کے بعد مقالے کو مزید بہتر بنایا جائے چنانچہ انہوں نے اپنا مقالہ حضرت علامہ کی خدمت میں روانہ کیا اور اُن سے راہنمائی کے طالب ہوئے۔ جواباً علامہ اقبال نے انہیں مندرجہ ذیل خط تحریر کیا۔ وہ ان دنوں کراچی یونیورسٹی میں استاد ہیں۔

۲۹ مئی ۱۹۳۴ء

(انگریزی)

ڈیر سر!

مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں آپ کا مضمون پڑھنے کے لئے وقت نہیں نکال سکتا۔ البتہ میں آپ کو یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ آپ مسولینی[۱] کے نظریات کا بغور مطالعہ کریں۔ اسلامی معاشیات کی روح یہ ہے کہ سرمائے کی بڑی مقدار میں اضافے کو ناممکن بنا دیا جائے۔ مسولینی اور ہٹلر[۲] کا اندازِ فکر بھی یہی تھا۔ بالشوزم نے سرمایہ داری کا کلیتاً خاتمہ کر کے انتہا

---

[۱] مسولینی: (۱۸۸۳ء — ۱۹۴۵ء) اٹلی کا معروف ڈکٹیٹر۔ دوسری گول میز کانفرنس سے واپسی پر ۲۷ نومبر ۱۹۳۱ء کو روم میں علامہ نے اس سے ملاقات کی۔ مسولینی نے بعض مواقع پر سرمایہ دارانہ نظام کو اٹلی کے لئے ناموزوں قرار دیا اور بڑی ملکیتوں کو ریاست کے کنٹرول میں لینے کی کوشش کی۔

[۲] ہٹلر: (۱۸۸۹ء — ۱۹۴۵ء) جنوری ۱۹۳۳ء میں برسرِ اقتدار آیا۔ چند ماہ بعد علامہ نے یہ خط لکھا تو اس وقت تک ہٹلر اور نازی بڑے سرمایہ داروں کے دشمنوں نیز عام آدمی کے دوستوں اور قومی سوشلزم کے حامیوں کی حیثیت سے معروف تھے۔

29th May 1933

Dear Sir,

I am extremely sorry I have no time to read your essay. But I could suggest that you should make a careful study of the ideas of Mussolini. The essence of Islamic Economics is to render the growth of large capitals impossible. Mussolini and Hitler think in the same way. Bolshevism has gone to the extreme of abolishing capitalism altogether. In all aspects of life Islam always takes the middle course. Says the Quran:

وکذالک جعلنا کم امة وسطاً لتکونواشہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا

The subject of the شرایع of Islam is only a recent discovery in Europe. Its inportance is likely to attract the attention of European scholars. Indeed some German scholars have already begun to work at it. You may also read with advantage a book called the *Sociology of Islam*. I forget the name of the author.

yours truly
Muhammad Iqbal

پسندی کا مظاہرہ کیا ہے[1]۔ اسلام زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہمیشہ اعتدال کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

وکذالک جعلنا کم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا[2]

اسلام کی شریعتوں کا موضوع یورپ نے حال ہی میں دریافت کیا ہے اور یہ موضوع ایسا اہم ہے کہ غالباً یورپی علماء اس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ بلاشبہ جرمن عالموں نے پہلے ہی اس پر کام کرنا شروع کر دیا ہے Sociology of Islam اسلام کی عمرانیات نامی ایک کتاب کا مطالعہ بھی آپ کے لیے باعثِ افادیت ہوگا۔ میں مصنف کا نام بھول گیا[3]

آپ کا مخلص

محمد اقبال

---

[1] ایڈیٹر زمیندار کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں: "مغرب کی سرمایہ داری اور روسی بولشوزم دونوں افراط و تفریط کا نتیجہ ہیں۔ اعتدال کی راہ وہی ہے جو قرآن نے ہم کو بتائی ہے" (خطوطِ اقبال ص ۱۵۶)

[2] ترجمہ: "اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک امتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو" (البقرہ: ۱۴۳)

[3]۔ اس کے مصنف مشہور مستشرق Prof. R. Levy ہیں جو اس زمانے میں لندن یونیورسٹی میں فارسی زبان اور ادب کے استاد تھے۔ کتاب ۱۹۲۰ء کے لگ بھگ شائع ہوئی تھی، بعد میں کسی اور مصنف نے نظر ثانی اور ترمیم کے بعد اسے Social Structure of Islam کے نام سے دوبارہ شائع کیا۔

(۷۶)

بنام سیّد غلام شبّیر بخاری

علامہ سیّد غلام شبّیر بخاری صاحب ایک طویل عرصے سے محکمۂ تعلیم پنجاب سے وابستہ ہیں۔ سرگودھا اور ملتان میں ناظم تعلیمات رہے۔ ان دنوں محکمہ تعلیم حکومت پنجاب کے ڈپٹی سیکرٹری ذیلی تعلیم ہیں۔

یہ مکتوب ایک پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا تھا۔ خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے مگر ڈاک خانے کی مہر ۹ فروری ۱۹۳۴ء کی ہے۔

✧

از دفتر ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب

بیرسٹر ایٹ لاء، لاہور

مکرمی، السلام علیکم

آپکا کارڈ مورخہ ۵-۲-۳۴ جناب ڈاکٹر صاحب۔ پہونچا۔ کاشف امور مندرجہ خود کا ہوا۔ جواباً فرمایا ہے کہ میں آپکی خدمت میں عرض کروں کہ اگر جناب کو تحقیق منظور ہے۔ اگر جناب راہِ راست کے خواہاں ہیں تو یہ معاملہ خط و کتابت سے طے نہیں ہوا کرتا۔ تشریف لائیے اور اپنے شکوک رفع کرائیے۔ اطمینانِ قلبی حاصل کیجیے۔ پھر جونسا فرقہ پسند ہو اختیار فرمائیں یا جس فرقے میں چاہیں منسلک ہو جائیں، قرار پائیں۔ اسلام نام ہے علمائے باعمل کی صحبت کا[۱] مطالعے

ل اصل متن میں "کا" موجود نہیں ہے۔

سے بھی آپ پر اصلیت ظاہر ہو جائیگی۔ دیگر یہ بہتر ہوگا کہ اگر جناب نے تشریف لانا ہو تو اس ماہ کے آخر میں تشریف لائیں کیونکہ آج کل ڈاکٹر صاحب کی طبیعت ناساز ہے، بیمار ہیں۔ انشاء اللہ جلد ازالہ ہو جائیگا۔

نیاز مند

طاہر الدین

(۷۷)

بنام فقیر سید وحید الدین

کرنل سید وحید الدین کا تعلق، لاہور کی معروف فقیر فیملی سے ہے۔ ان کے جدِ امجد فقیر سید عزیز الدین راجہ رنجیت سنگھ کے وزیرِ اعظم رہے۔ سید وحید الدین کے بقول علامہ مرحوم سے ہمارے خاندانی مراسم کی ابتداء، اصل میں میرے درویش سیرت نانا فقیر سید افتخار الدین کے وسیلہ سے ہوئی۔ اقبال مرحوم اوائل عمر میں اُنہیں ملے لیکن جب بھی شاعرِ مشرق کے حال میں اُن کا مستقبل درخشاں تھا جس سے نانا مرحوم بہت متاثر ہوئے۔ اسی توسط سے والدِ مرحوم سے رسم و راہ شروع ہوئی۔" (روزگارِ فقیر، حصہ اوّل ص ۳۰)

فقیر سید وحید الدین ۱۹۰۵ء میں فقیر سید نجم الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ علی گڑھ کالج میں پڑھتے تھے۔ ایک بار تعطیلات میں گھر آئے۔ تیرہ چودہ برس کی عمر تھی۔ ایک سہ پہر کو علامہ اقبال، فقیر سید نجم الدین کے ہاں تشریف لے گئے۔ فقیر سید وحید الدین کو پہلی بار علامہ کی خدمت میں حاضری کا موقع نصیب ہوا۔ "اس پہلی ملاقات کے بعد علامہ مرحوم کو اکثر اپنے ہاں رونق افروز ہوتے دیکھا۔ اگر والد لاہور میں موجود ہوں تو شاید ہی کوئی دن جاتا ہوگا کہ اقبال ہمارے ہاں تشریف نہ لاتے ہوں یا والد ان کے ہاں نہ جاتے ہوں۔" (روزگارِ فقیر:

حصّہ اوّل، ص ۲۹) فقیر سیّد وحید الدین کو ایک طویل عرصے تک علامہ اقبال کی صحبتوں سے استفادے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے ان ملاقاتوں کی یادداشتوں، علامہ کے ملفوظات، بعض یادگار تصاویر اور غیر مطبوعہ کلام کو مرتب و مدوّن کرکے بہ تفصیلِ ذیل، دو جلدوں میں شائع کیا:

(۱) روزگارِ فقیر (جلد اوّل) طبع اوّل: ۱۹۵۰ء

غیر معمولی اضافے کے ساتھ طبع دوم: ۱۹۶۳ء

(۲) روزگارِ فقیر (جلد دوم) طبع اوّل: ۱۹۶۴ء

فقیر سیّد وحید الدین نے حصولِ تعلیم کے بعد ۱۹۴۰ء میں فوج کی ملازمت اختیار کی اور کرنل کے عہدے تک پہنچے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد انہوں نے حسبِ ذیل کتابیں مرتب کرکے شائع کیں: (۱) انجمن (۲) محسنِ اعظم و محسنین (۳) اقبال تصویروں میں (انگریزی)

ان کا انتقال ۱۶ رجولائی ۱۹۶۸ء کو کراچی میں ہوا۔

فقیر سیّد وحید الدین کے نام علامہ اقبال کا صرف ایک ہی خط دستیاب ہے۔ اس خط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے، مکتوب الیہ کو لکھتے ہیں: "میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں بمبئی جا رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا تو مجھے بلا کے کہا کہ رفیق غزنوی نے میری چند غزلیں ہِز ماسٹرز وائس پر ریکارڈ کرائی ہیں۔ اُن سے مل کر ذرا یہ معلوم کرنا کہ وہ کون سی غزلیں ہیں۔ میں نے بمبئی پہنچ کر اس سلسلے میں معلومات حاصل کیں اور ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا۔ غالباً جو معلومات میں نے بہم پہنچائی تھیں، وہ نامکمل تھیں۔ اس لیے انہوں نے مجھے ذیل کا خط لکھا:"

(روزگارِ فقیر، حصّہ اوّل ص ۶۰)

✡

ڈیر وحید، آپ کا خط مل گیا ہے

معلوم یہ کرنا ہے کہ وہ غزل یا غزلیں کون سی تھیں جو رفیق صاحب نے گائیں ان کا ایک ایک مصرع اُن سے لکھوا لیں۔ آپ کے خط میں غزل کا نشان درج نہیں ہے۔ والسلام

محمد اقبال

۲۷ رجولائی ۱۹۳۴ء

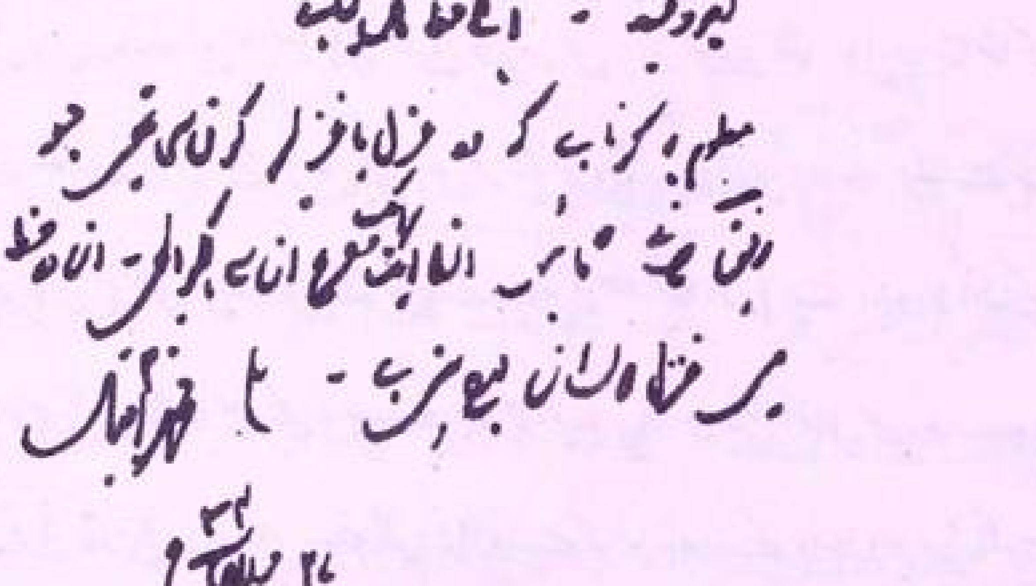
محمد اقبال

(۷۸)

بنام پروفیسر محمد طاہر فاروقی

پروفیسر محمد طاہر فاروقی رام پور (یو۔پی) میں ۱۴ ستمبر ۱۹۰۵ء کو پیدا ہوئے۔ پہلے عربی درسِ نظامیہ کی تعلیم حاصل کی، پھر دورۂ حدیث کیا۔ اس کے بعد آگرہ یونیورسٹی سے ایم اے فارسی (۱۹۳۲ء) اور ایم اے اردو (۱۹۴۴ء) اوّل بدرجہ اوّل میں پاس کیا۔ ۲۰ برس تک مختلف سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مدرسی کی۔ صدر شعبۂ اردو، پشاور یونیورسٹی کے عہدے سے ریٹائر ہو کر ترکی چلے گئے اور وہاں انقرہ یونیورسٹی میں شعبۂ اردو قائم کیا۔ جولائی ۱۹۷۰ء میں وہاں سے ریٹائر ہوئے۔ پشاور میں مستقلاً قیام پذیر ہیں۔ چند تصانیف: سیرتِ اقبال۔ بزمِ اقبال۔ خیابانِ اقبال۔ پاکستان میں اردو۔ نثر نگاری کا فن بمولانا محمد علی مرحوم۔ سیرتِ امیرِ ملت۔ مختصر تاریخِ ادبِ فارسی۔ ادبیاتِ ایرانِ نو۔

درج ذیل خط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فاروقی صاحب لکھتے ہیں: "جب حکومت ایران نے فردوسی کی ہزار سالہ جوبلی منانے کا اعلان کیا تو علامہ اقبال مرحوم کو بھی دعوت دی تھی۔ میں اس زمانے میں حلیم مسلم ہائی سکول کانپور میں ہیڈ مولوی تھا۔ دل چاہتا تھا کہ کسی کا ساتھ نصیب ہو جائے تو میں بھی اس موقع پر ایران ہو آؤں۔ علامہ مرحوم سے بہتر اور کس کی ہمرکابی ہو سکتی تھی۔ اس لئے میں نے مرحوم کو خط لکھا اور اپنے ارادہ کا اظہار کیا علامہ ان ایام میں علیل تھے۔ پھر بھی آپ نے جلد جواب دیا" (سیرتِ اقبال ص ۱۲۷-۱۲۸)

خط پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے مگر اندازہ ہے کہ ۱۹۳۴ء کے وسط (جولائی، اگست) میں لکھا گیا ہوگا۔ کیوں کہ فردوسی کا جشن ۱۲ تا ۳۰ ستمبر ۱۹۳۴ء کو منایا گیا۔

مکرمی، السلام علیکم!

میں کچھ عرصے سے علیل ہوں، ناسازئ طبع کے باعث سفر کا ارادہ ملتوی کر چکا ہوں[۱] آپ کا قصد ہے تو جایئے[۲]۔ قنصل جنرل ایران سے خط و کتابت کر کے جزئیات معلوم کر لیں۔

نیاز مند

محمد اقبال

---

[۱] علامہ اقبال کی طویل علالت کا آغاز ۱۰ جنوری ۱۹۳۴ء بروز عید الفطر کو ہوا، جس کے نتیجے میں ان کی علمی زندگی معطل ہو کر رہ گئی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "علامہ اقبال کی آخری علالت" از سید نذیر نیازی مشمولہ: رسالہ "اردو" - اقبال نمبر ۱۹۳۸ء ص ۲۰۹-۲۴۲)

[۲] فاروقی صاحب بھی جشنِ فردوسی میں شریک نہ ہو سکے۔

بنام قاضی تلمذ حسین

قاضی تلمذ حسین گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ ابتدائی تعلیم مشرقی طرز پر ہوئی۔ بعد میں علی گڑھ سے ایم اے کیا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء میں ممتاز عہدے پر فائز رہے۔ انہوں نے متعدد کتابیں تصنیف کیں مگر "مرأۃ المثنوی" ان کا شاہکار ہے۔ اس کتاب کی اشاعت پر علمی حلقوں نے ان کی اس کاوش کو بہت سراہا۔ مثلاً سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا: "مثنوی شریف (مولانا روم) کی اشاعت کے بعد سے بکثرت اہلِ علم اور اربابِ معرفت نے شرح اور حواشی لکھ کر اس کی خدمت کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ قاضی تلمذ حسین صاحب نے اس مبارک کتاب کے لیے جو کام کیا ہے، وہ آج تک کسی نے نہیں کیا۔ انہوں نے تقریباً ۲۲ سال مثنوی شریف کے مطالعہ میں صرف کیے ہیں۔ قاضی صاحب کی یہ محنت حقیقت میں بہت قابلِ قدر ہے۔" (ماہنامہ ترجمان القرآن۔ ذی الحج ۱۳۵۲ھ، جلد ۳، شمارہ ۶) یہ کتاب دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ، حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی تھی۔ قاضی صاحب کے نام، حضرتِ علامہ کے مندرجہ ذیل خطوط میں کئی مقامات پر اس کتاب کا ذکر آیا ہے۔

(۷۹) —— (۱)

لاہور۔ ۲ر جنوری ۱۹۲۵ء

جنابِ من۔ تسلیم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ افسوس کہ میں ابھی تک علیل ہوں۔ گو پہلے کی نسبت کسی قدر آواز بہتر ہے۔

مجھے پہلے سے اندیشہ تھا کہ کتاب[1] کی فروخت میں آپ کو زیادہ کامیابی نہیں ہوگی۔ ہندوستان میں فارسی کا مذاق اب بہت کم ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ تعلیم یافتہ مسلمانوں میں عام طور پر مذہبی ذوق بھی مفقود ہے۔

بہاولپور کے نوجوان[2] نواب اگرچہ خود فارسی تصانیف کا ذوق شاید نہیں رکھتے۔ تاہم قدر دان ضرور ہیں۔ آپ ان کی خدمت میں ایک کتاب عمدہ جلد کرا کر بطور ہدیہ ارسال کریں میں بھی کوشش کروں گا کہ ان کی توجہ آپ کی کتاب کی طرف مبذول ہو۔ افسوس کہ ان کے گرد و پیش اچھے آدمی نہیں ہیں۔ لیکن ممکن ہے عنقریب کوئی خوش گوار تبدیلی ان کے مصاحبین میں ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو ممکن ہے بہتر نتیجہ ہو

اس کے علاوہ آپ سر سید راس مسعود[3] صاحب کو بھوپال لکھیں۔ اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال بھی اہلِ علم کے قدردان ہیں۔ ان کی خدمت میں کتاب عمدہ جلد کرا کر بھیجیے سید راس مسعود صاحب اور شعیب صاحب قریشی منسٹر[4] بھوپال کی خدمت میں بھی ایک ایک نسخہ ارسال کیجیے۔

والسلام۔ محمد اقبال۔ لاہور

---

[1] مراۃ المثنوی مراد ہے۔

[2] جنرل الحاج سر امیر صادق محمد خاں خامس عباسی "صادق اعظم"۔ تعارف کے لیے دیکھیے، ص ۲۱۶

[3] سر راس مسعود کا تفصیلی ذکر، اُن کے نام ایک خط کے ضمن میں ملاحظہ ہو: ص ۲۶۱

[4] شعیب قریشی۔ مختلف اوقات میں "ینگ انڈیا" کے ایڈیٹر اور کانگریس کے سیکرٹری رہے۔ پھر تحریکِ خلافت سے وابستہ ہو گئے۔ بعد میں نواب حمید اللہ خان والیٔ بھوپال کے پرائیویٹ سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ریاست بھوپال میں بعض دوسرے ممتاز عہدوں پر بھی فائز رہے۔ شعیب قریشی، مولانا محمد علی جوہر کے داماد تھے۔ علامہ اقبال سے بہت اچھے مراسم تھے۔ علامہ جب کبھی بھوپال جاتے تو استقبال اور پذیرائی میں شعیب قریشی پیش پیش ہوتے۔

(۸۰) --- (۲)

جنابِ من --- السلام علیکم

آپ کا خط ابھی ملا ہے۔ آپ اپنی کتاب نواب صاحب کی خدمت میں ارسال نہ کیجئے۔ آٹھ دس روز تک حج بیت اللہ کو جانے والے ہیں۔ ان کی واپسی تک انتظار کیجئے جو جلد ہوگی۔

یورپ جانے کا قصد نہیں ہے۔

محمد اقبال۔ لاہور
۱۷ر جنوری ۱۹۳۵ء

(۸۱) --- (۳)

معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے مشورے کے مطابق قاضی صاحب نے اپنی تالیف نواب صاحب بہاولپور کو نہیں بھیجی۔ پھر شاید انہیں خیال بھی نہ رہا۔ کوئی ایک برس بعد دوبارہ خیال آیا تو اقبال کو خط لکھ کر مشورہ مانگا۔ جواباً علامہ نے یہ خط ارسال کیا۔ اس زمانے میں وہ بغرضِ علاج بھوپال میں مقیم تھے۔

بھوپال۔ ۸ر مارچ ۱۹۳۶ء

جناب قاضی صاحب --- السلام علیکم

میں ابھی تک علیل ہوں اور یہاں بھوپال میں برقی علاج کے لئے مقیم ہوں[1]۔ اس وقت بہاولپور کی ریاست ہندو مسلم مناقشات میں الجھن ہوئی ہے۔ موقع موزوں نہیں تاہم اگر آپ قرارۃ المثنوی وہاں بھیجنا چاہیں تو عرض داشت کرنل مقبول حسین صاحب قریشی ہوم ممبر ریاست کے نام بھیجیے۔ میں نے اُن کے نام ایک خط لکھ دیا ہے جو اسی لفافے میں بند ہے۔ خط بھی عرض داشت کے ہمراہ بھیجیے۔

والسلام
محمد اقبال

---

[1] بھوپال میں برقی علاج کی تفصیل، ڈاکٹر سید عبدالباسط کے نام خطوط (ص ۲۴۹-۲۵۷) میں ملے گی۔

(۸۲) ——— (۴)

جنابِ من

آپ کا لفافہ ابھی ملا ہے۔ خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ میری صحتِ عامہ تو اچھی ہے مگر آواز میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی ہے۔ میں نے کوئی مقالہ حضرتِ رومیؒ پر نہیں لکھا آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے۔

والسلام

محمد اقبال

۲۷ جولائی ۱۹۳۶ء

(۸۳)

بنام خواجہ سجّاد حسین

علامہ اقبال کو مولانا الطاف حسین حالیؔ سے خاص ارادت تھی۔ ۱۹۰۴ء میں حالیؔ، انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں شریک ہوئے۔ ضعف، اور پیری کے سبب خود نظم نہ پڑھ سکتے تھے۔ اگر پڑھتے بھی تو مجمع زیادہ تھا اور حالیؔ کی آواز زیادہ دور تک نہ پہنچ سکتی۔ علامہ اقبال بھی سٹیج پر موجود تھے، اُن سے درخواست کی گئی کہ وہ حالیؔ کی نظم پڑھکر سنائیں اقبال نے نظم سنانے سے پیشتر فی البدیہہ ایک رباعی پڑھی ؎

مشہور زمانے میں ہے نامِ حالیؔ — معمورِ مئے حق سے ہے جامِ حالیؔ

میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا — نازل ہے مرے لب پہ کلامِ حالیؔ

یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو پانی پت میں حالیؔ کا انتقال ہوگیا۔

اکتوبر ۱۹۳۵ء میں حالیؔ کے صد سالہ یوم ولادت کے موقع پر پانی پت میں حالی کے جشنِ صدسالہ کا پروگرام مرتب ہوا۔ تقریبات کا اہم ترین اجلاس نواب حمید اللہ خان والیٔ بھوپال کی صدارت میں منعقد ہونے والا تھا۔ حالی کے فرزند خواجہ سجاد حسین نے علامہ اقبال کو دعوت دی کہ وہ جشن کی تقریبات میں شریک ہوں اور نظم بھی سنائیں۔ اگرچہ علامہ جنوری ۱۹۳۴ء سے بیمار چلے آرہے تھے۔ تاہم آپ نے جشن میں شرکت پر رضامندی ظاہر کی۔ اس سلسلے میں خواجہ سجاد حسین کے نام ذیل کا خط لکھا:

۱۲ ستمبر ۳۵ء

مخدوم و مکرم جناب خواجہ صاحب، السلام علیکم و رحمۃ اللہ

آپ کا والانامہ مل گیا ہے۔ اگر میری صحت اچھی رہی تو میں انشاءاللہ ۲۴ یا ۲۵ اکتوبر کو ضرور حاضر ہوں گا۔ مسعود[1] کا خط آپ کے ساتھ ہی ملا۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں ۲۵ یا ۲۴ کو پانی پت پہنچ جاؤں۔ بہرحال انشاءاللہ ضرور حاضر ہونگا۔ میرے ساتھ لاہور کے ایک دو احباب بھی غالباً اس مبارک تقریب میں حاضر ہونے کا قصد رکھتے ہیں[2]۔ چند اشعار فارسی میں نے لکھے ہیں جو اعلیحضرت[3] کی تشریف آوری کے موقع پر جلسہ کے آغاز سے پہلے پڑھ دیے جائیں تو خوب رہے گا۔ کاش میں خود پڑھ سکتا۔ گلے کی خرابی سے یہ بات ممکن نہیں۔ آپ انہیں کسی ایسے

---

[1] سر راس مسعود (۱۸۸۹ء — ۱۹۳۷ء) مفصل حالات کے لیے دیکھیے: ص ۲۶۱)

[2] علامہ اقبال ۲۵ اکتوبر کو پانی پت پہنچے ۲۶ اکتوبر کے تاریخی اجلاس بصدارت نواب حمید اللہ خاں والیٔ بھوپال میں شریک ہوئے۔ لاہور سے سید نذیر نیازی، راجہ حسن اختر اور چودھری محمد حسین بھی شریک اجلاس تھے۔ جاوید اقبال بھی علامہ کے ہمراہ تھے۔

[3] نواب حمید اللہ خاں والیٔ بھوپال۔

نوجوان کو یاد کرا دیں جو فارسی درست پڑھ سکتا ہو۔ اور خوش الحان ہو۔ اشعار جب آپ کا ارشاد ہوگا، ارسالِ خدمت کرونگا۔[۱] والسلام

مخلص

محمد اقبال

---

[۱] "اشعار"، علامہ اقبال نے تقریب سے کئی روز پہلے خواجہ سجاد حسین کو ارسال کر دیئے تھے۔ اجلاس شروع ہوا تو تلاوت اور خواجہ سجاد حسین کے سپاس نامے کے بعد حفیظ جالندھری نے ترنم سے ایک نظم (ملاحظہ ہو: اقبال اور بھوپال، ص ۱۴۰ - ۱۴۳) سنائی۔ اس کے بعد حالی مسلم سکول کے ایک ماسٹر صاحب نے نہایت خوش الحانی کے ساتھ، اقبال کے اشعار پڑھے۔ "اشعار" حسب ذیل تھے:

مزاجِ ناقہ را مانندِ عرفی نیک مے بینم چو محمل را گراں بینم حدی را تیز تر خوانم
حمید اللہ خاں اے ملک و ملت را فروغ از تو ز الطافِ تو موجِ لالہ خیزد از خیابانم
طوافِ مرقدِ حالی سزد اربابِ معنی را نوائے او بجا نہا فگند شورے کہ مے دانم

بیا تا فقر و شاہی در حضورِ او بہم سازیم
تو بر خاکش گہر افشاں و من برگِ گل افشانم

(سرودِ رفتہ ص ۱۹۴)

علامہ اقبال بذاتِ خود سٹیج پر نواب صاحب کے برابر تشریف فرما تھے۔

بنام ڈاکٹر عبدالباسط

۱۰ر جنوری ۱۹۳۴ء کو عیدالفطر کا دن تھا۔ نمازِ عید کے بعد علامہ اقبال گھر پہنچے تو سویّاں پر دہی ڈال کر کھائیں۔ اگلے روز نزلے کی شکایت ہوگئی۔ گلا بچپن ہی سے خراب رہتا تھا۔ چند روز بعد شدید کھانسی ہوگئی۔ مسہل تجویز کیا گیا۔ کھانسی تو جاتی رہی لیکن گلا بیٹھ گیا۔ یہ علامہ کی طویل علالت کا آغاز تھا۔

کئی طرح کے علاج ہوئے مگر صحت پوری طرح بحال نہ ہو سکی۔ ڈاکٹری معائنہ کرایا گیا تو معلوم ہوا کہ دل کے اوپر کی طرف ایک نئی Growth ہو رہی ہے۔ جس کے دباؤ سے دوکل کارڈ Vocal Chord متاثر ہوئی ہے۔ ڈاکٹروں نے لندن یا وی آنا جانے کا مشورہ دیا۔ اس عرصے میں دہلی کے حکیم نابینا صاحب کا علاج ہوتا رہا۔ اس سے اقبال کی عام صحت تو اچھی ہوگئی مگر آواز میں کوئی خاص ترقی نہ ہوئی۔ کچھ عرصے بعد ڈاکٹروں نے طبّی معائنے کے بعد رائے دی کہ Growth نہیں بلکہ شاہ رگ کا پھیلاؤ ہے۔ علامہ اقبال کا ارادہ تھا کہ وی آنا جا کر علاج کرائیں مگر اس میں متعدد رکاوٹیں حائل تھیں۔ اوّل: والدۂ جاوید اقبال کی شدید علالت، دوم: اخراجات کا مسئلہ۔

اسی زمانے میں (نومبر ۱۹۳۴ء) میں سر راس مسعود وزیرِ تعلیم ہو کر بھوپال آ گئے۔ انہیں اقبال کی علالت سے خاصی پریشانی تھی۔ بھوپال کے حمیدیہ ہسپتال میں ڈاکٹری علاج کے لیے جدید ترین آلات آ چکے تھے۔ سر راس مسعود نے بھوپال کے ماہر ڈاکٹروں سے مشورے کے بعد اقبال کو بھوپال آ کر علاج کرانے کی دعوت دی۔ اس سے پہلے علامہ کے بعض

دوست بھی بھوپال جاکر، بجلی کی مشینوں کے ذریعے علاج کی تجویز پیش کر چکے تھے چنانچہ حضرت علامہ ۳۱ جنوری ۱۹۳۵ء کو بھوپال پہنچے اور ڈاکٹر عبدالباسط کی نگرانی میں ماورا بنفشی شعاعوں[۱] Ultra violet rays کا علاج شروع ہوا۔ علاج کا پہلا کورس ۷ مارچ تک جاری رہا۔ دوسری بار اقبال ۱۶ جولائی کو بھوپال پہنچے اور ۲۸ اگست تک علاج جاری رہا۔ کچھ افاقہ ہوا مگر وہی آنا جانے کا خیال برابر علامہ کے دامن گیر رہا۔ ڈاکٹر سید عبدالباسط کو ذیل کے پانچ خطوط اسی ضمن میں لکھے گئے۔

ڈاکٹر سید عبدالباسط، سر راس مسعود کے عزیزوں میں سے تھے۔ دہلی کے رہنے والے تھے۔ کچھ عرصہ ایکسرے انسٹی ٹیوٹ، دہرہ دون میں بطور ریڈیالوجسٹ کام کیا۔ ۱۹۲۶ء میں ملازمت چھوڑ کر دہلی میں پریکٹس کرنے لگے۔ مگر اسی سال، نواب حمید اللہ خاں کے ذاتی معالج، ڈاکٹر انصاری کے توسط سے بھوپال آگئے اور یہاں حمیدیہ ہسپتال میں ایکسرے ڈیپارٹمنٹ قائم کرکے ریڈیالوجسٹ کی حیثیت سے کام شروع کر دیا۔ ڈاکٹر سید عبدالباسط نے بھوپال کے متعدد ڈاکٹروں کو نئے طریقِ علاج کی تربیت بھی دی۔ چونکہ اپنے فن میں ماہر تھے۔ اس لئے جب علامہ اقبال، علاج کے سلسلے میں پہلی بار بھوپال تشریف لائے تو ڈاکٹر سید عبدالباسط کو ان کے خصوصی معالج کا شرف حاصل ہوا۔

ذیل کے پانچ خطوں میں سے پہلا خط ۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء کا اور آخری ۸ فروری ۱۹۳۶ء کا لکھا ہوا ہے۔ یہ وہ عرصہ ہے جب علامہ علاج کے دوسرے کورس کے بعد اگست ۱۹۳۵ء میں واپس لاہور جا چکے تھے۔ ان خطوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ علاج کے لیے یورپ جانے

---

[۱] اس اجمال کی تفصیل کے لیے رجوع کیجئے:

(۱) مکتوباتِ اقبال — مرتبہ: نذیر نیازی

(۲) اقبال اور بھوپال — صہبا لکھنوی (تیسرا اور ساتواں باب)

سے پہلے، یورپی ڈاکٹروں کی "اکسپرٹ، اوپینین" منگانا چاہتے تھے۔ غالباً "اوپینین" نہ مل سکی۔ چنانچہ مارچ ۱۹۳۶ء میں علامہ، علاج کے تیسرے کورس کے لئے پھر بھوپال تشریف لے گئے۔ خطوط ملاحظہ ہوں:-

۸۴ ——— (۱)

لاہور ۲ ، اکتوبر ۳۵ء

مخدومی ڈاکٹر صاحب، آپ کا خط ملا جس کے لئے سراپا سپاس ہوں۔

آپ کو یاد ہوگا۔ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ وہ فوٹو جو آپ نے میرے سینے کا لیا تھا۔ اسے اکسپرٹ اوپینین کے لئے وائنا بھیج دیا جائے تو بہت مناسب ہے۔ ڈاکٹر خان بہادر صاحب[1] سے بھی یہی عرض کیا تھا کہ وہ ڈاکٹر رحمٰن صاحب[2] سے کہہ کر اسے وائنا بھجوادیں۔ اور یہ نیز کہ اکسپرٹ کی فیس جو ہوگی وہ میں ادا کر دونگا۔ معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے بھجوا دیا ہے یا نہیں مہربانی کر کے اُنسے دریافت کر کے جہاں تک ممکن ہو جلد اطلاع دیجئے۔

میرے ایک دوست جو یہاں کے سادات میں سے ہیں اور مرض ذیابیطس کے پرانے بیمار تھے، حال میں یورپ گئے تھے۔ کل ہی تندرست ہو کر وائنا سے واپس آئے ہیں۔ انہوں نے اپنے ڈاکٹر صاحب[3] میرے مرض کا بھی ذکر کیا تھا جس پر ڈاکٹر نے کہا کہ اگر وہ بیمار یہاں آجائے تو میں گارنٹی کرتا ہوں کہ وہ تندرست ہو جائے گا۔ میرے دوست فروری میں پھر جانے والے ہیں اور مجھ سے کہتے ہیں کہ میں ان کے ہمراہ چلوں۔ ابھی بہت وقت باقی ہے۔ اگر وائنا سے اکسپرٹ اوپینین

---

[1] خان بہادر ڈاکٹر احمد بخش ڈاکٹر سید عبدالباسط کے معاون ڈاکٹر تھے اور بھوپال میں علامہ اقبال کے معالجین میں شامل تھے۔

[2] ڈاکٹر رحمٰن بھی علامہ کے معالج تھے

[3] "سے" رہ گیا ہے۔

آ جائے تو میں آخری اور قطعی فیصلہ ان کے ساتھ جانے کا کروں۔ صحت میری آپ کی عنایت سے پہلے سے بہت بہتر ہے۔ آواز میں بھی قدرے ترقی ہے۔ سید راس مسعود کو بھی میں نے آج خط لکھا ہے اور ان سے اس بارے میں مشورہ کیا ہے[۱]۔ مہربانی کرکے اس خط کا جواب جلد عنایت فرمائیے۔ جاوید آداب عرض کرتا ہے۔ والسلام

علی بخش بھی سلام لکھواتا ہے۔

مخلص محمد اقبال

(۸۵) ——— (۲)

لاہور۔ ۱۸ اکتوبر ۳۵ء

ڈیر ڈاکٹر صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا والا نامہ کچھ دن ہوئے مل گیا تھا۔ جسکے لئے سپاس گزار ہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے میری صحت اچھی ہے اور آواز میں بھی امپرومنٹ ہے۔ بلغم بھی اب بہت کم ہو گئی ہے صبح کے وقت البتہ آتی ہے۔ میں نے ڈاکٹر انصاری اور سید راس مسعود سے خط و کتابت کی ہے اور دونوں حضرات نے وائنا جانے کے خیال کی تائید کی ہے۔ مگر جانے کے متعلق آخری فیصلہ کرنے سے پہلے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے۔ ڈاکٹر انصاری نے مجھے ڈاکٹر مظفر علی صاحب[۲] کا پتہ بھیج دیا ہے اور خود بھی ان کو خط لکھا ہے۔ اب آپ مہربانی کرکے (جہاں تک ممکن ہو جلد)

---

[۱] علامہ اقبال نے اسی روز (۷ اکتوبر) تقریباً اسی مضمون کا خط سر راس مسعود کو بھی لکھا اور ان سے پوچھا کہ "آپ اس بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں؟" (اقبال نامہ جلد اول۔ ص ۳۷۰ - ۳۷۱)

[۲] ڈاکٹر مظفر، ڈاکٹر انصاری کے بھانجے تھے اور ان دنوں ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم کے لئے وی آنا میں مقیم تھے۔ ڈاکٹر انصاری کے مشورے کے مطابق، علامہ اقبال اپنی بیماری کی ہسٹری اور ایکسرے ڈاکٹر مظفر علی کو بھیج کر ان کے توسط سے وی آنا کے ڈاکٹروں کی "ایکسپرٹ اوپینین" منگانا چاہتے تھے۔

وہ فوٹو ڈاکٹر مظفر علی صاحب کی خدمت میں بھجوا دیں۔ اس فوٹو کے ساتھ بیماری کی ہسٹری پر ایک نوٹ بھی ڈاکٹر رحمٰن صاحب سے یا ڈاکٹر خان بہادر صاحب سے لکھوا کر ان کی خدمت میں ارسال کریں۔ علاوہ اس کے[1] جو تھوڑا سا اختلاف آپ میں اور ڈاکٹر رحمٰن صاحب میں فوٹو کے متعلق تھا اس پر بھی ایک نوٹ خود لکھکر ڈاکٹر مظفر علی صاحب کو بھجوا دیں۔ یہ سب نوٹ اور دیگر امور جو آپ کے نزدیک ضروری ہوں لکھوا کر اور ٹائپ کروا کر بھجوائیں تو میں بے حد شکر گزار ہوں گا۔ ڈاکٹر مظفر علی صاحب کا پتہ یہ ہے۔

Dr. M. Ali M.D.,
IX Harmoniegasse,
4/5 Wien,
(Austria).

فوٹو بھوپال سے جانے کے بعد میں خود ڈاکٹر صاحب مظفر علی کی خدمت میں خط لکھونگا اور دریافت طلب امور ان کی خدمت میں لکھونگا۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس امر کی طرف خاص توجہ دے کے فوٹو مع نوٹ ضروری جلد ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں بھجوا کر مجھے مطلع فرمائینگے گے۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔ صاحب زادے کو سلام کہیئے اور بچوں کو دعا۔ والسلام

مخلص محمد اقبال

اس خط کی رسید سے بھی اطلاع دیجیئے۔ اکسپرٹ کے لئے فیس جو بھی ہو گی، میں ادا کروں گا۔ آپ ڈاکٹر مظفر علی کو لکھدیجیئے کہ فوٹو کے متعلق مزید خط و کتابت میں ان سے خود کر لوں گا اور جو فیس وہ لکھینگے وہ بھیجدونگا یا وہاں جاکر ادا کرونگا۔

محمد اقبال

اگر فوٹو اور متعلقہ کاغذات بھوپال سے وائنا پہنچنے میں کچھ دقت ہو تو تمام چیزیں یہاں لاہور

---

[1] اصل متن میں "کے" موجود نہیں ہے

میرے پتے پر رجسٹرڈ بھجوادیں۔ میں یہاں سے ڈاکٹر مظفر علی صاحب کی خدمت میں خود ارسال کرونگا۔ والسلام

بہتر ہو کہ ہوائی ڈاک میں یہ سب کچھ مرسل ہو۔

محمد اقبال

(۸۶) —— (۳)

اس خط کا عکس اس قدر مدھم اور مبہم ہے کہ بعض الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔ وہاں خالی جگہ چھوڑ دی گئی ہے۔

ڈیر ڈاکٹر صاحب۔ السلام علیکم۔ امید ہے مزاج بخیر ہوگا۔

سید مسعود کے خط سے معلوم ہوا کہ فوٹو آسٹریا بھیجدیئے گئے۔ امید ہے آج کل میں مجھے ... وہاں سے جواب آئے گا۔ ...... مہربانی کرکے معلوم کریں کہ جنوری میں وہاں موسم کیسا ہوتا ہے اور آیا دسمبر کی تعطیلات میں ہسپتال تو بند نہ ہوگا۔ اور آپ بھی کرسمس میں وہیں ہوں گے یا جانے کا ارادہ ہے باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔ والسلام

مخلص محمد اقبال لاہور

۷ر دسمبر ۳۵ء

(۸۷) —— (۴)

لاہور ۱۳ دسمبر ۳۵ء

ڈیر ڈاکٹر صاحب السلام علیکم

اس سے پہلے بھی ایک پوسٹ کارڈ آپ کی خدمت میں لکھ چکا ہوں۔ آج ڈاکٹر مظفر علی صاحب کا خط وئنا (آسٹریا) سے آیا ہے۔ جسمیں وہ لکھتے ہیں کہ بھوپال سے کوئی کا غذات ان کو موصول نہیں ہوئے۔ یہ خط ۶ ر دسمبر کا لکھا ہوا ہے اور ہوائی ڈاک سے آیا ہے۔ مہربانی کرکے معلوم کیجئے کہ جو کاغذات .. آپنے ارسال کرائے تھے۔ وہ کون سی تاریخ ارسال کئے گئے تھے۔ ممکن ہے وہ اب تک ڈاکٹر مظفر علی صاحب تک نہ پہونچے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ بالکل نہ پہونچیں۔ اس

واسطے میری طرف سے ڈاکٹر رحمٰن اور ڈاکٹر خان بہادر صاحب سے عرض کریں کہ وہ میری بیماری کا ایک مفصّل ہسٹری شیٹ پھر تیار فرمائیں۔ اگر میرے بھوپال آنے تک یہ شیٹ تیار ہو جائے تو میں انکا نہایت شکر گزار ہونگا۔ پھر میں بھوپال آتے ہی یہ ہسٹری شیٹ اور نیا فوٹو لیکر ڈاکٹر مظفر علی صاحب کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ چونکہ معاملہ اہم ہے اس واسطے آپ کی خاص توجہ کا محتاج ہے۔ میں غالباً جنوری کے پہلے ہفتے میں حاضر خدمت ہونگا[1]۔ باقی خدا کے فضل سے خیریت ہے۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ لاہور میں سب امن و امان ہے۔

مخلص محمد اقبال

(۸۸) ——— (۵)

لاہور ۸ر فروری ۳۶ء

مخدومی ڈاکٹر صاحب! السلام علیکم

آپ کا نوازش نامہ موصول ہوا جسکے لیے بہت شکر گزار ہوں۔ سید مسعود کو میں نے چند روز ہوئے خط لکھا تھا۔ انشاء اللہ فروری کے آخری ہفتے میں بھوپال حاضر ہونگا[2]۔ اتنے میں سید موصوف بھی کلکتے سے واپس آجائینگے۔ آپ کے خط سے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ اب ان کو نزلہ وغیرہ سے افاقہ ہے اور وہ کلکتہ کے سفر کے قابل ہیں[3]۔ ان سردیوں میں مجھے

---

[1] علامہ اقبال، علاج کے لیے وہی آنا جانے کا پختہ ارادہ رکھتے تھے۔ تاہم اسی اثنا میں بھوپال کے ادھورے علاج کو بھی مکمل کرنا چاہتے تھے۔ تیسرا کورس باقی تھا اسی لئے بھوپال جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

[2] فروری کے بجائے اقبال ۳ر مارچ کو بھوپال پہنچے اور علاج کے تیسرے کورس کے سلسلے میں ۸ر اپریل ۱۹۳۶ء تک بھوپال مقیم رہے۔

[3] "سید موصوف" سے مراد ہیں سر راس مسعود۔ جو ایک تعلیمی کانفرنس میں شرکت کے لیے فروری میں کلکتہ گئے تھے۔ ان کی صحت اچھی نہیں تھی۔ اگلے برس ۳۰ر جولائی کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

بھی نزلہ سے سخت تکلیف رہی جو اب خاصی[1] ہے۔ گو آواز میں کوئی خاص نمایاں ترقی نہیں۔ آپ کے ڈرافٹ سے معلوم ہو جائے گا۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔

جاوید اور اس کی بہن اچھے ہیں۔ جاوید آداب عرض کرتا ہے۔ علی بخش بھی آداب کہتا ہے

والسلام۔ مخلص محمد اقبال

(۸۹)

بنام سید ہاشمی فرید آبادی

سید ہاشمی جنوری ۱۸۹۰ء میں دہلی کے قریب واقع فرید آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۰۷ء میں میٹرک کیا۔ ۱۹۱۳ء میں علی گڑھ سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ مزید تعلیم حاصل نہ کر سکے کیوں کہ جنگِ بلقان کے زمانے میں انگریزوں کے خلاف چند نظمیں لکھنے کی پاداش میں علی گڑھ سے نکال دیئے گئے۔ حیدر آباد دکن پہنچے اور عثمانیہ یونیورسٹی کے دار الترجمہ میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۳۹ء میں ریاست کے اسسٹنٹ سکیرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہونے کے بعد انجمن ترقی اردو (ہند) کے جائنٹ سیکرٹری مقرر ہوئے اور ۱۹۵۷ء تک اپنے فرائض نہایت قابلیت سے انجام دیئے۔ آخری عمر میں وہ "تہذیب الاخلاق ٹرسٹ" لاہور اور اسی نام کے رسالے سے متعلق رہے اور کئی سال تک ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم کے ایما پر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (اردو) کے ترجمے کی نظرِ ثانی کا کام بھی انجام دیتے رہے۔ ۱۹ جولائی ۱۹۶۴ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ انہوں نے تین درجن سے زائد تصانیف و تراجم یادگار چھوڑے

---

[1] لفظ "کم" رہ گیا۔ جملہ یوں ہونا چاہیئے تھا: "جو اب خاصی کم ہے۔"

ذیل کا خط، ہاشمی فرید آبادی کے کسی مراسلے کے جواب میں لکھا گیا اور غالباً ان کی فرمائش پر ہی علامہ اقبال نے خط میں انہیں اپنی نظم "شاعر" (ضربِ کلیم: ص ۱۲۷) لکھ بھیجی۔

ڈیر سید ہاشمی

چند اشعار حاضرِ خدمت ہیں۔

مصر کے الرسالہ سے ایک کٹنگ مرسل ہے۔ شاید آپ کے مفید طلب ہو۔

محمد اقبال

۲۰ر نومبر ۳۵ء

شاعر

مشرق کے نیستاں میں ہے محتاجِ نفس نے

شاعر! ترے سینے میں نفس ہے کہ نہیں ہے؟

تاثیرِ غلامی سے خودی جس کی ہوئی نرم

اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے!

شیشے کی صراحی ہو کہ مٹی کا سبو ہو

شمشیر کی مانند ہو تیزی میں تری مے

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے

بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تختِ جم و کے

ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلی،

اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

(۹۰)

بنام مسعود عالم ندوی

مولانا مسعود عالم ۱۱ فروری ۱۹۱۰ء کو اوگانواں ضلع پٹنہ صوبہ بہار کے ایک سید گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم سید عبدالشکور ایک جید عالم تھے۔ مسعود عالم نے ابتدائی تعلیم مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے حاصل کی پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مولانا سید سلیمان ندوی سے اکتسابِ فیض کیا۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد ۴ برس تک عربی رسالہ "الضیاء" کے مدیر رہے ۱۹۳۷ء میں چند ماہ کے لئے سہ روزہ "مدینہ" کی ملازمت کی۔ پھر سات برس تک خدابخش لائبریری پٹنہ میں کیٹلاگر کی حیثیت سے کام کیا۔ جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اس میں شمولیت اختیار کی اور جماعت کے عربی شعبے "دارالعروبہ" کے ناظم مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۷ء تک جالندھر میں رہے۔ پھر ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔ یہاں وہ بدستور دارالعروبہ کے ناظم رہے۔ اُن کا قیام راولپنڈی اور گوجرانوالہ میں رہا۔ اسی اثنا میں ایک بار بلادِ عرب کا سفر کیا۔ ۱۹۵۴ء میں جب وہ جماعت اسلامی پاکستان کی مرکزی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لیے کراچی گئے ہوئے تھے، دمے کے عارضے سے ۱۶ مارچ کو انتقال کیا۔

مسعود عالم عربی کے بلند پایہ ادیب تھے۔ مفتیٔ اعظم فلسطین سید امین الحسینی کے الفاظ میں "اسلامی غیرت و حمیت، عربی زبان کے عشق کے ساتھ ساتھ موصوف بہترین مضمون نگار تھے اور عربی تحریر میں ایک خاص ملکہ رکھتے تھے" انہوں نے عربی میں متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی بعض تصانیف کا عربی میں ترجمہ کیا۔ مولانا مسعود عالم نے اردو میں بھی متعدد علمی کتابیں لکھیں۔ (۱) ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک

(۲) محمد بن عبدالوہاب (۳) اشتراکیت اور اسلام (۴) چند ماہ دیارِ عرب میں (سفرنامہ) (۵) مکاتیب سلیمان (ترتیب و تدوین) وغیرہ

مولانا مسعود عالم ندوی کے مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو!

(۱) چراغِ راہ، مسعود عالم نمبر   کراچی، ۱۹۵۴ء

(۲) مسعود عالم ندوی، سوانح و مکتوبات   مرتبہ اختر راہی

۲۸ر نومبر ۳۵ء

مخدومی

کتب مرسلہ آج موصول ہوگئیں۔ بہت بہت شکریہ قبول فرمائیے۔ مولینا کاشغری[1] کی خدمت میں علیٰحدہ عریضہ لکھ دیا ہے۔

مولینا سید سلیمان ندوی[2] کی علالت کی خبریں بہت متردد کر رہی ہیں۔ خدا تعالے اُن کو صحتِ عاجل مرحمت فرمائے۔ میری طرف سے ان کی خدمت میں حاضر ہوکر استفسارِ حالات کیجیے۔ اس وقت علمائے ہند میں وہ نہایت قابلِ احترام ہستی ہیں۔ خدا تعالیٰ اُن کو دیر تک زندہ رکھے۔

---

[1] مولانا عبدالرحمن کاشغری ندوۃ العلماء لکھنؤ کے فاضل اور مولانا مسعود عالم ندوی کے ہم درس تھے۔ بعد میں وہ مدرسہ عالیہ کلکتہ میں استاد رہے۔ انہوں نے علامہ اقبال کی متعدد نظموں کے منظوم عربی تراجم کیے جو رسالہ "الضیا" میں شائع ہوتے رہے۔

[2] مولانا سید سلیمان ندوی: (۱۸۸۴ء — ۱۹۵۳ء) برِصغیر پاک و ہند کے معروف عالم اور علامہ اقبال کے گہرے دوست۔ دارالمصنفین کے ناظم، "معارف" کے مدیر۔ بھوپال کے قاضی القضاۃ۔ ۱۹۳۳ء میں نادر شاہ کی دعوت پر اقبال کے ساتھ افغانستان کا دورہ کیا۔ "اقبال نامہ" جلد اوّل میں اُن کے نام اقبال کے ستر خطوط شامل ہیں۔

امید کہ آپ کا مزاج بخیر ہوگا۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

حال ہی میں پنڈت جواہر لعل نہرو نے "ماڈرن ریویو" میں دو مضمون شائع کئے ہیں جن میں سے ایک کا مقصود غالباً قادیانیوں کی حمایت ہے۔ ان کے جواب میں انشاء اللہ میں بھی کچھ لکھونگا۔

والسلام

(۹۱)

بنام صادق الخیری

زیر نظر مکتوب برِ صغیر کے معروف ادیب اور ناول نگار مولانا راشد الخیری کے فرزند صادق الخیری کے نام لکھا گیا۔

مولانا راشد الخیری ۱۸۷۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ زندگی بھر تصنیف و تالیف ہی اُن کا مشغلہ رہا۔ ان کی تحریروں میں عورتوں کی دکھ بھری زندگی کی عکاسی ملتی ہے ان کا جاری کردہ رسالہ "عصمت" خواتین کے رسالوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ "صبحِ زندگی"، "شامِ زندگی"، "نوحۂ زندگی" اور "عروسِ کربلا" راشد الخیری کے اہم ناول ہیں۔ ان کی ناول نگاری کے مقاصد اصلاحی ہیں۔ ۱۹۳۶ء میں دہلی میں انتقال کیا۔ تصانیف کی تعداد ۸۰ ہے۔

صادق الخیری نے بعض فلسفیانہ اور مابعد الطبیعاتی مسائل کے ضمن میں علامہ اقبال سے مراسلت کی مگر ۱۹۴۷ء میں وہ تمام خطوط تلف ہو گئے۔ البتہ مندرجہ ذیل خط ضائع ہونے سے

بچ گیا جو اُن کے والد، مولانا راشد الخیری کی وفات پر لکھا گیا تھا۔

لاہور، ۱۰ر فروری ۱۹۳۶ء

جناب صادق الخیری،

مولانا راشد الخیری مرحوم کی وفات اُردو ادب کے لئے ایک صدمۂ عظیم ہے۔ ایسے ادیب روز روز پیدا نہیں ہوتے۔ خدا تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے اور آپ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ مجھے یقین ہے کہ مرحوم کی تصانیف کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہے گا۔

محمدؐ اقبال

بنام عبدالوحید خان

عبدالوحید خان، ۷ر جنوری ۱۹۱۴ء کو میرٹھ (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ لکھنؤ سے بی اے کیا۔ سیاست میں اُترے تو مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ۱۹۲۸ء سے ۱۹۴۶ء تک آل انڈیا مسلم لیگ کونسل کے رکن رہے۔ یو۔پی مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کے ممبر بھی رہے۔ آزادیٔ ہند کے بعد پاکستان چلے آئے۔ یہاں کئی بار صوبائی اور مرکزی وزیر رہے۔ ایوب خاں کے دور میں مرکزی وزیر اطلاعات اور کنونشن مسلم لیگ کے سیکریٹری جنرل رہے۔ ان کی بعض تصانیف کے نام یہ ہیں: (۱) آزادی کی جھڑپ (۲) تاریخِ افکار و سیاستِ اسلامی (۳) آزادیٔ ہند دوسرا رُخ۔

عبدالوحید خاں کے نام ذیل کے دو خطوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال سے ان کے تازہ کلام اور مجموعے کی اشاعت کے بارے میں استفسار کیا اور بھوپال اور

کابل جانے کے بارے میں پوچھا۔ جواباً ذیل کے دو خط علامہ کی طرف سے بھیجے گئے۔

۹۲ ——— (۱)

لاہور، ۱۱ جون ۳۶ء

جناب عبدالوحید خاں صاحب، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ ابھی ملا ہے افسوس ہے کہ ضربِ کلیم کی اشاعت میں غیر معمولی تعویق ہوئی کل آخری پروف دیکھکر پریس میں بھیجے گئے۔ امید کہ جون کے آخر تک شائع ہو جائے گی۔

ضیاء الاسلام مرحوم[1] کا لیکچر بذریعہ ڈاک بھیجدیجئے گا۔ میں اسے پڑھکر احتیاط سے واپس بھیجدونگا۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ ضربِ کلیم کے بعد ایک فارسی مثنوی "پس چہ باید کرد، اے اقوامِ مشرق" شایع ہوگی۔

محمد اقبال

۹۳ ——— (۲)

لاہور، ۲۲ جون ۳۶ء

ڈیر مسٹر عبدالوحید خاں،

ضیاء الاسلام مرحوم مجھے مل گیا ہے[2]۔ اس عنایت کے لئے شکریہ قبول کیجئے۔ اس مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نہایت نکتہ رس آدمی تھے اور دینِ اسلام کے مخفی حقائق سے بھی آگاہ تھے۔ اگر زندہ رہتے تو یقیناً ہندوستان میں اپنی قسم کے پہلے ناقد ہوتے۔ مگر تقدیرِ الہیٰ سے کسکو چارہ ہے۔ انشاء اللہ کل آپ کا مضمون واپس ارسال کردونگا۔ اس وقت جلدی کے لئے

---

[1] ضیاء الاسلام، میرٹھ کے ایک نوجوان شاعر اور قانون دان تھے۔ انہوں نے ۱۹۳۴ء میں A critical study of Iqbal کے عنوان سے ایک مقالہ، فیض عام ہائی سکول میرٹھ کی ایک تقریب میں پڑھا "لیکچر" سے مراد یہی مقالہ ہے۔ ضیاء الاسلام کا انتقال ۱۹۳۵ء میں ہوا

[2] پورا جملہ یوں ہونا چاہئیے تھا: "ضیاء الاسلام مرحوم کا لیکچر مجھے مل گیا ہے"۔

کا وقت نہیں رہا۔ فی الحال بھوپال جانے کا قصد نہیں ہے۔ اور کابل جانے کا بھی کوئی ارادہ نہیں۔
لاہور میں برسات شروع ہو گئی ہے۔ موسم خوش گوار ہو گیا ہے۔ والسلام

محمد اقبال

(۹۴)

بنام پنڈت جواہر لال نہرو

آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ کے بعد مئی ۱۹۳۵ء میں حضرت علامہ نے قادیانی اور جمہور مسلمان" کے عنوان سے ایک مفصل بیان اخبارات کے نام جاری کیا (ملاحظہ ہو حرف اقبال: ۱۱۲-۱۱۹) قادیانیت کے سلسلے میں ان کا یہ بیان بہت اہم تھا اور ہندوستان کے تمام اہم انگریزی اخبارات میں شائع ہوا۔ بعض اخبارات نے اس بیان پر اظہار خیال بھی کیا۔ چند روز بعد اسی بیان کی وضاحت میں ایک اور مختصر بیان جاری کیا جس میں حضرت علامہ نے قادیانیوں کو مسلمانوں سے ایک الگ اور غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا مطالبہ کیا۔ دہلی کے اخبار "سٹیٹسمین" نے اس بیان پر ایک اداریہ قلمبند کیا۔ جواباً علامہ نے جون ۱۹۳۵ء میں ایک اور بیان جاری کیا (ملاحظہ ہو حرف اقبال ص ۱۲۶-۱۲۹) اُدھر کلکتہ کے اخبار "ماڈرن ریویو" میں پنڈت نہرو نے قادیانیوں کی حمایت میں تین مضمون لکھے۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اسی زمانے میں جب پنڈت نہرو لاہور آئے تو قادیانیوں نے ریلوے سٹیشن پر ان کا شاندار استقبال کیا۔ قادیانی اخبار "الفضل" کے مطابق استقبال کے لیے پہلے سے باقاعدہ تیاری کی گئی تھی۔ قادیان اور سیالکوٹ سے پانچ سو کارکن منگائے گئے۔ "الفضل" کے الفاظ میں استقبال کا "یہ نظارہ حد درجہ جاذب توجہ اور روح پرور تھا۔ پنڈت جی کی آمد پر اُن کے گلے میں ہار

ڈالے گئے ..... جھنڈیوں پر حسبِ ذیل ماٹو خوبصورتی سے آویزاں تھے :-

قوم کے محبوب ! ہم آپ کا خیر مقدم کرتے ہیں

جواہر لال زندہ باد"

حضرتِ علامہ نے ، باوجود شدید علالت کے ، جنوری ۱۹۳۶ء میں "اسلام اور احمدیت" کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا ، جو پنڈت نہرو کی تحریروں کا مُسکت و مدلل جواب تھا (اس کا متن ملاحظہ ہو : "حرفِ اقبال ، ص ۱۲۹ - ۱۶۱) اس پر (غالباً) پنڈت نہرو نے علامہ اقبال کو خط لکھا ، جس کے جواب میں انہوں نے پنڈت نہرو کو ذیل کا خط روانہ کیا۔

یہاں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ حضرت علامہ کے مضمون اور پھر ان کے مندرجہ ذیل خط کے بعد قادیانیوں کے بارے میں نہرو کا ذہن بڑی حد تک صاف ہو گیا ۔ چنانچہ اگلے برس وہ لاہور آئے تو قادیانیوں نے ان کا استقبال نہیں کیونکہ قادیانی سمجھ گئے تھے کہ اب نہرو پر حقیقتِ حال واضح ہو چکی ہے ۔ اس موقع پر نہرو ، علامہ سے ملنے جاوید منزل گئے اور ڈیڑھ دو گھنٹہ تک مفصل گفتگو رہی ۔

❖

لاہور ، ۲۱ جون ۱۹۳۶ء (انگریزی)

مائی ڈیر پنڈت جواہر لال

آپ کا خط کل موصول ہوا جس کے لئے میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں جب میں نے آپ کے مضامین کا جواب لکھا تو میرا خیال تھا کہ آپ کو احمدیوں کے سیاسی رویّے کا علم نہیں ۔ دراصل میرے جواب کی بنیادی غایت یہ تھی کہ اس امر پر روشنی ڈالی جائے ، بطورِ خاص آپ کے لئے کہ (ہندوستان میں انگریزوں کے ساتھ) مسلمانوں کی وفاداریاں اوّل اوّل کس طرح پیدا ہوئیں اور ان وفاداریوں نے بالآخر کس طرح احمدیت کی شکل میں اپنے لئے ایک الہامی اساس فراہم کر لی[1]

[1] حاشیہ ملاحظہ ہو بر صفحہ ۲۵۸

21st JUNE, 1936

My dear Pandit Jawahar Lal,

Thank you so much for your letter which I received yesterday. At the time I wrote in reply to your articles I believed that you had no idea of the political attitude of the Ahmadis. Indeed the main reason why I wrote a reply was to show, especially to you, how Muslim loyalty had originated and how eventually it had found a revelational basis in Ahmadism. After the publication of my paper I discovered, to my great surprise, that even the educated Muslim had no idea of the historical causes which had shaped the teachings of Ahmadism. Moreover your Muslim advisers in the Punjab and elsewhere felt perturbed over your articles as they thought you were in sympathy with the Ahmadiyya movement. This was mainly due to the fact that the Ahmadis were jubilant over your articles. The Ahmadi Press was mainly responsible for this misunderstanding about you. However I am glad to know that my impression was erroneous. I myself have little interest in theology but had to dabble in it a bit in order to meet the Ahmadis on their own ground. I assure you that my paper was written with the best of intentions for Islam and India. I have no doubt in my mind that the Ahmadis are traitors both to Islam and to India.

I was extremely sorry to miss the opportunity of meeting you in Lahore. I was very ill in those days and could not leave my room. For the last two years I have been living a life practically of retirement on account of continued illness. Do let me know when you come to the Punjab next. Did you receive my letter regarding your proposed union for Civil Liberty? As you do not acknowledge it in your letter I fear it never reached you.

Yours sincerely,
Mohammad Iqbal

مندرجہ بالا مضامین کی اشاعت کے بعد یہ انکشاف میرے لئے انتہائی باعث تعجب تھا کہ تعلیم یافتہ مسلمان بھی ان تاریخی عوامل کا کوئی شعور نہیں رکھتے۔ جنہوں نے احمدیت کی تعلیمات کو تشکیل دی۔ مزید برآں جب آپ کے مضامین شائع ہوئے تو آپ کے پنجاب اور دوسرے علاقے کے مسلمان ساتھیوں نے بے چینی محسوس کی کیوں کہ (آپ کی تحریروں سے) وہ یہی سمجھے کہ آپ کی ہمدردیاں احمدیوں کے ساتھ ہیں۔ اس صورت حال کا بنیادی سبب یہ تھا کہ آپ کے مضامین کی اشاعت پر احمدیوں نے بڑی خوشیاں منائیں۔ آپ کے متعلق غلط فہمی پھیلانے کا ذمہ دار بھی خاص طور پر احمدی پریس ہے۔ بہرحال میں خوش ہوں کہ میرا (سابقہ) تاثر غلط تھا۔ مجھے مذہبی بحثوں سے کوئی دلچسپی نہیں مگر اس جھگڑے میں اس لئے الجھنا پڑا کہ احمدیوں سے خود انہی کے میدان میں دو، دو ہاتھ ہو جائیں یقین کیجئے، میں نے اپنا مضمون محض اسلام اور ہندوستان کی بہتری کے لئے لکھا تھا۔ میرا ذہن اس بارے میں ہر شبہے سے پاک ہے کہ احمدی اسلام اور ہندوستان، دونوں کے غدار ہیں۔

مجھے بے حد افسوس ہے کہ لاہور میں، آپ سے ملاقات سے محروم رہا۔ اُن دنوں میں اتنا شدید بیمار تھا کہ اپنے کمرے سے باہر آنا بھی میرے لئے ممکن نہ تھا۔ مسلسل علالت کے سبب، گذشتہ دو سال سے عملاً ریٹائرمنٹ کی زندگی گذار رہا ہوں۔ مجھے مطلع کیجئے کہ آئندہ آپ کب تک پنجاب آرہے ہیں؟ شہری آزادی کی مجوزہ انجمن کے بارے میں، میں نے آپ کو خط لکھا تھا؛ کیا وہ آپ کو ملا؟ چونکہ آپ نے اپنے خط میں اس کی رسید سے مطلع نہیں کیا اس لئے خدشہ ہے کہ شاید آپ تک نہ پہنچا ہو۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

(از صفحہ ۲۵۵) ؎ اسی بات کو حضرت علامہ نے اپنے مضمون "اسلام اور احمدیت" میں ان الفاظ میں بیان کیا: "مسلمانوں کے مذہبی تفکر کی تاریخ میں احمدیت کا وظیفہ ہندوستان کی موجودہ سیاسی غلامی کی تائید میں الہامی بنیاد فراہم کرتا ہے۔" (حرف اقبال ص ۱۴۰)

۹۵

بنام شیخ عنایت اللہ

برصغیر کے معروف اشاعتی ادارے تاج کمپنی لمیٹڈ کے مینجنگ ڈائریکٹر جناب شیخ عنایت اللہ صاحب ۱۹۳۶ء میں یورپ کے دورے سے واپس آئے تو حضرت علامہ سے ملاقات کے خواہاں ہوئے اور غالباً ملاقات کے لئے وقت مانگا، جواباً انہیں مندرجہ ذیل خط بھیجا گیا:

جناب شیخ صاحب، السلام علیکم

یورپ سے مع الخیر واپس آنے کی مبارک

میں تمام دن گھر میں ہوتا ہوں۔ آپ جس وقت چاہیں تشریف لائیں۔ صبح کا وقت آٹھ بجے یا نو بجے بہتر ہوگا۔ اگر یہ وقت آپ کے لئے موزوں نہ ہو تو شام چھ سات بجے۔

ضرب کلیم کی طباعت اس ماہ کے آخر تک ختم ہو جائے گی۔ افسوس ہے کہ اس میں غیر معمولی تعویق ہوگئی۔ اس میں میرا قصور نہیں، پریس کا قصور ہے۔ والسلام

محمد اقبال

۲۴ جون ۳۶ء

لاہور، میورو ڈ

ل ؎ ضرب کلیم جولائی کے آخر میں چھپ کر تیار ہوئی۔

جناب شیخ صاحب   السلام علیکم

بلدیت مع الخیر کی آمد مبارک

میں تمام دن گھر میں ہوتا ہوں آپ جس وقت چاہیں تشریف لاویں

مجھ کو رات آٹھ بجے یا نو بجے بستر پر لیٹنا ہوتا ہے اگر یہ وقت آپ کے لئے

موزوں نہ ہو تو شام کو جب چاہیں

ضرب کلیم کی طباعت انشاء اللہ اسی ماہ کے آخر تک ختم ہو جائے گی

اس کے بعد ایک بہت مختصر سی تصنیف ہو گی - انگریزی میں لکھا

منصوبہ ہے پرسوں کا تذکرہ ہے - والسلام

محمد اقبال   ۲۲ جولائی ۳۶ء

لاہور میو روڈ

۹۶

بنام سر راس مسعود

نواب مسعود جنگ بہادر، ڈاکٹر سیّد راس مسعود، سرسیّد احمد خاں کے پوتے اور سیّد محمود کے صاحبزادے تھے۔ ۱۸۸۹ء میں علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ بیرسٹری کی تعلیم آکسفورڈ سے حاصل کی۔ پٹنہ میں وکالت شروع کی مگر دل نہ لگا۔ چنانچہ پہلے پٹنہ ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر اور پھر کٹک کالج میں تاریخ کے پروفیسر ہوگئے۔ ۱۹۱۵ء میں ناظم تعلیمات ہوکر حیدرآباد دکن چلے گئے۔ ۱۹۲۹ء میں توسیعی لیکچروں کے سلسلے میں اقبال حیدرآباد گئے تو راس مسعود سے روابط قائم ہوئے جو اگلے چند برسوں میں حد درجہ پُرخلوص دوستی میں تبدیل ہوگئے۔ ۱۹۲۹ء میں راس مسعود علی گڑھ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ہوگئے تو ۱۹۳۳ء میں نادر شاہ نے علامہ اقبال، مولانا سیّد سلیمان ندوی اور راس مسعود کو کابل آنے کی دعوت دی تاکہ ان بزرگوں کے مشوروں سے افغانستان کے نظامِ تعلیم کو بہتر بنایا جائے۔ چنانچہ تینوں حضرات نے اکتوبر ۱۹۳۳ء میں افغانستان کا دورہ کیا۔ اس سفر نے اقبال اور راس مسعود کی باہمی مؤدت و محبت کو اور مستحکم کیا۔ ۱۹۳۴ء میں سر راس مسعود علی گڑھ کی وائس چانسلری سے مستعفی ہوکر کچھ عرصے کے لیے ولایت چلے گئے۔

نومبر ۱۹۳۴ء میں سر راس مسعود ریاست بھوپال کے وزیرِ تعلیم و صحت ہوکر بھوپال آگئے۔ انہی کے دورِ وزارت میں، بھوپال اور نواب حمید اللہ خان سے اقبال کا تعلق قائم ہوگیا۔ راس مسعود ہی کی دعوت اور اصرار پر علامہ نے بھوپال جاکر بجلی کا علاج کرایا۔ جنوری ۱۹۳۵ء میں پہلی بار بھوپال گئے تو راس مسعود کے دولت کدہ "ریاض منزل" میں قیام پذیر ہوئے۔ بھوپال میں قیام کے دوران میں سر راس مسعود اور ان کی بیگم نے علامہ کی خدمت اور تیمارداری میں کوئی دقیقہ فروگذاشت

نہیں کیا۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۵ء کے مکتوب میں علامہ اقبال نے راس مسعود کو لکھا: "میں آپ کو اپنا دوسرا Self خیال کرتا ہوں۔" اقبال نے وفات سے کچھ عرصہ پہلے وصیت نامے میں جاوید اور منیرہ کے چار سرپرست مقرر کیے تھے (۱) شیخ طاہرالدین (۲) چودھری محمد حسین (۳) عبدالغنی (بعد میں ان کی وفات پر شیخ امیرالدین مقرر ہوئے) (۴) شیخ اعجاز احمد۔ مؤخرالذکر، علامہ کے بھتیجے تھے لیکن سر راس مسعود سے اقبال کے قلبی تعلق کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے بھتیجے کی جگہ سر راس مسعود کو اپنے بچوں کا سرپرست مقرر کیا (اقبال نامہ، حصہ اول: ص ۲۸۶ - ۲۸۷) ریاست بھوپال سے پانچ سو روپے ماہوار لٹریری پنشن کے اجراء میں بھی راس مسعود کی کوششوں کو بنیادی دخل تھا۔ چند روز بیمار رہ کر سر راس مسعود ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو بھوپال میں انتقال کر گئے۔ انہیں علی گڑھ میں سپردِ خاک کیا گیا۔

اقبال نامہ (جلد اول) میں راس مسعود کے نام اقبال کے ۲۴ خطوط شامل ہیں لیکن زیرِ نظر مکتوب اُن میں شامل نہیں۔ یہ خط اس اعتبار سے اہم ہے کہ یہ راس مسعود کے نام اقبال کا آخری دستیاب مکتوب ہے۔

❖

لاہور، ۲۹ جون[۱] ۱۹۳۶ء[۲]

ڈیر مسعود۔ تمہارا خط ابھی ملا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم اب خدا کے فضل و کرم سے بالکل اچھے ہو کیونکہ خط میں تم نے اپنی صحت کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ ضربِ کلیم یا اعلانِ جنگ زمانۂ حاضر کے خلاف، افسوس کہ ابھی تک تیار نہیں ہوئی، یہ میرا قصور نہیں، پریس کا قصور ہے۔ اب چار جولائی کو کتاب کی طباعت ختم ہو گئی تو Advance کاپی ارسال

---

[۱] اقبال اور بھوپال کے متن میں "جولائی" درست نہیں ہے۔

[۲] راس مسعود کے مذکورہ خط کا متن ملاحظہ ہو: اقبال نامہ، حصہ اول، ص ۳۸۸ - ۳۸۹

کردوں گا[1]۔ ۴ اپریل کی شب کو جب میں بھوپال میں تھا۔ میں نے تمہارے دادا رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا۔ مجھ سے فرمایا کہ اپنی علالت کے متعلق حضور رسالت مآب کی خدمت میں عرض کرو۔ میں اسی وقت بیدار ہو گیا اور کچھ شعر عرض داشت کے طور پر فارسی زبان میں لکھے۔ کل ساٹھ شعر ہوئے[2]۔ لاہور آکر خیال ہوا کہ یہ چھوٹی سی نظم ہے اگر کسی زیادہ بڑی مثنوی کا آخری حصہ ہو جائے تو خوب ہے۔ الحمد للہ کہ یہ مثنوی بھی اب ختم ہو گئی ہے۔ مجھ کو اس مثنوی کا گمان بھی نہ تھا بہرحال اس کا نام ہوگا "پس چہ باید کرد اے اقوام شرق"۔ ضرب کلیم کی طباعت کے بعد اس کی کتابت شروع ہوگی۔ باقی خدا کے فضل و کرم سے خیریت ہے۔ تم اپنی خیریت سے اطلاع دو۔ لیڈی مسعود سلام قبول کریں۔ علی بخش تم دونوں کو آداب عرض کرتا ہے۔

محمد اقبال

---

[1] یکم اگست کو "ضرب کلیم" کے چھ نسخے، سر راس مسعود کو روانہ کیے گئے۔ "ان میں سے ایک کاپی آپ کے لیے ہے اور باقی شاہی خاندان کے لیے (اقبال نامہ، حصہ اول۔ ص ۳۷۸)

[2] پروفیسر الیاس برنی کے نام ۱۳ جون ۱۹۳۶ء کے خط میں یہی خواب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "۴ اپریل کی صبح سے میری آواز میں کچھ تبدیلی شروع ہوئی۔ اب پہلے کی نسبت آواز صاف کرتا ہے اور اس میں وہ رنگ Ring عود کر رہا ہے جو انسانی آواز کا خاصہ ہے۔ گو اس ترقی کی رفتار بہت سست ہے۔"

(اقبال نامہ: حصہ اول۔ ص ۴۱۴)

(۹۷)

بنام خلیفہ فضل حسین

"۱۹۳۶ء میں جب اچھوتوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں یہ قرارداد منظور کی گئی کہ انہیں چاہیئے ہندو دھرم چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب اختیار کرلیں تو اس پر جمعیت تبلیغ اسلام نے بھی اپنی کوشش تیز تر کردی تاکہ زیادہ سے زیادہ اچھوت دائرۂ اسلام میں داخل ہوجائیں۔ لیکن ہندوستان میں اچھوتوں کے اس فیصلے پر لے دے ہونے لگی تو مصر کے پرچوں میں بھی یہ خبر شائع ہوئی کہ اچھوت اپنا مذہب بدلنا چاہتے ہیں اس پر جامعہ ازہر نے طے کیا کہ علماء کا ایک وفد ہندوستان بھیجا جائے تاکہ وہاں جو حالات ہیں وہ خود ان کا مطالعہ کرے اور دیکھے کہ اچھوتوں میں تبلیغِ اسلام کا کوئی امکان ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں شیخ ازہر جناب مصطفےٰ المراغی مرحوم نے حضرتِ علامہ سے بھی دریافت کیا۔ اگر ان کی رائے میں وفد کا بھیجنا مناسب ہے تو کیا وفد کو کچھ ترجمان مل جائیں گے؟" (سید نذیر نیازی، مکتوباتِ اقبال، ص ۳۵۹) چنانچہ حضرتِ علامہ نے فی الفور انجمن حمایت اسلام لاہور کے نائب صدر خلیفہ فضل حسین کے نام مندرجہ ذیل خط لکھا کہ انجمن ترجمانوں کا انتظام کرے:

لاہور

۲ر جولائی ۳۶ء

ڈیر خلیفہ صاحب، السلام علیکم

شیخ مراغی جامعہ ازہر قاہرہ کا خط میرے نام آیا ہے جو آج کے اخبار "احسان" میں بھی شائع ہوگیا ہے۔ جامعہ ازہر کا ارادہ ہے کہ شودروں میں تبلیغِ اسلام کے لیے ایک وفد ہندوستان روانہ کرے اور اس وفد کے متعلق انہوں نے مجھ سے ضروری مشورہ طلب کیا ہے۔

وہ لکھتے ہیں کہ ان کے وفد کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہوگی۔ جو ان کی تقریروں کا اردو ترجمہ کر سکیں اور ہندوستانی ٹور میں اُن کے ساتھ رہیں۔ میرے خیال میں انجمن حمایت اسلام کو چاہیئے کہ وہ مصری وفد کے لئے ایسے مترجمین بہم پہنچائے اور ان کے اخراجات ادا کرے۔ دورہ غالباً تین ماہ کا ہوگا اور جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں، ان مترجمین کا خرچ کچھ زیادہ نہ ہوگا۔ یہ معاملہ آپ کونسل کے آئندہ اجلاس میں پیش کرکے جہاں تک ممکن ہو جلد کونسل سے اخراجات کی منظوری حاصل کریں یا اگر کوئی اور طریق ہو جس سے کونسل کی منظوری جلد ہو سکے تو اس طریق کو اختیار کریں تاکہ میں شیخ الجامعہ کے خط کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دے سکوں۔

محمد اقبال

(۹۸)

بنام میجر شمس الدین قریشی

جامعہ ازہر سے مصری علماء کا وفد ۱۱ دسمبر ۱۹۳۶ء کو بمبئی پہنچا۔ وہاں سے دہلی اور پشاور ہوتا ہوا لاہور آیا۔ وفد کے معتمد شیخ حبیب احمد آفندی اور نائب معتمد شیخ صلاح الدین التجار انگریزی سے خوب واقف تھے۔ وفد نے مختلف مسائل پر معلومات جمع کیں۔ یہ لوگ جس شہر میں بھی گئے، علماء اور دیگر مقامی سربرآوردہ حضرات سے ملاقاتیں کیں اور مسلمانوں کے مختلف اداروں کا معائنہ کیا۔ لاہور میں وفد نے علامہ اقبال سے بھی ملاقات کی۔ ۲۷ جنوری کو لاہور کے سینسر ہوٹل میں وفد کے اعزاز میں ایک دعوتِ طعام دی گئی۔ کھانے کے بعد شرکائے دعوت کی ایک تصویر لی گئی (ملاحظہ ہو: روزگارِ فقیر، حصہ دوم۔ تصویر ۶۳)

اسی اثنا میں علامہ اقبال کو خیال آیا کہ اگر وفد کسی مسلم ریاست کا دورہ کرے تو ممکن ہے، ریاست کے تعلیمی معاملات کے لیے یہ امر مفید ثابت ہو۔ میجر شمس الدین قریشی اس زمانے میں ریاست

بہاولپور کے وزیر تعلیم تھے۔ علامہ اقبال نے قریشی صاحب کو مندرجہ ذیل خط لکھا کہ وہ مصری علماء کے وفد کو بہاولپور آنے کی دعوت دیں۔

لاہور، ۲۴ جنوری ۳۷ء

ڈیر میجر صاحب۔ علماء مصر (جامعہ ازہر) کا جو وفد مصر سے آیا تھا۔ کل صبح پشاور سے لاہور پہونچا۔ اُنکا مقصد ہندوستان کے مسلمانوں کی تعلیمی حالت کا مشاہدہ اور معائنہ ہے۔ میرے خیال میں ریاست بہاولپور بلکہ اعلیٰحضرت کو چاہیئے کہ ان کو بہاولپور میں مدعو کریں۔ تاکہ وہ ریاست کے کالج کا معائنہ کر سکیں۔ مصر کے شیوخ نہایت فاضل ہیں اور دانشمند۔ مجھے یقین ہے کہ اعلیٰحضرت اور مسلمانانِ بہاولپور ان سے مل کر بہت خوش ہوں گے۔

وفد اس وقت Falette's Hotel لاہور میں ٹھہرا ہوا ہے۔ غالباً ۲۷، ۲۸ تک قیام کرے گا۔ اگر آپ ان کو مدعو کریں تو بذریعہ تار پتہ اسقدر کافی ہوگا۔

Egyptian Delegation,
Falette's Hotel, Lahore

زیادہ کیا عرض کروں۔ اُمید ہے مزاج والا بخیر ہوگا۔ والسلام

محمد اقبال

لاہور ۲۴ [illegible]

ڈیر جاوید — علمائے مصر (جامعہ ازہر) کا جو وفد [illegible] آیا تھا
[illegible]
[illegible] بلکہ اعلحضرت
[illegible]
[illegible]
اعلحضرت امیر [illegible] بہاولپور [illegible]
وفد [illegible] Faletti's Hotel میں ٹھہرا ہوا ہے تاریخ ۲۷ و ۲۸ تک
قیام کرے گا [illegible] تو بذریعہ تار [illegible] ہوگا

Egyptian Delegation
Faletti's Hotel, Lahore

[illegible]

محمد اقبال

(۹۹)

بنام پروفیسر فضل شاہ گیلانی

پروفیسر فضل شاہ گیلانی (جنہیں علامہ اقبال نے اپنے مکتوب میں مسٹر الیف جیلانی لکھا ہے) لاہور کے باشندے تھے۔ ۱۹۲۲ء میں لاہور سے عربی میں ایم اے کیا۔ پہلے سورت کالج اور بعد ازاں میرٹھ کالج میں عربی فارسی کے پروفیسر رہے۔ انہوں نے بعض دردمند مسلمانوں کے ساتھ مل کر انجمن شبان المسلمین Muslim young Men Association بنائی تھی مخیر حضرات کی اعانت سے یہ انجمن اسلام اور مشاہیر اسلام سے متعلق کتابچے شائع کر کے بعد از نماز جمعہ، مساجد میں تقسیم کرواتی تھی۔ انجمن نے ایک بار علامہ اقبال کا ایک معروف مضمون ــ The Truth (شائع شدہ Islam and Ahmadism.) کتابچے کی شکل میں چھاپا۔ گیلانی صاحب، انجمن کے صدر تھے۔ انہوں نے کتابچہ علامہ موصوف کی خدمت میں بھی روانہ کیا۔ جواباً انہیں مندرجہ ذیل خط موصول ہوا۔

ڈیر مسٹر جیلانی،

آپ کا خط مجھے مل گیا ہے۔

آپ کے پمفلٹ مجھے یقین ہے کہ[1] بہت مفید ثابت ہوں گے۔ افسوس ہے ہندوستان[2] کے مسلمان عقائد کی جنگ میں مبتلا ہو کر اسلامی دستورِ حیات کو فراموش کر گئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رسم پرستی اس قوم میں عام ہو گئی اور اسلامی ممالک میں بھی کم و بیش یہی حال ہوا مگر چونکہ وہ

---

[1] ڈاکٹر ممتاز الدین آرزو کے نقل کردہ متن میں "کہ" موجود نہیں ہے۔

[2] ڈاکٹر ممتاز الدین آرزو کے نقل کردہ متن میں ہے: "افسوس ہے کہ ہندوستان..."

ممالک نسبتاً آزاد ہیں، وہاں قانون کے ذریعے رسم پرستی دور کی جا سکتی ہے۔ اور کی جا رہی ہے۔ ہندوستان میں سوائے مخلصانہ تبلیغ کے اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ خدا کرے آپ کی کوشش بارآور ہو۔

میں ابھی تک علیل ہوں۔ گو پہلے سے کسی قدر اچھا ہوں۔

محمد اقبال

لاہور۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۶ء

(۱۰۰)

بنام حفیظ ہوشیار پوری

عبدالحفیظ سلیم، حفیظؔ ہوشیارپوری ۵ جنوری ۱۹۱۲ء کو دیوان پور، ضلع جھنگ، میں پیدا ہوئے۔ ان کے نانا شیخ غلام محمد ایک فاضل بزرگ تھے اور مولانا گرامی کے ہم جلیس۔ حفیظؔ کو اوائل عمر ہی سے علمی و ادبی ماحول ملا۔ ۱۹۳۶ء میں گورنمنٹ کالج، لاہور سے فلسفے میں ایم۔ اے کیا۔ کچھ عرصے تک "انجمن اردو پنجاب" کے نائب معتمد رہے۔ پھر مختلف اخبارات و رسائل ـــ ادبی دنیا "شیرازہ" "ریاست"، "پھول"، "تہذیب نسواں" ـــ سے مختلف حیثیتوں میں وابستہ رہے۔ اس کے بعد ریڈیو میں ملازم ہو گئے۔ تقسیم کے بعد پاکستان آ گئے اور ۱۹۶۷ء میں ڈپٹی ڈائرکٹر جنرل ریڈیو پاکستان کے منصب سے ریٹائر ہوئے۔ ۱۰ جنوری ۱۹۷۳ء کو کراچی میں انتقال کیا۔

مجموعۂ کلام "شانِ غزل" وفات کے بعد ۱۹۷۴ء میں شائع ہوا۔ حفیظؔ کو تاریخ گوئی میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ انہوں نے اقبال کے ایک مصرعے۔ ع صدق و اخلاص و صفا نماند

سے اُن کی تاریخِ وفات نکالی۔

حفیظ مرحوم کو علامہ اقبال سے خاص ارادت تھی۔ گورنمنٹ کالج لاہور کے زمانۂ تعلیم ہی سے علامہ سے ان کی ملاقات تھی۔ اپنے دوستوں کے ساتھ وہ اکثر و بیشتر علامہ کی میکلوڈ روڈ والی قیام گاہ پر حاضر ہوتے، علمی اور فلسفیانہ موضوعات پر مختلف سوالات کرتے اور علامہ کے جوابات سے مستفیض ہوتے۔ استفادے کا یہ سلسلہ برس ہا برس جاری رہا۔ حفیظ نے ان ملاقاتوں کی بعض نا تمام یادداشتوں کو ایک "مضمون" عمرِ عزیز کے بہترین لمحے" (مشمولہ ملفوظاتِ اقبال ص ۱۲۷ - ۱۴۸) کی صورت میں قلمبند کیا ہے۔

علامہ اقبال کے اس خط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حفیظ لکھتے ہیں:

"میں بعض لوگوں سے اس قسم کی باتیں سنا کرتا تھا کہ اقبال کے فلسفے میں کوئی نئی بات نہیں۔ ان کے تمام افکار اصل میں مغربی فلسفیوں کے افکار ہیں، ان مغربی فلسفیوں میں نطشے اور برگساں کا نام وہ اکثر لیا کرتے تھے۔ مثلاً ایک صاحب کہا کرتے تھے کہ اقبال نے انسانیت کی تکمیل یا خودی کے مرقع کا مسئلہ نطشے کے نظریۂ فوق البشر سے لیا ہے۔ اسی طرح "قوتِ عمل" یا "حرکت" اور "مکان و زمان" کے نظریئے جو اقبال کے ہاں پائے جاتے ہیں، وہ برگساں کی کاوشِ طبع کا نتیجہ ہیں۔ ایک صاحب نے جنہوں نے "شوپنہار" کے "علوم طبیعیات" کا شغل رکھا تھا اور اس لفظ کے معانی اور شوپنہار کے مایوس کن فلسفۂ حیات سے بے بہرہ معلوم ہوتے تھے۔ یہاں تک کہہ دیا کہ خودی کی بنیاد اسی پر رکھی ہے۔ یہ سن کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی اور میں نے اسی روز تہیہ کر لیا کہ فلسفیانہ نظموں کا ایک سلسلہ شروع کروں جس میں فلسفہ کے کسی خاص موضوع کی متعلق علامہ اقبال اور ایک مغربی فلسفی کے نظریئے مکالمے کی صورت میں پیش کئے جائیں تاکہ اُن لوگوں پر جنہیں مغربی فلسفیوں تک رسائی کے مواقع نہیں ملتے، وہ اختلافات واضح ہو جائیں جو علامہ اقبال کو فلسفۂ مغرب سے ہیں۔

"چنانچہ میں نے اس سلسلے میں تین نظمیں لکھیں۔ ایک کا موضوع "خدا" تھا جس میں

"ذاتِ مطلق"، کے متعلق نیٹشے اور اقبال کا مطالعہ تھا۔ باقی دو نظموں "عزم للحیات" اور "عزم للقوت" ہیں علی الترتیب، شوپنہار و اقبال اور نیٹشے اور اقبال کے مکالمے تھے۔ میں نے یہ سلسلہ جاری رکھنے کے لیے علامہ سے اجازت طلب کی اور ایک خط کے ساتھ یہ تینوں نظمیں اُن کی خدمت میں بذریعہ ڈاک ارسال کیں، جس کے جواب میں آپ کا یہ گرامی نامہ موصول ہوا۔"

(ملفوظاتِ اقبال، ص ۱۳۲، ۱۳۳)

لاہور، یکم نومبر ۳۶ء

جناب حفیظ صاحب، السلام علیکم

آپ کا خیال بہت اچھا ہے۔ مگر اردو میں خیالات کا ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے لئے آپ کو بہت، غور و فکر کرنا ہوگا۔ بحیثیتِ نظم "عزم للحیات"[ل] اوروں سے بہتر ہے۔ آپ جس وقت چاہیں تشریف لا سکتے ہیں۔

محمد اقبال

ل حفیظ نے نظموں کے اس سلسلے کا آغاز ۱۹۳۶ء میں کیا تھا۔ نظم "عزم للحیات" کا متن ملاحظہ ہو۔ ضمیمہ ۴

۱۰۱

بنام .... (؟)

فروری ۱۹۳۷ء میں حیدر آباد دکن میں اردو کے معروف شاعر ولی دکنی کی یاد میں دو صد سالہ جشن "یادگارِ ولی" منایا گیا۔ اقبال کو اس میں شرکت کی دعوت دی گئی مگر علامہ، علالت کے سبب شریک نہ ہو سکے۔ مندرجہ ذیل خط معذرت کے طور پر لکھا:

خط بغیر کسی القاب کے شروع ہوتا ہے۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مکتوب الیہ کون تھا بظاہر یہی نظر آتا ہے کہ جشن کمیٹی کے کسی عہدیدار کے نام لکھا گیا ہوگا۔

افسوس کہ میں ایک طویل علالت کی وجہ سے آپ کے جشن میں شرکت سے معذور ہوں۔ آپ نے یوم ولی مناکر شاعرِ اعظم ولی کی یاد کو جو تازہ کرنے کا ارادہ کیا ہے، وہ قومیت اور اسلاف پرستی کا صحیح جذبہ ہے۔ خدا کرے یہ جلسہ کامیاب ہو۔

محمد اقبال

۲۳ر جنوری ۱۹۳۷ء

(۱۰۲)

بنام میاں بشیر احمد

میاں بشیر احمد ۲۹ر مارچ ۱۸۹۳ء کو لاہور میں پیدا ہوئے۔ وہ جسٹس شاہ دین ہمایوں کے بیٹے اور سر محمد شفیع کے بھانجے اور داماد تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور آکسفورڈ میں تعلیم پائی۔ لندن سے بار ایٹ لا کیا۔ اسلامیہ کالج لاہور میں اڑھائی برس تک اعزازی استاد رہے۔ میاں بشیر احمد مسلم لیگ کے رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے۔ وہ لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ کے ممبر اور ۱۹۴۶ء سے ۱۹۴۹ء تک پنجاب اسمبلی کے ممبر رہے۔ ۱۹۴۹ء میں ترکی میں پاکستان کے سفیر مقرر ہوئے۔ ۳۰ر مارچ ۱۹۷۱ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔

جنوری ۱۹۲۲ء میں میاں بشیر احمد نے ایک ادبی رسالہ "ہمایوں" جاری کیا جس نے اردو ادب کی ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ میاں بشیر احمد نے اپنے والد میاں شاہ دین ہمایوں کی سوانح عمری بھی لکھی۔ اُن کا شعری مجموعہ قوسِ قزح کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

درج ذیل مکتوب کا پس منظر بیان کرتے ہوئے میاں بشیر احمد لکھتے ہیں: "میرے نام یہ خط علامہ مرحوم کی ان رباعیات سے متعلق ہے جو پیام مشرق میں لالۂ طور کے عنوان سے شائع کی گئی ہیں اور جن کے متعلق ایک شاعر کی تجویز تھی کہ وہ انہیں اردو نظم میں منتقل کردیں"

(ہمایوں اپریل ۱۹۵۳ء)

لاہور، ۲۲ مئی ۲۷ء

ڈیر بشیر!

آپ کا خط ابھی ملا ہے آپ کے دوست چند رباعیات کا ترجمہ کر کے دکھائیں تو کوئی رائے دے سکوں۔ ان کا انگریزی ترجمہ جو ایک انگریز نے ہی کیا تھا ناکام ثابت ہوا۔ امید ہے میاں شاہ نواز اچھے ہوں گے۔ کئی روز سے ان کے دیکھنے کا قصد کر رہا ہوں مگر اس سخت گرمی میں ہمت نہیں پڑتی۔

محمد اقبال

(۱۰۳)

بنام سکندر علی وجد

سکندر علی وجد اورنگ آباد، دکن کے رہنے والے ہیں۔ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے۔ جامعہ عثمانیہ سے بی اے کیا۔ اس کے بعد حیدر آباد دکن سول سروس کے مقابلے میں امتحان میں بیٹھے اور کامیاب ہو کر سررشتۂ عدالت میں ملازم ہو گئے۔

علامہ اقبال اور ان کی شاعری سے وجد کو ابتدا ہی سے دلچسپی تھی۔ حیدر آباد میں ۹ جنوری ۱۹۳۸ء کو پہلا یوم اقبال منایا گیا اس موقع پر منجملہ دوسرے حیدر آبادی شاعروں کے، وجد نے بھی ایک نظم پڑھی جس میں حضرت علامہ کو خراج تحسین پیش کیا۔

سکندر علی وجد کے دو مجموعے شائع ہو چکے ہیں (۱) لہو ترنگ (۲) آفتاب تازہ۔
کسی زمانہ میں علامہ کی شاعری پر تنقیدی مضامین لکھنا چاہتے تھے۔ علامہ اقبال کو خط لکھ کر اجازت چاہی۔ جواباً علامہ نے ذیل کا خط روانہ کیا:

لاہور

۹ر جون ۱۹۳۷ء

جناب من!

آپ کا خط مع اشعار مل گیا ہے۔ بہت بہت شکریہ قبول فرمایئے۔ جو مضامین آپ میری کتابوں پر لکھنا چاہتے ہیں۔ ان کے لئے مجھ سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ تنقیدی مضامین کے لئے ہر شخص آزاد ہے۔ البتہ میں آپ کو اتنا مشورہ دوں گا کہ مضمون لکھنے سے پہلے آپ ان کتابوں کو بغور تمام پڑھیں تاکہ آپ کو مصنف کے حقیقی مقاصد سے آگاہی ہو۔ ہندوستان میں عام طور پر ادباء کو زمانۂ حال کے فن تنقید کے اصولوں سے واقفیت حاصل نہیں ہے، اس واسطے یہ بھی مفید ہوگا کہ آپ انگریزی میں چند مشہور اور مستند کتابیں پڑھیں۔ ان کے طرزِ بیان اور اندازِ تنقید سے آگاہی حاصل کریں۔ اگر آپ ان کے اصولوں اور ان کے اسلوب بیان کو اختیار کر سکیں تو یہ بجائے خود اردو زبان کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔

والسلام
محمد اقبال

جناب سکندر علی وجد بی۔اے (عثمانیہ)
ویجاپور دکن
پوسٹ منماڑ
Vijapur (Deccan)

(۱۰۴)

بنام سر اکبر حیدری

سر نذر علی اکبر حیدری بی اے علامہ اقبال کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔ تعلقات کا آغاز غالباً مارچ ۱۹۱۰ء میں اقبال کے پہلے سفرِ حیدر آباد کے موقع پر ہوا۔ اس زمانے میں سر اکبر حیدری حیدر آباد دکن میں محکمہ مالیات کے معتمد تھے۔ انھوں نے علامہ اقبال کی بڑی خاطر مدارات کی اور ایک چاندنی شب وہ علامہ کو سلاطینِ شاہیہ کے مقبرے دکھانے گئے۔ اقبال کی نظم "گورستانِ شاہی" (بانگِ درا ص ۱۴۹ - ۱۵۳) اسی واقعے کی یادگار ہے۔

۱۷ - ۱۹۱۶ء میں حیدر آباد دکن ہائی کورٹ میں ایک جج کی جگہ خالی ہوئی۔ اس کے لیے ایک نام علامہ اقبال کا بھی تجویز ہوا۔ اخبارات میں تذکرے ہونے لگے۔ اس زمانے میں اقبال نے مہاراجہ کشن پرشاد شاد اور مولانا گرامی کو جو خطوط لکھے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حیدر آباد میں سر اکبر جیسے باثر دوست کی موجودگی میں علامہ اقبال کو اپنی کامیابی کی کافی توقع تھی۔ مگر وقت گذرتا گیا اور نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ خدا جانے سر اکبر نے اقبال کو جج نامزد کرانے کی بھرپور کوشش نہ کی یا واقعی اقبال کے بقول وہ "کمزور آدمی" تھے۔ اقبال کو بہر حال سر اکبر سے مایوسی ہوئی۔ اس واقعے کے بعد اگرچہ علامہ اقبال اور سر اکبر کے باہمی تعلقات قائم رہے، علامہ نے بھی اپنے خطوں میں سر اکبر کا ذکر بڑی محبت اور فراخ دلی کے ساتھ کیا اور سر اکبر بھی حضرت علامہ کو حیدر آباد آنے کی دعوت دیتے رہے تاہم وہ پہلے والی بات نہ رہی۔

آخری زمانے میں ایک اور افسوس ناک واقعے نے تعلقات میں تکدر پیدا کر دیا۔ جنوری ۱۹۳۸ء میں اقبال ڈے کے موقع پر، جب سر اکبر حیدر آباد کے صدرِ اعظم تھے۔ حضور نظام کے توشہ خانے سے اقبال کو ایک ہزار روپے کا چیک روانہ کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی توشہ خانے

کے ہندو منتظم نے ایک خشک اور سپاٹ سا مراسلہ بھی روانہ کر دیا۔ یہ چیک خلوصِ نیت ہی سے بھجوایا گیا ہوگا۔ مگر علامہ اقبال کو یہ بات پسند نہیں آئی۔ انہوں نے چیک لوٹا دیا اور ایک نظم لکھی جس کا معروف شعر ہے ؂

غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول

جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکات

یہ نظم ارمغانِ حجاز (ص ۲۸۴) میں موجود ہے۔

سر اکبر حیدری کے نام اقبال کا درجِ ذیل مکتوب مندرجہ بالا افسوس ناک واقعے سے چند ماہ پہلے کا ہے جو انہوں نے سر اکبر کے کسی خط کے جواب میں لکھا۔ سر اکبر اس زمانے میں لندن میں مقیم تھے۔

❖

میو روڈ، لاہور

(انگریزی)

۱۳ر جون ۱۹۳۷ء

مائی ڈیر سر اکبر،

لندن سے آپ کا خط اپنے جلو میں ایک خوش گوار حیرت لے کر آیا کیونکہ اپریل میں جو عریضہ میں نے آپ کی خدمت میں روانہ کیا تھا۔ آپ کی طرف سے اس کے جواب کی توقع نہ رہی تھی۔ یہ بات باعثِ مسرت ہے کہ آپ میرے خطوط کو محفوظ کر رہے ہیں۔ تاہم یقین جانیے کہ آپ کی شفقت و عنایت کی قدر و قیمت میرے نزدیک اس اہمیت سے کہیں بڑھ کر ہے جو آپ نے اپنی نوازشِ بے پایاں سے میرے عریضوں کو عطا کر رکھی ہے۔

سال کے ان ایام میں انگلستان میں، موسم تو بہت عمدہ ہوگا۔ اور مجھے امید ہے کہ اس سے آپ کی صحت پر اچھا اثر پڑے گا۔ جن لوگوں کی آپ نے عمر بھر خدمت کی ہے، انہیں آپ کی صحت کی شدید ضرورت ہے۔ رہا میں تو میں یورپ سے سیر ہو چکا ہوں۔ وہاں کی

شدید سردی نے ایک معذور شخص کی سی زندگی میرا مقدر کر دی ہے جسے میں گذشتہ تین سال سے بسر کر رہا ہوں۔ بعض احباب نے علاج کے لئے جرمنی اور آسٹریا جانے کا مشورہ دیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وہاں کے اخراجات میری استطاعت سے باہر ہوں گے۔ مزید برآں یہ بات میرے بچوں کے ساتھ زیادتی کے مترادف ہوگی کہ عمر کے ان ڈھلتے ہوئے سالوں میں جب کہ میری زندگی کا کام عملاً انجام کو پہنچ چکا ہے، میں اپنی ذات پر اس قدر خرچ کروں۔ تنہا خواہش، جو ہنوز میرے جی میں خلش پیدا کرتی ہے، یہ رہ گئی ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو حج کے لئے مکہ جاؤں اور وہاں سے اس ہستی کے مزار پر حاضری دوں جس کا ذات الٰہی سے بے پایاں شغف میرے لئے وجہ تسکین اور سرچشمۂ الہام رہا ہے۔ میری جذباتی زندگی کا

←

Mayo Road, Lahore,
Dated the 13th June, 1937.

My dear Sir Akbar,

Your letter from London bronght me a pleasant surprise, as I was not expecting any reply to my letter of April. It is very gratifying to hear that you are preserving my letters ; but let me assure you that I attach a far greater value to your sympathy and affection than the value you so generonsly attatch to my letters.

The weather in England must be very fine at this time of the year, and I hope it will have a good effect on your health, which is so much needed by those whom you have served all your life. As for me, I have had enongh of Europe. Its intense cold has given me the life of an invalid, which I have been living for the last three years. Some friends have suggested Germany and Austria for treatment, but I fear it is too expensive for me. Further more it is unfair to my children that I should spend so much on myself in my declining years, when my life work is practically finished. The only desire that is still pinching me is .o make a pilgrimage, if possible to Mecca and from there to the grave of him whose infinite devotion to God has been a constant source of inspiration and consolation to me. The cast of my emotional life is such that I could not have lived a single moment without a strong faith in the immortality of the individual human consciousness. This faith has come to me from the Holy Prophet of Islam. Every atom of me is brimming with feelings of gratitude to him, and my soul needs out-pouring, which is possible only at his grave. My pilgrimage, if God grants it to me, will be one of thanksgiving. Hoping you are well and returning to India soon.

Yours Sincerely,
Muhammad Iqbal

Right Hon. Sir Akbar Haydari,
Hyde Park, Knights Bridge,
London.

سانحہ کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ انفرادی شعور کی ابدیت پر مضبوط یقین رکھے بغیر ایک لمحہ بھی زندہ رہنا میرے لئے ممکن نہیں ہو سکا۔ یہ یقین مجھے پیغمبرِ اسلام کی ذاتِ گرامی سے حاصل ہوا ہے میرا ہر بُنِ مُو آپؐ کی احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہے اور میری روح ایک بھرپور اظہار کی طالب ہے جو صرف آپؐ کے مزارِ مقدس پر ہی ممکن ہے۔ اگر خدا نے مجھے توفیق بخشی تو میرا حج اظہارِ تشکر کی ایک شکل ہوگی۔

اُمید ہے آپ اچھے ہوں گے اور جلد ہندوستان واپس آ رہے ہوں گے۔

آپ کا مخلص

محمد اقبال

رائٹ آنریبل سر اکبر حیدری

ہائیڈ پارک، نائٹس برج

لندن

(۱۰۵)

بنام ڈاکٹر حبیب النساء بیگم

حبیب النساء بیگم جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد دکن میں ایم اے کی طالبہ تھیں۔ ایم اے میں وہ اقبال کی تصانیف میں تصوف کا عنصر کے موضوع پر مقالہ لکھ رہی تھیں۔ اس ضمن میں انہیں علامہ اقبال کی کتاب

Development of Metaphysics in Persia.

کی ضرورت محسوس ہوئی۔ کتاب دستیاب نہ ہوئی تو انہوں نے علامہ اقبال کو خط لکھ کر استفسار کیا۔ جواباً علامہ نے اُن کے نام ذیل کا خط روانہ کیا۔

محترمہ،

مجھے یہ کہتے ہوئے انتہائی افسوس ہو رہا ہے کہ آپ نے جس کتاب کا ذکر میرے خط میں کیا ہے، وہ میرے پاس نہیں ہے۔ یہ تیس سال پہلے لکھی گئی[1] تھی۔ مجھے ڈر ہے کہ اب تک یہ کتاب کافی قدیم (کذا) اور دوبارہ نہیں چھپ رہی[2] ہے۔ بہتر ہے اس کے پبلشرز میسرز لوزاک اینڈ کمپنی اورینٹل بک سیلرز مقابل برٹش میوزیم لندن کو لکھ دیکھیے اور دریافت کیجیے کہ آیا ایک نسخہ روانہ کر سکتے ہیں؛ اس کا اردو ترجمہ کچھ مہینے پہلے حیدر آباد میں شائع ہو چکا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مترجم کا نام و پتا نہیں معلوم[3]۔

آپ کا

یکم جولائی ۱۹۳۷ء   اقبال

---

[1] دراصل یہ پی ایچ ڈی کا مقالہ تھا جو ۱۹۰۷ء میں قیام جرمنی کے دوران میں لکھا گیا اس پر میونخ یونیورسٹی سے اقبال کو ڈاکٹریٹ کی سند عطا ہوئی۔

[2] پہلا ایڈیشن ۱۹۰۸ء میں لندن سے چھپا۔ ۱۹۵۴ء میں دوسرا ایڈیشن، بزم اقبال لاہور نے شائع کیا۔ تیسرا ایڈیشن (۱۹۵۹ء) اور چوتھا ایڈیشن (۱۹۶۴ء) بھی لاہور ہی سے چھپا۔

[3] انگریزی کتاب شائع ہونے کے سولہ سترہ برس بعد میر حسن الدین نے علامہ اقبال سے اس کا اردو ترجمہ کرنے کی اجازت چاہی تو علامہ نے جواباً لکھا: ——— "مجھے کوئی تامل نہیں، آپ بلا تکلف اس کا ترجمہ شائع فرما سکتے ہیں مگر میرے نزدیک اس کا ترجمہ مفید نہ ہوگا۔ یہ کتاب اب سے اٹھارہ سال پہلے لکھی گئی تھی۔ اس وقت سے بہت سے نئے امور کا انکشاف ہوا ہے اور خود میرے خیالات میں بہت سا انقلاب آچکا ہے.... میرے خیال میں اس کتاب کا اب تھوڑا سا حصہ باقی ہے جو تنقید کی زد سے بچ سکے۔ آئندہ آپ کو اختیار ہے۔" (مکتوب بنام میر حسن الدین، انوارِ اقبال، ص ۲۰۱) (باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۰ پر ملاحظہ ہو)

(۱۰۶)

بنام جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام

علامہ اقبال اور سر راس مسعود کے باہمی تعلقِ خاطر پر، گذشتہ صفحات (۲۶۱ - ۲۶۲) میں روشنی ڈالی جاچکی ہے۔ سر راس مسعود تقریباً بارہ روز بیمار رہ کر، ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کو خالقِ حقیقی سے جاملے۔ ان کی میت علی گڑھ لے جاکر دفنائی گئی۔ علامہ اقبال کے لئے یہ ناگہانی حادثہ گہرے صدمے کا باعث ہوا۔ اس کا اندازہ، اُن خطوط سے لگایا جاسکتا ہے جو راس مسعود کی وفات پر ان کی بیگم اور مرحوم کے پرائیویٹ سیکریٹری ممنون حسن خاں کو لکھے گئے:

۳۱ جولائی: "سخت پریشان ہوں ... میرے لئے یہ صدمہ ناقابلِ برداشت ہے۔"

(بنام ممنون حسن خان)

۳۱ جولائی: "راس مسعود کا رنج عالمگیر ہے۔" (بنام ممنون حسن خاں)

یکم اگست: "میں آپ کو صبر و شکر کی تلقین کیوں کر کروں جب کہ میرا دل تقدیر کی شکایتوں سے خود لبریز ہے۔"

(بنام بیگم مسعود)

←

← (بقیہ حاشیہ از صفحہ ۲۷۹)

علامہ اقبال نے مترجم کی حوصلہ افزائی نہیں کی تاہم میر حسن الدین نے ۱۹۲۸ء میں ترجمہ مکمل کر لیا۔ یہ ترجمہ "فلسفۂ عجم" کے نام سے ۱۹۳۶ء میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ اب تک اس کے سات آٹھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ ابتدائی چار ایڈیشن حیدر آباد دکن سے اور باقی کراچی سے شائع ہوئے۔ تعجب ہے کہ اقبال کو اپنی تصنیف کے مترجم کا نام بھی یاد نہیں رہا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ انہیں ترجمے اور اس کی اشاعت سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

۷ر اگست: "مسعود کا غم باقی رہے گا، جب تک میں باقی ہوں۔" (بنام ممنون حسن خاں)

علامہ اقبال نے اپنے کتبۂ مزار کے لئے ایک رباعی لکھی تھی لیکن اُن کے بقول: چونکہ "تقدیرِ الٰہی یہ تھی کہ مسعود مرحوم مجھ سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو جائے۔" اس لیے انہوں نے یہ رباعی مسعود مرحوم کے کتبۂ مزار کے لئے منتخب کر کے، ممنون حسن خاں کو بھیجی اور لکھا کہ: "رباعی کا مضمون مجھ سے زیادہ ان کی زندگی اور موت پر صادق آتا ہے۔" رباعی یہ ہے:

نہ پنداری دریں بستان سرا دل
ز بندِ این و آں آزادہ رفتم
چو بادِ صبح گردیدم دمے چند
گلاں را رنگ و آبے دادہ رفتم

صدمے کی انہی کیفیات و احساسات کے تحت اقبال نے مسعود مرحوم کی یاد میں وہ معروف دردانگیز مرثیہ لکھا جو "ارمغانِ حجاز" (ص ۲۴۲-۲۴۳) میں "مسعود مرحوم" کے تحت شامل ہے۔ ذیل کا خط بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

۲۱ جولائی ۱۹۳۷ءؔ[1]

نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سر سید راس مسعود صاحب وزیر تعلیم بھوپال انتقال فرما گئے ہیں، مرحوم سرسید مرحوم کے پوتے اور آنریبل سید محمود کے صاحبزادے تھے۔ انہوں

---

[1] "مجلۂ اقبال" اکتوبر دسمبر ۱۹۷۱ء میں منقول، زیرِ نظر مکتوب پر ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء کی تاریخ درج ہے جو درست نہیں۔ راس مسعود ۳۰ جولائی کو فوت ہوئے۔ اقبال کو اگلے روز ۳۱ جولائی کے اخبارات سے یہ خبر معلوم ہوئی جیسا کہ ممنون حسن کے نام ۳۱ جولائی کے مکتوب میں لکھتے ہیں: "سید مسعود مرحوم کے انتقال کی ناگہانی خبر صبح اٹھتے ہی اخبار "زمیندار" سے معلوم ہوئی" (اقبال نامہ جلد اول ص ۲۲۷) اس لیے زیرِ نظر مکتوب یقینی طور پر ۳۱ جولائی کا مرقومہ ہے۔

نے اپنے مرحوم دادا کی طرح ملک و ملت کی بہت زیادہ خدمت کی۔ مرحوم کی بے وقت موت سے مسلمانانِ ہند کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ لہٰذا تعزیت کا ریزولیوشن پاس کیا جائے اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی جائے [1] نیز ریزولیوشن کی نقل بیگم مسعود صاحبہ [2] ریاض منزل بھوپال اور مرحوم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں علی گڑھ ارسال کی جائے۔

محمد اقبال

---

[1] چنانچہ انجمن کی جنرل کونسل کا تعزیتی اجلاس یکم اگست ۱۹۳۷ء کو، انجمن کے نائب صدر مولوی انعام علی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

[2] سر راس مسعود کی بیگم (امت المسعود) اندور ہائی کورٹ کے جج عبدالرشید صاحب کی صاحبزادی تھیں وہ سر راس مسعود کی دوسری بیگم تھیں۔ شادی کے بعد بیگم مسعود کے ہاں مردہ بچہ پیدا ہوا۔ عبدالرشید صاحب نے بچے کے کتبے کے لیے اقبال کے اشعار کی فرمائش کی۔ جواباً اقبال نے انہیں لکھا: "نفسیاتی وجوہ کی بنا پر اس الم انگیز یاد کو تازہ رکھنے کا سامان بہم پہنچانا مناسب نہ ہوگا۔" تاہم ایک شعر بھی لکھ بھیجا اور کہا کہ دوسرا بچہ ہونے کے بعد پہلے بچے کے کتبے پر یہ شعر کندہ کر دیجئے۔ (اقبال نامہ جلد دوم ص ۲۳۶ — ۲۳۷) بیگم مسعود کے ہاں بعد میں نادرہ مسعود تولد ہوئیں جو پروفیسر رشید احمد صدیقی کے صاحبزادے ڈاکٹر احسان رشید (حال وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی) سے بیاہی گئیں۔ سر راس مسعود کے انتقال کے بعد، لیڈی مسعود کا عقد نواب زادہ راحت سعید چھتاری سے ہو گیا تھا۔

۱۰۷

بنام مصطفیٰ المراغی

چودھری نیاز علی خان (وفات: ۲۴ر فروری ۱۹۷۶ء) ایک دردمند اور مخلص مسلمان تھے۔ ۱۹۳۵ء میں محکمہ نہر میں اسسٹنٹ انجینئر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے تو خدمتِ دین کے لیے انہوں نے موضع جمال پور نزد پٹھان کوٹ میں ایک ادارہ قائم کرنے کی سکیم بنائی۔ چودھری نیاز علی اپنے ایک مضمون "دارالسلام کی حقیقت" میں لکھتے ہیں: "مدت سے میرا خیال تھا کہ ملازمت سے فارغ ہو کر اپنے بقایا ایامِ زندگی اور محدود وسائل کو خدمتِ دین میں صرف کروں گا... چنانچہ علامہ سر محمد اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے سب حالات سننے کے بعد ایک ایسی اسکیم کا ذکر فرمایا جس کا انہیں عرصے سے خود خیال تھا یعنی کسی پر سکون مقام پر ایک ایسی مختصر سی بستی کی بنیاد رکھی جائے جہاں خالص اسلامی ماحول پیدا کیا جائے اور وہاں بہترین دل و دماغ کے نوجوانوں کو ایسی تربیت دی جائے جس سے ان میں مسلمانانِ عالم کی صحیح راہنمائی کی اہلیت پیدا ہو جائے۔ حضرتِ ممدوح کے اس تخیل کو پیشِ نظر رکھ کر میں نے مارچ ۱۹۳۶ء میں ایک قطعہ اراضی ساٹھا ایکڑ کا تعلیم قرآن کے لئے وقف کر دیا اور اس میں ضروری مکانات یعنی مسجد، مکتب، کتب خانہ، دارالاقامہ، رہائشی مکانات عملہ، چاہ وغیرہ کی تعمیر شروع کر دی..... اسی دوران میں مجھے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کے ساتھ اس ادارے کے متعلق خط و کتابت کا موقع ملا اور حضرت علامہ کی نظر جوہر شناس بھی سید صاحب پر جا پڑی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ حیدر آباد سے یہاں کا موقع محل دیکھنے آئے اور حضرت علامہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تین صحبتوں میں ان سے مفصل گفتگو کرنے کے بعد اس ادارے میں جس کا نام انہوں نے "دارالسلام" تجویز کیا، منتقل مکانی کرنے کا فیصلہ کیا۔"

(بحوالہ صحیفہ اقبال نمبر حصہ اول ۷۳ء، ۱۹ اور ص ۲۲۹ - ۲۳۰)

حضرت علامہ اسی ادارے کے لئے کسی روشن خیال مصری ازہری عالم کی خدمات بھی حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ جامعہ ازہر کے شیخ، علامہ مصطفےٰ المراغی کے نام ذیل کا مکتوب اسی سلسلے میں لکھا گیا۔

اصل مکتوب عربی میں لکھا گیا۔ ہم اس کے ایک حصے کا عربی متن بھی پیش کر رہے ہیں۔ اس مکتوب کا ایک ترجمہ "اقبال نامہ"، حصہ اول (ص ۲۵۱ - ۲۵۳) میں بھی موجود ہے۔ مگر وہ نامکمل ہے۔ مکمل مکتوب پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے۔ اردو ترجمہ پروفیسر خورشید رضوی صاحب نے کیا ہے۔

اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر علامہ المراغی کے جوابی مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط ۵ اگست ۱۹۳۶ء کو لکھا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (عربی)

از ڈاکٹر محمد اقبال۔ بخدمت جناب صاحب الفضیلۃ علامہ شیخ مصطفےٰ المراغی شیخ الازہر الشریف ادام اللہ مجدہٗ[1] السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

بلاشبہ ازہر شریف کو عالم اسلامی میں بھرپور اہمیت حاصل ہے۔ وہ ایک منفرد علمی مرکز ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہر تشنہ کام اس کی طرف لپکتا ہے تاکہ اس کے سمندروں سے چلّو بھر سکے اور اس کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں سے ہونٹ تر کر سکے اور جب بھی کوئی علمی یا دینی ضرورت پیش آتی ہے، انگلیاں اسی کی طرف اٹھتی ہیں۔ ہمیں بھی آپ سے ایک ضرورت در پیش ہے۔

ہم نے ارادہ کیا ہے کہ ہم پنجاب کی ایک بستی میں ایک اہم ادارے کی بنیاد رکھیں کہ اب تک کسی اور نے ایسا ادارہ قائم نہیں کیا اور انشاء اللہ اسے اسلامی دینی اداروں میں بہت اونچی حیثیت حاصل ہوگی۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ کچھ ایسے لوگوں کو جو جدید علوم سے بہرہ ور ہوں

[1] خدا اس کی عظمت کو دوام بخشے (یعنی ازہر کی عظمت ہمیشہ قائم رہے)

بسم الله الرحمن الرحيم

من الدكتور محمد اقبال الى حضرة صاحب الفضيلة العلامة الشيخ مصطفى المراغى شيخ الازهر الشريف ادام الله مجده

السلام عليكم ورحمة الله وبركاته :

ان الازهر الشريف له أهمية كاملة فى العالم الاسلامى ، وهو مركز علمى وحيد ولذلك يسرع اليه كل عطشان ليغترف من بحاره ويرتشف من زخرانه وهو المشار اليه عند كل حاجة علمية ودينية ولنا ايضا حاجة اليكم .

انا اردنا ان نأسس فى قرية من قرى البنجاب ادارة مهمة لم يسبق اليها احد الى الآن وتكون لها شأن ما عدا المعاهد الدينية الاسلامية ان شاء الله .

انا نريد ان نجمع عدة رجال من الذين فازوا فى العلوم الجديدة مع عدة من الذين تمهروا فى العلوم الدينية ويكون فيهم صلاحية ذهنية باعلى ما تكون وهم مستعدون لصرف وقتهم فى خدمة الدين الاسلامى ونجعل لهم رواقا متنحيا عن شغب الحضارة الجديدة والثقافة الحديثة ليكون لهم مركزا علميا اسلاميا ونرتب لهم فيه مكتبة يكون فيها كل ما يحتاج اليه من الكتب الجديدة والقديمة وما عدا ذلك يعين لهم قائد كامل صالح تكون له بصيرة تامة فى القرآن الحكيم ويكون خبيرا عما تحدث فى العالم الحاضر ليعلّمهم روح كتاب الله وسنة رسوله صلى الله عليه وسلم ويعاونهم على تجديد الفكر الاسلامى فى شعب الفلسفة والحكمة والاقتصاديات والسياسيات حتى ان يجاهدوا بعلمهم وباقلامهم فى سبيل الاحياء التمدن الاسلامى .

وهذا الاقتراح لا يحتاج ان يبيّن أهميته لصاحب الفضيلة كمثلكم ولذلك ارجو منكم ان تفضلوا علينا بارسال رجل عالم مصرى متنور على نفقة جامعة الازهر ليساعدنا فى هذا الامر وينبغى ان يكون ماهرا فى العلوم الشرعية وفى تاريخ التمدن الاسلامى ويجب ايضا أن يكون قادرا على اللغة الانكليزية .

کچھ ایسے لوگوں کے ساتھ یک جا کر دیں جنہیں دینی علوم میں مہارت حاصل ہو۔ جن میں اعلیٰ درجے کی ذہنی صلاحیت پائی جاتی ہو اور جو اپنا وقت دینِ اسلام کی خدمت میں لگانے کو تیار ہوں۔ اور ہم ان لوگوں کے لیے نئی تہذیب اور جدید تمدن کے شور و شغب سے دور ایک دارالاقامت بنا دیں جو ان کے لیے ایک اسلامی علمی مرکز کا کام دے اور اس میں ہم ان کے لیے ایک لائبریری ترتیب دیں جس میں وہ تمام قدیم و جدید کتابیں موجود ہوں جن کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ مزید برآں ان کے لیے ایک کامل اور صالح گائیڈ کا تقرر کیا جائے جسے قرآنِ حکیم پر بصیرتِ تامہ حاصل ہو اور جو دنیائے جدید کے احوال و حوادث سے بھی باخبر ہو تاکہ وہ ان لوگوں کو کتاب اللہ اور سنّتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح سمجھا سکے اور فلسفہ وحکمت، اور اقتصادیات و سیاسیات کے شعبوں میں فکرِ اسلامی کی تجدید کے سلسلے میں انہیں مدد دے سکے تاکہ یہ لوگ اپنے علم اور اپنے قلم سے اسلامی تمدن کے احیاء کے لیے کوشاں ہو سکیں۔

آپ جیسے فاضل شخص کے سامنے اس تجویز کی اہمیت واضح کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ چنانچہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ ازرہِ کرم ایک روشن دماغ مصری عالم کو جامع ازہر کے خرچ پر بھجوانے کا بندوبست فرمائیں تاکہ وہ اس کام میں ہمیں مدد دے سکے۔ لازم ہے کہ یہ شخص علومِ شرعیہ نیز تاریخِ تمدنِ اسلامی میں کامل دستگاہ رکھتا ہو اور یہ بھی لازم ہے کہ اُسے انگریزی زبان پر قدرت حاصل ہو۔[1]

علاوہ ازیں مجھے مصری وفد کے اراکین سے جنہوں نے پچھلے دنوں ہمیں اپنی زیارت سے مشرف فرمایا تھا، معلوم ہوا تھا کہ جامع ازہر اپنے خرچ پر ہندوستان میں چند مبلغین مختلف مقامات میں بھیجنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں آپ سے درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ ایک مرکز

---

[1] خط کے عربی متن میں یہاں تک کے حصے کا اردو ترجمہ پروفیسر خورشید رضوی صاحب نے کیا ہے۔ خط کے باقی حصے کا عربی متن نہیں مل سکا۔ صرف اردو ترجمہ دستیاب ہو سکا جو پیش کیا جا رہا ہے۔

اسلامی کی بنا جیسا کہ میں نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے۔ مقصدِ تبلیغ کے لیے مختلف مبلغین بھیجنے سے زیادہ اولیٰ و اقرب ہے مجھے توقع ہے کہ دینِ حق کا نور اس مرکز سے ہندوستان کے تمام اطراف و اکناف میں پھیلے گا اور اگر آپ میرے ساتھ اس لائحہ عمل پر اتفاق کریں تو آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔ اگر آپ مجھے اپنے خیال سے جلد از جلد مطلع فرمائیں۔

بصد احترام

والسلام

مخلص

محمد اقبال[۲]

مکتوب مصطفٰے المراغی بنام اقبالؔ

مندرجہ بالا مکتوب کے جواب میں علامہ المراغی نے ذیل کا مکتوب حضرتِ علامہ کی خدمت میں روانہ کیا۔ ان کے اصل مکتوب کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ——— اس کا اردو ترجمہ بھی پروفیسر خورشید رضوی صاحب نے کیا ہے۔

(عربی)

دفتر شیخ الجامع الازہر

استادِ کامل جناب ڈاکٹر محمد اقبال صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ آپ کا مکتوب مورخہ ۵ اگست ۱۹۳۷ء میری نظر سے گذرا اور مجھے آپ کے اس عزم پر بے حد مسرت ہوئی جو آپ نے ایک ایسے ادارے کی داغ بیل ڈالنے کے سلسلے میں کیا ہے جس میں جدید طرز کے تہذیب یافتہ لوگوں کو اُن لوگوں کے ساتھ یکجا کیا جا سکے۔ جنہیں دینی علوم میں دستگاہ حاصل ہو۔ آپ نے مجھ سے مطالبہ فرمایا ہے کہ ایک ایسے عالم کو ازہر کے خرچ پر روانہ کیا جائے جو علوم شرعیہ نیز تاریخ تمدن اسلامی میں مہارت رکھتا ہو اور انگریزی زبان پر بھی قادر ہو۔

مجھے افسوس کے ساتھ یہ وضاحت کرنی پڑتی ہے کہ ہمارے ہاں علمائے ازہر میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں جو انگریزی زبان پر قدرت رکھتا ہو کیوں کہ انگریزی ازہر میں صرف گذشتہ سال سے کالجوں کے طلبہ کے لیے شامل کی گئی ہے۔

میرا خیال ہے کہ میں آپ کی خواہش کی تکمیل اُس کھیپ کی واپسی سے قبل نہیں کر سکوں گا جو گذشتہ سال انگلستان بھیجی گئی ہے۔ جو کچھ میرے بس میں ہے اس کے لیے آپ مجھے یہاں تیار پائیں گے اور آپ کے تمام عزائم میں میری طرف سے آپ کو غایت درجے کا خلوص حاصل رہے گا۔

مخلصانہ آداب کے ساتھ

۱۲ اگست ۱۹۳۷ء — محمد مصطفےٰ

المراغی

مكتب شيخ الجامع الأزهر

حضـرة الاستاذ الكامل الدكتور محمد اقبال

السلام عليكم ورحمه الله . قرأت خطابكم المؤرخ ٥ اغسطس سنة ١٩٣٧ وسرني جدا ما عزمتم عليه من انشاء معهد يضم رجالا مثقفين على الطريقة الحديثة ورجالا مهروا فى العلوم الدينية . وقد طلبتم منى ارسال عالم على نفقة الازهـر يكون ماهرا فى العلوم الشرعية وتاريخ التمدن الاسلامى وقادرا على اللغه الانجليزيه

وانى آسف جدا اذ اصرح لكم بانه لا يوجد عندنا احد من علماء الازهر قادر على اللغه الانجليزية . فلم تدخل اللغة الانجليزيه الازهر الا فى السنه الماضية لطلاب الكليات .

ولا اظن انى استطيع اجابة طلبكم الا بعد عوده البعثة التى ارسلت فى العام الماضى الى انجلترا . وترانى هنا مستعدا لكل ما اقدر عليه . وستجدنى صريحا معك غاية الصراحه فى كل ما تريد

ولك تحيـاتى الخالصـة ،

٢١ اغسطس ١٩٣٧

محمد مصطفى المراغى

(۱۰۸)

بنام محمد نعمان

محمد نعمان، آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سیکرٹری تھے۔ فیڈریشن کا ایک اجلاس ۱۹۳۷ء کے آخر میں کلکتہ میں منعقد ہو رہا تھا۔ فیڈریشن کے ارکان کی خواہش تھی کہ علامہ اقبال اجلاس میں شریک ہو کر اس کی صدارت کریں۔ چنانچہ ان سے اجلاس کی صدارت قبول کرنے کی درخواست کی گئی۔ حضرت علامہ کی صحت ان دنوں اچھی نہ تھی، اس لیے انہوں نے اجلاس میں شرکت سے معذوری ظاہر کی۔ اس ضمن میں فیڈریشن کے سیکرٹری کے نام ذیل کا خط لکھا۔

ڈیر مسٹر نعمان

السلام علیکم۔ میں بہت خوشی سے کلکتہ کی آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس کانفرنس کی صدارت کی دعوت قبول کر لیتا لیکن بد قسمتی سے طویل علالت نے مجھے اس امر کے ناقابل کر دیا ہے کہ میں ملک کی تازہ تحریکات میں کوئی سرگرم حصہ لے سکوں۔ تین سال کی مسلسل علالت نے مجھے بالکل بے دست و پا کر دیا ہے۔ میری نظر کمزور ہو رہی ہے اور ڈاکٹروں نے مجھے پڑھنے لکھنے کی ممانعت کر رکھی ہے۔ بہر کیف میں آپ کے اس نیک اقدام کی کامیابی کے لیے دست بدعا ہوں اور مجھے امید ہے کہ مسلمانوں کی نوجوان نسل اس نازک سیاسی دور کی اہمیت کو سمجھے گی جس میں سے

---

[1] علامہ مرحوم کی طویل علالت کا آغاز ۱۰ر جنوری ۱۹۳۴ء کو ہوا۔ اس سلسلے میں کچھ تفصیلات گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہیں۔ ۱۹۳۷ء میں آنکھوں میں موتیا بند اتر آیا۔ اس طویل اور مسلسل علالت نے علامہ مرحوم کے معمولات کو اتنا متاثر کیا کہ اس زمانے میں بالعموم خطوط بھی دوسروں سے املا کراتے۔

آج کل مسلمانانِ ہند گذر رہے ہیں۔

مخالف قوتوں سے ہرگز نہ ڈرو۔ ان سے جدوجہد جاری رکھو کیوں کہ جدوجہد ہی میں زندگی کا راز مضمر ہے۔"

(۱۰۹)

بنام فضل کریم

حضرت علامہ کے مندرجہ ذیل انگریزی مکتوب کے بارے میں پروفیسر احمد اعجاز پیرزادہ صاحب لکھتے ہیں: "اصل خط مجھے علی گڑھ سے فضل کریم صاحب کے ذریعے ملا تھا۔ فضل کریم پوسٹ گریجویٹ کلاسز کی فلاسوفیکل ایسوسی ایشن کے سیکرٹری تھے۔ وہ 6th year کے طالب علم تھے اور میں 5th Year کا۔ خالص میری تحریک پر یہ خط ایم اے کے طلبہ یا غالباً فلاسفی اسوسی ایشن کی طرف سے علامہ کو لکھا گیا۔ لکھا یا ہم نے سیکرٹری کی طرف سے۔ لہٰذا انہیں کے نام جواب آیا۔ اس خط کے سلسلے میں استاذِ محترم ڈاکٹر ظفر الحسن مرحوم صدر شعبۂ فلسفہ علی گڑھ یونیورسٹی کی اجازت اور رضامندی بھی حاصل کر لی گئی تھی۔

"فضل کریم صوبہ سرحد کے باشندے تھے۔ غالباً ایبٹ آباد کے رہنے والے تھے۔ ایل۔ ایل بی بھی علی گڑھ سے کیا تھا۔ پریکٹس کرتے تھے۔" (پروفیسر احمد اعجاز پیرزادہ، مکتوب بنام: رفیع الدین ہاشمی ۱۲ اگست ۱۹۷۸ء)

پیرزادہ احمد اعجاز، عرصہ دراز تک محکمۂ تعلیم پنجاب سے وابستہ رہے۔ جن دنوں وہ گورنمنٹ کالج سرگودھا میں فلسفے کے استاد تھے۔ انہوں نے یہ خط کالج میگزین کے انگریزی حصے "THE DAWN" میں شائع کرایا تھا۔ موصوف کو حضرتِ علامہ اور ان کے افکار سے بے حد شغف ہے۔ قیام سرگودھا کے زمانے میں انہوں نے کالج میں "مجلسِ اقبال" قائم کی

جس کے تحت "اقبال لائبریری" کا قیام عمل میں آیا۔ اس میں اقبالیات پر بلندپایہ لٹریچر جمع کیا گیا۔ پیرزادہ صاحب ان دنوں لاہور میں مقیم ہیں۔

اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں مگر پروفیسر احمد اعجاز صاحب کا بیان ہے کہ جون جولائی یا اگست ۱۹۳۷ء میں لکھا گیا۔

(انگریزی)

مائی ڈیر فضل کریم،

آپ کے خط کا شکر گذار ہوں جو آج صبح ہی موصول ہوا۔ میرا خیال ہے کہ آپ کو اور نہ آپ کے احباب کو معلوم ہے کہ گذشتہ تین برس سے میں ایک معذور شخص کی سی زندگی گذار رہا ہوں اور حال ہی میں ڈاکٹروں نے مجھے لکھنے پڑھنے سے بالکل منع کر دیا ہے کیونکہ میری بینائی خراب ہوتی جا رہی ہے۔ لہٰذا آپ نے اپنے خط میں جس کام کا تذکرہ کیا ہے میرے لیے اس کا بیڑا اٹھانا ممکن نہیں ہے۔ مسلم فلسفیانہ لٹریچر بہت وسیع ہے اور یورپ کی لائبریریوں اور عالم اسلام میں بکھرا ہوا ہے۔ حالات ایسے ہیں کہ پرنس کتانی جیسا متموّل شخص[1] ہی مسلم افکار کی تاریخ لکھ سکتا ہے۔ مسلم فلسفیانہ لٹریچر کا معتدبہ حصہ مخطوطات کی شکل میں ہے اور اس کا سراغ لگانے کا کام ابھی باقی ہے۔ گذشتہ تین سو برسوں کے دوران میں

---

[1] دوسری گول میز کانفرنس (لندن: ۱۹۳۱ء-۳۲ء) سے واپسی پر اقبال چند روز کے لئے اٹلی میں ٹھہرے۔ اس دوران میں پرنس کتانی سے بھی ملاقات ہوئی: "جب میں اٹلی گیا تو مجھے ایک شخص پرنس کتانی ملا۔ وہ اسلامی تاریخ کا بہت دلدادہ ہے۔ اس نے تاریخ پر اتنی کتابیں لکھی ہیں اور اس قدر روپیہ صرف کیا ہے کہ کوئی اسلامی سلطنت اس کے ترجمے کا بندوبست بھی نہیں کر سکتی۔ اس نے لاکھوں روپیہ صرف کر کے تاریخی مواد جمع کیا ہے۔ جب میں نے اُن سے پوچھا کہ آپ کو اسلامی تاریخ سے دلچسپی کیوں ہے تو انہوں نے کہا کہ اسلامی تاریخ عورتوں کو مرد بنا دیتی ہے۔"

(تقریر: ۱۱ر جون ۱۹۳۲ء، بمقام لاہور، مشمولہ گفتارِ اقبال: ص ۱۵۲-۱۵۴)

My Dear Mr. Fazli Karim,

Thanks for your letter which I received this morning. I suppose you and your friends do not know that for the last three years I have been living the life of an invalid, and more recently the doctors have advised me not to do any reading and writing, as my eyesight is getting bad. It is therefore impossible for me to undertake the kind of work you mention in your letter. Muslim philosophical literature is very extensive, but scattered in the libraries of Europe, and the world of Islam. The circumstances are such that only a man of Prince Cattani's wealth can write a history of Muslim thought. A good deal of philosophical literature, mostly in MSS form, has yet to be discovered. During the last 300 years, the Muslim world has been intellectually most inactive, mainly because of political reasons ; with the new life, the signs of which we see today, it is hoped that the type of scholarship necessary for the kind of research you mean, will develop. In India things are slightly different. The knowledge of Arabic language is gradually dying out, and the Muslim educational institutions are not paying any special heed to it. The philosophical literature in Sanskrit is not so scattered as the Arabic is, and the Hindu nation, on account of their wealth, can afford the luxury of the philosophical studies. Personally I would like our younger scholars to devote themselves to the study of Muslim Mathematics, Physics, Chemistry, History and Jurisprudence. In the best interests of Islam, it is the study of these branches of knowledge which is needed today. This alone will bring modern Muslim into touch with the roots of modern knowledge, and we will make them appreciate the meanings of the modern problems.

It seems, however, that you and your friends are interested mainly in metaphysics etc. If so, there is plenty of material relating to Muslim thought in India. Some time ago, I discovered it with great surprise that the latest work on the nature of time was published in India only in 1924. This was in Arabic. If therefore you are interested in Muslim thought, you must impress on the authorities of your University the need of a more intensive study of Arabic. Many years ago I suggested to the Muslim University a scheme to prepare scholars for research work in Islamic lore. Unfortunately nothing came out of it.

I do not wish to conceal from you the fact that after 30 years' study of modern Metaphysics, I have lost the enthusiasm which philosophy roused in me in my youth. However in the present state of my ill-health I can be of some use to a young scholar, and help him to understand the problems which stirred the emotions of our fathers. It is, however, necessary that such a scholar should possess good knowledge of Arabic, and have time to sit near my sick-bed for some days.

Yours sincerely,
MUHAMMAD IQBAL

مسلم دنیا فکری سطح پر انتہائی غیر فعال رہی ہے۔ اس کے بیشتر اسباب سیاسی ہیں۔ آج ہمیں احیائے نو کی جو علامات دکھائی دے رہی ہیں۔ ان کے پیش نظر امید ہے کہ جس نوع کی تحقیقات آپ کو مطلوب ہیں، اس کے شایانِ شان علمی صلاحیتوں کا تدریجاً ظہور ہوگا۔ ہندوستان میں حالات قدرے مختلف ہیں۔ عربی کا علم بتدریج ختم ہو رہا ہے اور مسلم تعلیمی ادارے اس پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے رہے ہیں۔ سنسکرت میں فلسفیانہ لٹریچر اس قدر منتشر نہیں۔ جتنا عربی میں بکھرا ہوا ہے اور ہندو قوم اپنی دولت کے بل بوتے پر فلسفیانہ مطالعے کی عیاشی کی متحمل نہیں ہو سکتی ہے۔ ذاتی طور پر میری خواہش ہے کہ ہمارے نوجوان عالم خود کو مسلم ریاضی، طبعیات، کیمیا، تاریخ اور فقہ کے مطالعے کے لیے وقف کر دیں۔ علم کی متذکرہ بالا شاخوں کا مطالعہ ہی آج کی اشد ضرورت ہے اور اسلام کا بہترین مفاد بھی اسی میں مضمر ہے۔ محض اسی صورت میں آج کا مسلمان جدید علم کی بنیادوں سے آشنا ہو سکے گا اور ہم انہیں جدید مسائل کی معنویت کو سمجھنے کے قابل بنا سکیں گے۔

تاہم ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ اور آپ کے دوستوں کو زیادہ تر مابعد الطبیعات ہی سے دلچسپی ہے۔ اگر یہ درست ہے تو مسلم افکار سے متعلق ہندوستان میں کافی لٹریچر موجود ہے۔ کچھ عرصہ پہلے مجھے یہ معلوم کر کے بہت تعجب ہوا کہ مسئلہ زماں کے بارے میں تازہ ترین کتاب ۱۹۲۴ء میں ہندوستان میں چھپی تھی۔ یہ کتاب عربی میں تھی۔ اگر آپ مسلم افکار میں دلچسپی رکھتے ہوں تو آپ یونیورسٹی حکام کو اس بات پر قائل کریں کہ ابھی عربی میں مزید گہرے مطالعے اور تحقیق کی ضرورت ہے۔ کئی سال پہلے میں نے مسلم یونیورسٹی کے سامنے ایک منصوبہ رکھا تھا کہ اسلامی علمی ورثے پر تحقیقی کام کے لیے علماء تیار کیے جائیں۔ بدقسمتی سے میری آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی۔ میں آپ سے یہ حقیقت نہیں چھپانا چاہتا کہ جدید مابعد الطبیعات کے تیس سالہ مطالعے کے بعد، میرا وہ جوش اور ولولہ ختم ہو گیا جو جوانی کے زمانے میں فلسفے نے میرے اندر پیدا کر دیا تھا۔ تاہم خرابی صحت کی اس حالت میں بھی میں کسی حد تک ایک نوجوان محقق کے کام آ سکتا ہوں اور ان مسائل کی تفہیم میں اس کی مدد بھی کر سکتا ہوں جنہوں نے ہمارے آباد کے دلوں کے

اندر ولولہ پیدا کیا تھا، تاہم یہ ضروری ہے کہ ایسا عالم عربی میں اچھی قدرت رکھتا ہو اور مجھ مریض کے پلنگ کے پاس بیٹھنے کے لیے کچھ وقت بھی نکال سکے۔

آپ کا مخلص
محمد اقبال

مکتوب بنام فضل کریم کا عکس (جزوی)

suggested to the Muslim University, a scheme to prepare scholars for research work in Islamic lore. Unfortunately nothing came out of it.

I do not wish to conceal from you the fact that after 30 years study of modern metaphysics, I have lost the enthusiasm which philosophy roused in me in my youth. However in the present state of my ill-health I can be of some use to a young scholar, and help him to understand the problems which stirred the emotions of our fathers. It is however necessary that such a scholar should possess good knowledge of Arabic, and have time to sit near my sick bed for some days.

Yours Sincerely.

Mohammad Iqbal.

(۱۱۰)

بنام مرتضیٰ احمد خان میکش

مرتضیٰ احمد میکش (۱۹۰۴ء-۱۹۵۹ء) تحریکِ ترکِ موالات میں کالج کی تعلیم ادھوری چھوڑ کر کابل چلے گئے۔ کچھ عرصے بعد واپس آکر صحافت کا پیشہ اختیار کیا۔ مختلف اوقات میں "انقلاب" "زمیندار" اور "احسان" سے وابستہ رہے۔ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں تقسیم سے قبل "احسان" سے علیحدگی اختیار کی کیونکہ اس کی پالیسی یونینسٹوں کی حمایت پر مبنی تھی۔ میکش نے "شہباز" جاری کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد "نوائے پاکستان" سے متعلق ہو گئے۔ عمر کا آخری دور خانہ نشینی میں گزرا۔ "تاریخِ اقوامِ عالم" ان کی معروف تصنیف ہے۔ علامہ اقبال سے نیازمندانہ تعلقات تھے۔ کبھی کبھار علامہ کے ہاں حاضری دیتے اور مختلف مسائل پر تبادلۂ خیال ہوتا۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: اقبال کے حضور، جلد اول، ص ۲۲۱-۲۲۵)۔ علامہ کبھی انہیں مشورے کے لئے طلب فرماتے (انوارِ اقبال: ص ۲۹۲)

۱۹۳۸ء میں میکش روزنامہ "احسان" سے وابستہ تھے، اخبار کی سالانہ اشاعت کے موقع پر انہوں نے مشاہیر کے پیغامات منگائے، قائداعظم، سید سلیمان ندوی، اکبر حیدری، مولانا احمد سعید، حفیظ، عبداللہ ہارون اور راجہ صاحب محمود آباد کے پیغامات موصول ہوئے۔ علامہ کا زیرِ نظر مکتوب بھی اسی ضمن میں سالنامے کے لیے پیغام ہے۔

❖

عزیزم

مجھے امید ہے کہ آپ مسلمانوں میں اعتمادِ نفس پیدا کرنے کے مسلک پر قائم رہیں گے اور آپ کی مساعی اسلامیانِ ہند میں خودداری اور خود اعتمادی کی باعزت زندگی بسر کرنے کے احساس کو ترقی دینے پر منتج ہوں گی۔

محمد اقبال

لاہور

(۱۱۱)

بنام سیّد مبارک شاہ جیلانی

سیّد مبارک شاہ جیلانی (۱۸۹۵ء — ۱۹۶۹ء) محمد آباد، تحصیل صادق آباد ضلع رحیم یار خان کے زمیندار تھے۔ علم و ادب سے دلچسپی تھی۔ خود بھی لکھتے تھے۔ مرحوم کے صاحبزادے سیّد انیس شاہ جیلانی کے پاس اُن کے چند غیر مطبوعہ مسوّدات محفوظ ہیں۔

جنابِ من، السلام علیکم

افسوس کہ میں آپ کے تعمیلِ ارشاد سے قاصر ہوں۔ مجھے فرصت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ فرمائشی اشعار کیوں کر لکھے جا سکتے ہیں۔

محمد اقبال

(۳)

ضمیمے

"اکابر کی تحریریں قوموں کی حیاتِ ذہنی اور ملّی کا بڑا قابلِ قدر سرمایہ ہیں لہٰذا اُن کی ترتیب و تدوین میں حد درجے احتیاط اور سلیقے سے کام لینا چاہیے ، بالخصوص مکتوبات کی ترتیب و تدوین میں۔"

——— سیّد نذیر نیازی

ضمیمہ: ۱
بسلسلہ مکتوب ۶

علامہ اقبال کا سفرِ دہلی

از: میر غلام بھیک، نیرنگ

"۲ ستمبر ۱۹۰۵ء ہمارے خاص احباب کی تاریخ محبت میں ایک قابل یادگار دن ہے۔ صبح کا سہانا سماں ہے۔ بمبئی میل دہلی کے ریلوے اسٹیشن پر پہنچی ہے۔ خواجہ سید حسن نظامی دہلوی اور منشی نذر محمد بی اے، اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقہ دہلی اسٹیشن پر استقبال کو آئے ہیں۔ استقبال کس کا ہے؟ جدید شاعری کے روح رواں اقبال یا اقبال اور اس کے ہمراہیوں کا۔ وہ کیسے؟ اقبال بغرض تعلیم علوم و فنون انگلستان کو روانہ ہوئے ہیں۔ نیرنگ اور اکرام اپنے پیارے دوست کو رخصت کرنے کے لیے دہلی تک ساتھ گئے ہیں۔ ریل سے اتر کر اوّل منشی نذر محمد صاحب کے مکان پر تھوڑی دیر آرام کیا۔ بعد میں سب دوست مل کر حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیا قدس سرہ العزیز کی درگاہ آسمان پایگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں شہنشاہ ہمایوں کے مقبرے کی زیارت اور سیر کی۔ درگاہ میں پہنچ کر مزار مبارک پر حاضر ہوئے۔ اوّل اقبال نے عالم تنہائی میں مزار مبارک کے سرہانے بیٹھ کر ذیل کی نظم پڑھی اور ان کی درخواست پر سب احباب باہر صحن میں ٹھہرے رہے۔ بعد میں دوستوں کے اصرار پر اقبال نے اس نظم کو درگاہ کے صحن میں بیٹھ کر مزار مبارک کی طرف منہ کر کے دوبارہ ایک نہایت دردانگیز اور دلکش لہجہ میں پڑھا۔ سب احباب اور دیگر سامعین نہایت متاثر ہوئے اور بے تحاشا زبان سے موقع بموقع کلمات تحسین تحسین و آفرین و آمین نکلتے تھے۔ ایک محویت کا عالم تھا کہ جس کی تصویر حاضرین کے تصور ہی کر سکتے ہیں۔ درگاہ سے واپس ہو کر خواجہ حسن نظامی کے مکان پر قیام کیا اور حضرت محبوب الٰہی کے لنگر کی مہمانی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ ولایت نامی ایک نوعمر قوال خواجہ صاحب کی خدمت حاضر تھا۔ نو تعلیم تھا مگر خوش گلو اور باطبیعت۔ وہ کچھ گاتا رہا اور وقت نہایت مزے اور کیفیت سے گذرا۔ اس کے بعد شہر کو واپس ہوئے۔ واپسی کے وقت خاتم الشعراء مرزا اسداللہ خاں غالب

کی تربت پر حاضر ہوئے۔ عجیب کیفیت تھی۔ بندہ نیرنگ مرزا صاحب کی تربت کے سرہانے لوحِ تربت پر ہاتھ رکھے ہوئے بیٹھا تھا۔ میرے دائیں اقبال عالمِ محویت میں بیٹھے تھے اور تربت کے گرداگرد تمام پارٹی حلقہ باندھے ہوئے تھی۔ دو بجے دن کا وقت اور دن بھی ستمبر کا۔ دھوپ تیز اور ہوا میں گھمس، مگر اسی قبر کی زیارت کا اثر تھا کہ کسی کو گرمی کا خیال تک نہ تھا۔ قوال زادے کو عجیب وقت کی سوجھی۔ بولا حضور! مرزا غالب کی ایک غزل یاد آئی، اگر اجازت ہو تو سناؤں۔ سرود مستاں یاد دہانیدن، یہاں عذر کس کو تھا۔ چنانچہ اُس نے یہ غزل گائی۔

دل سے تری نگاہ جگر تک اُتر گئی　　　دونوں کو اک ادا میں رضامند کر گئی

ذیل کے دو شعروں پر عجیب کیفیت رہی۔

اُڑتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں　　　بارے اب اے خدا ہوس بال و پر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں　　　اٹھیے بس اب کہ لذتِ خوابِ سحر گئی

غزل کے ختم ہونے پر جب ایک دو منٹ میں ذرا ہوش بجا ہوئے تو سب چلنے کو اٹھے۔ اقبال نے جوشِ محویت میں مرزا صاحب کے مزار کو بوسہ دیا اور سب شہر کو روانہ ہوئے۔

اچھا، پیارے اقبال!

بہ سفر رفتنت مبارک
بسلامت روی و باز آئی،

زندہ رہیں گے تو تین سال بعد تیرے کلام کو تیری پیاری زبان سے پھر سنیں گے۔

(مخزن، اکتوبر ۱۹۰۵ء)

ضمیمہ ۲

بسلسلہ مکتوب

سلام و پیام

(تلوک چند محروم)

آنا ترا مبارک یورپ سے آنے والے
احباب منتظر کو صورت دکھانے والے

آنا ترا مبارک، اعزاز پانے والے
ہندوستاں کی عظمت عزت بڑھانے والے

آنا ترا مبارک، با صد ہزار شوکت
ملک سخن میں اپنا سکہ بٹھانے والے

آنا ترا مبارک، اے بلبل خوش الحاں
نظمیں سنانے والے، تانیں اڑانے والے

آنا ترا مبارک، اے فخر بزم قومی
ہنسنے ہنسانے والے رونے رلانے والے

منظور کیجیے گا پہلے سلام میرا
خدمت میں آپ کی ہے پھر یہ پیام میرا

محفل میں رنگ الفت اے شیخ پھر جما دے
لایا فرنگ سے ہے جو مے وہی پلا دے

پھر ہو رہی ہے اَن بَن کچھ شیخ و برہمن میں
ان کو گلے ملا دے روٹھے ہوئے منا دے

ہو برہمن نمازی زاہد ہو پائے بُت پر
دیر و حرم کو ایسی ترکیب سے ملا دے

کلمہ پڑھیں ترا سب ہو کفر دور دل سے
ناقوس پھونک ایسا، ایسی اذاں سنا دے

مشہور کشوروں میں ہے سوز و ساز تیرا
اہل وطن میں اپنے اس راز کا پتا دے

سوتوں کو ہے جگانا مُردوں کو ہے جلانا
ہوگا یہ کام تجھ سے ہمت تجھے خدا دے

سوز سخن بھی ہے گر دنیا میں چیز کوئی
اس کا اثر دکھا دے، اک آگ سی لگا دے

منزل کٹھن ہے اپنی اور پُر خطر ہیں راہیں
پھر سینکڑوں دوراہے، اک راہ پر چلا دے

سحرِ سخن سے اپنے تسخیر کر دلوں کو
نغمہ کوئی سنا دے، جادو کوئی چلا دے
قسمت سے ہے دلوں پر حاصل تجھے حکومت
جس کو ترس رہے ہیں دنیا کے شاہزادے
بھارت ہماری ماں ہے لازم ہے اس کی سیوا
کیا چاہیئے ہمیں گر خوش ہو کے یہ دعا دے
ہل جائے دل زمیں کا اور چرخ کانپ اٹھے
اے نوجواں! کڑک کر بجلی کوئی گرا دے

دل ہے زباں بھی تجھ کو دل بھی دیا خدا نے
حُبِّ وطن کے دلکش پھر چھیڑ دے ترانے

اک بار پھر سنا دے "ہندوستاں ہمارا"
اپنی زباں میں کہہ دے رازِ نہاں ہمارا
پھر زمزموں سے اپنے آباد اس کو کر دے
تیرے بغیر سُونا تھا گلستاں ہمارا
تھے تیری جستجو میں بن بن کی خاک اڑاتے
بادِ بہار اپنی آبِ رواں ہمارا
کیا حال ہے وہاں کا آتا ہے تو جہاں سے
کچھ تذکرہ سنا بھی تُو نے وہاں ہمارا
ہم چل پڑے ہیں کوسوں منزل ابھی ہے کوسوں
اور سخت مشکلوں میں ہے کارواں ہمارا
اپنوں کی سرد مہری نے دل جلا دیا ہے
پہنچے گا آسماں تک دُودِ فغاں ہمارا
اقبالؔ! دیکھ اتنا کوئی نہیں سمجھتا
مٹنے کو ہے جہاں سے نام و نشاں ہمارا
آپس کی دشمنی کے یہ دن نہیں ہیں ہرگز
پہلے ہی جب کہ دشمن ہے آسماں ہمارا
یہ وقت ہے کہ کہہ دیں سب ہو کے یک زباں ہم
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

گنگا میں جا پدھارا جس دن سے رامؔ[1] اپنا
اوندھا پڑا ہوا ہے اے شیخ جام اپنا

(مخزن: نومبر ۱۹۰۸ء)

---

[1] سوامی رام تیرتھ آنجہانی (محرر وقم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضمیمہ : ٣

بسلسلہ مکتوب ٢٤

خطاب بہ اقبال

سید شوکت حسین کی یہ نظم اس نوٹ کے ساتھ شائع ہوئی تھی : "اس فارسی نظم سے فلسفۂ اشک ریزی کا ایک نیا پہلو دکھانا مقصود ہے۔ حضرت علامہ اقبال کی لا جواب مثنوی کا جواب لکھنا مدِ نظر نہیں اور نہ ہی ان کی ذاتِ گرامی سے کچھ سروکار ہے" (شوکت)

اے کلیمِ طورِ سینائے خودی
اے خمارِ پاکِ مینائے خودی

اے سبق آموزِ اسرارِ ازل
اے کتابِ معرفت اندر بغل

سینہ اَت از سوزِ ما سرمایہ دار
چشمِ تو از دردِ ملت اشکبار

گریۂ تو بہرِ کشتِ ما سحاب
شمع ات در محفلِ ما بے حجاب

بسکہ رتبِ عالمِ ایں ہست و بود
پردہ ہائے زندگی بر تو کشود

نالۂ تو جانِ من بیتاب کرد
لختِ دل در پہلوام سیماب کرد

بر تو رمزِ زندگانی بے حجاب
از نگاہت خانۂ مغرب خراب

اے کہ ہمچو بلبلِ دیوانہ ،
آنکہ گرید بر سرِ ویرانہ ؛

بر غلامی اشک از دردِ دلے
بر فشانی تا بگیری حاصلے

لیکن اے فرزانۂ بالغ نظر
دیدۂ تو از ارسطو تیز تر

صاحبِ عقل و شعور و نکتہ بیں
از سحر تابندہ تر روشن جبیں

بیں! کہ در دنیائے امید و رجا
کارزارِ دشنہ و تیغ و وغا

کارِ تیغِ آہنیں اشکے نہ کرد
غیر را زیرِ نگیں اشکے نہ کرد

ز اشک گر حاصل شدے تاج و نگیں
طارقِ اعظم نہ بردے اسپ و زیں

فاتحِ اندلس چرا خنجر زدے
اخگرے در خرمنِ دشمن زدے

خنجر و تیغ و سنانِ بوتراب   کرد چشمِ خانۂ دشمن خراب

خود بگفتی "اُمّتی محرم ز راز   وقتِ ہیجا تیغِ اُو آہن گداز"

تیغ و تیرِ تیز و خنجر آزمود   دشنۂ اُو سینۂ اعدا درود

اشک ریزی شیوۂ دوں ہمتاں   حربۂ اطفال و آئینِ زناں "

اشک چوں از حلقۂ چشمے چکید   بر زمیں افتاد و در خاکے رمید

آہ! رختِ زندگی برباد کرد   منزلِ خود، در عدم، آباد کرد

آشیاں، بر شاخِ اشکے ساختن   ہست دامانے بہ آتش داشتن

اشک عنابے درونِ دیدہ،   ہمچو لختِ دل بخوں غلطیدہ،

سستی و عطل و جمود افزوں کند   ہمّت و قوّت ز دل بیروں کند

سستیٔ اعصاب از افیونِ اُو"   " زندگانی قیمتِ مضمونِ اُو"

گریۂ تو مثلِ اشکِ بلبلے   کو فغاں ریزد بشاخِ سنبلے

اُو ز خواریٔ چمن اندر خروش   باغباں از نالہ اَش، پنبہ بگوش

اُو خود شد، پر زند، شیون کند   باغباں بنیادِ شاخے برکند

پس گریز از نالہ و آہ و فغاں   الحذر از مردمِ شیون کناں

مثلِ زن فریاد و ماتم تا کجا؟   سینہ کوبی، اشکِ پیہم تا کجا؟

آنکہ سرِّ زندگی دانستہ است   از عمل مضمونِ رنگیں بستہ است

گفتہ اے محرمِ رازِ حیات   " در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات"

" مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار"   با مزاجِ اُو بسازد روزگار"

" گر نسازد با مزاجِ اُو جہاں"   " مے شود جنگ آزما بر آسماں"

" گردشِ ایام را برہم زند"   " چرخِ نیلی فام را برہم زند"

" در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست"   " ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست"

پس چرا در خانہ باشی اسیر — تاجِ قیصر، تخت از کسریٰ بگیر
قوّتِ پنہانِ خود کن آشکار — تا کہ باشی نام سوز و پختہ کار
گردشِ ایام را برہم بزن — چرخِ نیلی فام را برہم بزن
گردشِ ایام رختِ ما بسوخت — ہم متاعِ عزّتِ ما را فروخت
کعبہ آباد است از اصنامِ ما — "خندہ زن کفر است بر اسلامِ ما"
خاکِ یثرب زیرِ پائے کافراں — یعنی زیرِ ملّتِ مے خوارگاں
عندلیبانِ حجازی بے خروش — ساکنانِ گلستاں خانہ بدوش
تو کہ دعوائے محبّت کردۂ — با محمّد عہد و پیماں بستۂ
گاہ مے گوئی در اسرارِ خودی — وا نمودم رمزِ انوارِ خودی را
گاہ مے گوئی کہ میرم در حجاز — گاہ مے گوئی کہ خود را پاک باز
"خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است" — "اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است"
آہ! خاکِ پاکِ یثرب را چہ شد — آں بہارِ باغِ رنگواں را چہ شد
"ساقیٔ دیرینہ را ساغر شکست" — "بزمِ رندانِ حجازی بر شکست"
گلشنِ معشوقِ تو برباد رفت — بہرِ صیدِ طائراں صیاد رفت
خیز و مثلِ عاشقِ دیوانۂ — جانِ خود را سوز چوں پروانۂ
سرمد و منصور شمع افروختند — بر تجلائے محبّت سوختند
"ہمّت از حق خواہ و با گردوں ستیز" — "آبروئے ملّتِ بیضا مریز"
مردِ حق شو تیغِ "لا" در دست گیر — بہرِ "الا اللہ" مقامِ سخت گیر

سطوتِ فاروق بنما ارجمند
شیوۂ حیدر بگیر اے ہوشمند

ضمیمہ : ۴

بسلسلۂ مکتوب ۱۰

عزم للحیات

شوپنہار

دنیا فریبِ مکر و ریا، درد و رنج و غم
حرص و ہوا و کشمکشِ "عزم للحیات"

تسکینِ جاں ہیں فلسفہ و علم و شعر و فن
ممکن نہیں ہے آہ مگر ان کو بھی ثبات

فطرت ہے طفل اور جہاں بلبلوں کا کھیل
کھلتا نہیں ہے مقصدِ تخلیقِ کائنات

اندوہِ بے کراں سے عبارت ہے زندگی
شاید کہ بعدِ مرگ بشر کو ملے نجات

اقبال

اے "عزم للحیات" کے معنی سے بے خبر
آ میں بتاؤں رازِ سرا پردۂ حیات

افسانۂ زبونیٔ ہمت ہیں علم و فن
حاصل ہیں فلسفے کا پریشاں توہمات

تیغِ خودی سے جوہرِ ہستی کی ہے نمود
تیغِ خودی سے زندہ حقیقت ہے کائنات

اس تیغ میں ملے گی اماں تجھ کو بالیقیں
کیوں ڈھونڈتا ہے موت میں اپنے لیے نجات؟

(مقالاتِ یوم اقبال: ۱۹۳۸ء ص ۶۸)

(۴)

ماآخذ

"مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہندوستان کے نوجوان
عالم تندہی کے ساتھ تحقیقی کاموں میں مصروف ہیں"
——— علامہ اقبال

بنام سید محمد تقی

مکتوب ۱:

اس خط کا عکس "امروز" : ۲۲ اپریل ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔ میں نے اسی عکس سے متن اخذ کیا ہے۔

بنام شاطر مدراسی

مکتوب ۲ تا ۵:

(۱) چاروں خطوط کی مختلف عبارتوں کو جوڑ کر دو تقریظیں مرتب کی گئیں۔ یہ تقاریظ "اعجازِ عشق" کے آخر میں دیگر مشاہیر کی آراء کے ساتھ شائع ہوئیں۔

(۲) چاروں خطوط کے عکس "امروز" کے ۲۲ اپریل ۱۹۴۹ء میں شائع ہوئے۔

(۳) "اعجازِ عشق" کے حوالے سے تقاریظ "انوارِ اقبال" (ص ۱۷ - ۱۸) میں نقل کی گئیں۔

میں نے خطوط کے عکس سے متون اخذ کیے ہیں۔

بنام انشاء اللہ خان

مکتوب ۶، ۷:

(۱) یہ دونوں خط سب سے پہلے ہفت روزہ "وطن" لاہور کی دو مختلف اشاعتوں میں علی الترتیب شمارہ ۳۹، جلد ۵، مورخہ ۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء اور شمارہ ۴۹، جلد ۵ مورخہ ۲۲ دسمبر ۱۹۰۵ء میں شائع ہوئے۔

(۲) دوسری بار رحمان لطیف نے "اقبال کے دو خطوط" عنوان کے تحت ان خطوں کو اخبار "وطن" کے حوالے سے مجلہ "اقبال" کے شمارہ اپریل ۱۹۶۲ء میں (ص ۷۱ - ۸۷) شائع کرایا۔

(۳) تیسری بار یہ خطوط سید عبدالواحد معینی کی مرتبہ "مقالاتِ اقبال" (ص ۶۳ - ۸۳) کے ذریعے منظرِ عام پر آئے۔ معینی صاحب نے بھی انہیں اخبارِ "وطن" کے حوالے ہی سے اپنی کتاب میں شامل کیا ہے۔

۲ اور ۳ اشاعتوں کے متون میں کئی جگہ اختلاف ہے۔ چونکہ مجھے اخبار "وطن" کے شمارے نہیں مل سکے۔ اس لئے یہ تحقیق نہیں ہو سکا کہ رحمان لطیف کا متن درست ہے یا سید عبدالواحد کا۔ میں نے رحمان لطیف کا متن اختیار کیا ہے اور "مقالاتِ اقبال" کے متن میں جو اختلافات نظر آئے۔ حواشی میں ان کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔

بنام تلوک چند محروم

مکتوب ۸:

(۱) خط کا عکس "مخزن" کے شمارہ اپریل ۱۹۵۱ء میں شائع ہوا۔

(۲) انوارِ اقبال" میں بغیر حوالے کے نقل کیا گیا (ص: ۲۲۶) مگر یہ متن اغلاط سے خالی نہیں ہے۔ میرا ماخذ: "مخزن" میں شائع شدہ عکس ہے۔

بنام اراکینِ انجمن کشمیری مسلمانان

مکتوب ۹:

(۱) یہ خط سب سے پہلے "کشمیری میگزین" لاہور کے شمارہ مئی ۱۹۰۹ء میں شائع ہوا۔ غالباً اس سے پہلے یہ مطبوعہ مراسلے کی شکل انجمن کشمیری مسلمانان کے اراکین کو بھیجا گیا تھا۔

(۲) دوسری بار محمد عبداللہ قریشی نے اسے اپنے مضمون "حیاتِ اقبال کی گم شدہ کڑیاں" مطبوعہ مجلہ

"اقبال" اپریل ۱۹۵۶ء، ص ۴۰-۴۲ میں شائع کیا۔ میں نے یہ خط مجلّۂ "اقبال" سے لیا ہے۔

بنام وحشت کلکتوی

مکتوب نمبر ۱۰:

(۱) پہلی بار یہ خط "مشرقی پاکستان میں اُردو" (از اقبال عظیم، میں شائع ہوا۔

(۲) "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۴۰-۱۴۱) میں نقل کیا گیا۔ مگر اس میں کئی غلطیاں ہیں۔

بنام خواجہ حسن نظامی

مکتوب ۱۱:

(۱) سب سے پہلے یہ خط ہفت روزہ "توحید" میرٹھ کے شمارہ ۲۴ جولائی ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار "توحید" کے حوالے سے اس خط کو "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۴۳-۱۴۴) میں نقل کیا گیا۔

میرا ماخذ "اوراقِ گم گشتہ" ہے۔

مکتوب ۱۲:

اس خط کے دو مختلف متون دستیاب ہوئے ہیں:

(۱) ایک تو یوسف سلیم چشتی کی "شرح اسرار خودی" میں (ص ۲۹-۴۵) ایک خط ہی کی شکل میں ملتا ہے۔ چشتی صاحب نے لکھا ہے کہ یہ خط "خطیب" دہلی کے شمارہ ۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء میں ایک مضمون کی مانند چھپا تھا اور بعد میں یہ خط "نوائے وقت" لاہور کے شمارہ ۲۲ جولائی ۱۹۴۴ء میں نقل کیا گیا۔ پروفیسر رحیم بخش شاہین نے چشتی صاحب کے حوالے سے یہ خط "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۴۷-۷۰) میں نقل کیا مگر ساتھ ہی بتایا کہ "تلاش پر معلوم ہوا کہ ... ۱۵ جنوری کو خطیب شائع ہی نہیں ہوا ۱۷ جنوری کے شمارے میں یہ خط درج نہیں تھا۔ اس سلسلے میں جب میں نے چشتی سے رجوع کیا تو

انہوں نے لکھا:

"میں نے یہ شرح غالباً ۵۳ - ۱۹۵۲ء میں لکھی تھی اور اس وقت میرے پاس "خطیب" ۱۹۱۶ء کا مکمل فائل بھی موجود تھا۔ میرے خیال میں میرے خط کا ماخذ وہی رسالہ خطیب تھا۔"

(یوسف سلیم چشتی: مکتوب بنام رفیع الدین ہاشمی، مورخہ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۵ء)

(۲) دوسرا متن محمد عبداللہ قریشی نے اپنے مضمون "معرکۂ اسرارِ خودی" (مجلۂ اقبال، اپریل ۱۹۵۴ء ص ۴۴ - ۷۴) میں بلا حوالہ نقل کیا ہے۔ میرے استفسار کے جواب میں قریشی صاحب نے لکھا: "جس مضمون کی نسبت میں نے لکھا ہے کہ یہ ڈاکٹر صاحب نے خواجہ حسن نظامی کے کسی خط کے جواب میں لکھا تھا۔ یہ ۱۵ جنوری ۱۹۱۶ء کے وکیل امرتسر یوم شنبہ کے ص ۵ - ۷ ہی سے لیا گیا ہے۔ میرے پاس اصل اخبار کا تراشہ بھی موجود ہے اور میں نے اسے حرف بحرف نقل کیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے شرح اسرارِ خودی میں عبارت کہاں سے نقل کی ہے... میرے مقالے کے مسودے میں یہ حوالہ موجود تھا اور ہے۔ مطبوعہ مضمون میں یہ پروف ریڈر کی غفلت سے رہ گیا ہے۔" (محمد عبداللہ قریشی: مکتوب بنام رفیع الدین ہاشمی مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۷۵ء) قریشی صاحب کا منقول زیرِ نظر مکتوب کا متن ایک مضمون کی شکل میں ہے۔ خط کے آغاز کا یہ حصہ:

لاہور، ۳۰ دسمبر ۱۹۱۵ء

مخدومی خواجہ صاحب، السلام علیکم

آپ کا والا نامہ مل گیا ہے۔ آپ کی علالت کا حال معلوم کرکے تردد ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صحتِ عاجلہ عطا فرمائے۔

—— اور آخر میں یہ حصہ

"فی الحال اس خط کو ختم کرتا ہوں اور اس طویل سمع خراشی کی معافی چاہتا ہوں۔ فقط

آپ کا خادم

محمد اقبال

اس متن میں موجود نہیں ہے۔

اس امر میں کوئی شک نہیں کہ یہ تحریر خواجہ حسن نظامی کے نام ایک خط کی شکل میں لکھی گئی مضمون بہرحال یہ نہیں ہے۔ خط کا انداز بھی یہی بتاتا ہے۔ ایک جگہ یہ جملہ: "یہ مضمون بہت طویل ہے۔ اس مختصر خط میں نہیں سما سکتا" بھی اس تحریر کے "خط ہونے" کا مؤید ہے۔

میں نے محمد عبداللہ قریشی کا منقول متن اختیار کیا ہے البتہ خط کے آغاز اور اختتام کے وہ حصے جو اس متن میں موجود نہیں، وہ یوسف سلیم چشتی کے منقول متن سے لیے ہیں کیونکہ خط کے یہ حصے اور کہیں سے دستیاب نہیں۔

مکتوب ۱۳:

(۱) پہلی بار یہ خط "منادی" کے شمارہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا۔

(۲) انوارِ اقبال (ص ۲۸۳) میں اس خط کا صرف ایک جملہ ملتا ہے جو "زمانہ" کانپور، دسمبر ۱۹۲۲ء میں درج "قرآن آسان قاعدے کے ایک اشتہار" سے نقل کیا گیا ہے۔ یہ اشتہار "ہزار داستان" لاہور، جون ۱۹۱۲ء میں بھی چھپا اور اس حوالے سے قاضی افضل قریشی نے "صحیفہ" جنوری ۱۹۷۱ء (ص ۸۴) میں نقل کیا۔

(۳) "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۲۶۴) میں اس مکمل خط کو "منادی" کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے میرا ماخذ "اوراقِ گم گشتہ" ہے۔

مکتوب ۱۴:

(۱) پہلی بار یہ خط "منادی" کے شمارہ ۲۱-۲۸ فروری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔

(۲) محمد عبداللہ قریشی نے اس خط کو اپنے مضمون "عظمتِ غالب" (اقبال ریویو، جولائی ۱۹۶۵ء، ص ۹۵-۹۶) میں نقل کیا ہے۔

(۳) تیسری بار یہ خط محمد عبداللہ قریشی ہی کے مضمون "علامہ اقبال اور خواجہ حسن نظامی" (اقبال ریویو، جنوری ۱۹۷۰ء، ص ۱۶) میں نقل کیا گیا۔ مگر محمد عبداللہ قریشی کے منقول متون (۱، ۲) میں قدرے اختلاف ہے۔

(۴) پروفیسر شاہین نے "منادی" کے حوالے سے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۲۷) میں شائع کیا ہے۔ اس متن

ہیں کتابت کی بعض غلطیاں ہیں۔ یہ متن بھی قریشی صاحب کے متن سے قدرے مختلف ہے۔ شاہین صاحب کا کہنا ہے کہ انہوں نے خط براہِ راست "منادی" سے نقل کیا ہے۔

بنام مُلّا واحدی

مکتوب ۱۵:

(۱) سب سے پہلے یہ خط ہفت روزہ "خطیب" دہلی کے شمارہ ۷ فروری 1915ء میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار "خطیب" کے حوالے سے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۲۴ - ۲۵) میں نقل کیا گیا۔

بنام میر سردار احمد خاں

مکتوب ۱۶:

(۱) بشیر احمد ڈار راوی ہیں کہ ۱۳ فروری ۱۹۶۹ء کے پاکستان ٹائمز کی رپورٹ کے مطابق سردار رشید احمد نے یہ مکتوب، عجائب گھر لاہور کو پیش کیا۔ عجائب گھر سے اس کی عکسی نقل، اقبال اکیڈمی کراچی کو ملی۔ اس کی بنیاد پر خط کا متن بشیر احمد ڈار نے "اقبال ریویو" اکتوبر ۱۹۶۹ء (ص ۸۳) میں شائع کیا

(۲) پروفیسر رحیم بخش شاہین کی روایت کے مطابق یہ انگریزی مکتوب روزنامہ "پاکستان ٹائمز" راولپنڈی کے شمارہ ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔

(۳) ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اس خط کا عکس عجائب گھر لاہور سے حاصل کر کے عکس اور متن "صحیفہ" اقبال نمبر حصہ اول (۱۹۰ - ۱۹۱) میں شائع کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا جو انگریزی متن دیا ہے اس میں خط کے آخری حصے میں ایک لفظ Particulars کے بجائے Preparations چھپ گیا ہے جو خط کے عکس کے مطابق نہیں ہے۔

(۴) پروفیسر شاہین نے پاکستان ٹائمز ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء کے حوالے سے یہ مکتوب "اسلامک ایجوکیشن" جنوری فروری ۱۹۷۵ء میں نقل کیا۔

(۵) اس مکتوب کا اردو ترجمہ "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۶۱) میں شائع ہوا۔ اس میں خط کے القاب میں Dear Mir Sahib کا اردو ترجمہ "پیارے میاں صاحب" کیا گیا ہے جو سیاق و سباق میں درست نہیں ہے (میاں صاحب کے بجائے میر صاحب ہونا چاہیئے تھا۔ غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے) اسی طرح مکتوب الیہ کے نام کے ساتھ بی سی ایس لکھا ہے۔ نہ معلوم اس کا ماخذ کیا ہے۔ ترجمے میں بھی قدرے بے احتیاطی برتی گئی ہے۔ میں نے انگریزی مکتوب کا از سرِ نو اردو ترجمہ کیا ہے۔

بنام مدیر پیغامِ صلح

مکتوب ۱۷:

(۱) سب سے پہلے یہ خط "پیغامِ صلح" کے شمارہ ۲۵ نومبر ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا۔

(۲) "پیغامِ صلح" کے حوالے سے جناب محمد عبد اللہ قریشی نے "ادبی دنیا" اپریل مئی ۱۹۷۰ء ص ۱۵-۱۶ میں نقل کیا۔

بنام سید فصیح اللہ کاظمی

مکتوب ۱۸ تا ۲۰:

(۱) یہ تینوں خطوط بشیر احمد ڈار صاحب نے "اقبال ریویو" کے شمارہ جنوری ۱۹۷۰ء (ص ۸۵-۸۷) میں شائع کیے ہیں مگر ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔ میں نے ان کا متن "اقبال ریویو" کے اسی شمارے سے لیا ہے۔

بنام میاں محمد شاہ نواز

مکتوب ۲۱:

(۱) سب سے پہلے یہ خط "ہمایوں" کے شمارہ اپریل ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار اسے قاضی افضل حق قریشی نے اپنے مضمون "نوادراتِ اقبال" مطبوعہ پندرہ روزہ "نیا پیام" یکم دسمبر ۱۹۶۸ء میں نقل کیا۔

(۳) تیسری بار پھر قاضی افضل حق قریشی نے اپنے مضمون "باقیاتِ اقبال" مطبوعہ سہ ماہی "اردو" شمارہ ۳ ۱۹۶۹ء میں نقل کیا۔

بنام سید شوکت حسین

مکتوب ۲۲ :

(۱) پہلی بار اس خط کا اردو ترجمہ "اقبالنامہ" حصہ دوم (ص ۲۵۳ - ۲۵۴) میں شائع ہوا۔ اس میں سن ۱۹۲۶ء درست نہیں۔ خط کی صحیح تاریخ تحریر ۲ر جنوری ۱۹۱۹ء ہے۔ اصل انگریزی متن میں Yours truly کے الفاظ ہیں جن کا اردو ترجمہ شیخ عطاء اللہ نے "نیاز مند" کیا جو سیاق و سباق میں درست نہیں۔

(۲) دوسری بار اس کا اردو ترجمہ عابد نظامی صاحب نے اپنے مضمون "علامہ اقبال کا ایک گمنام ممدوح" میں چٹان ۲۱ر جون ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔

(۳) تیسری بار اس کا عکس اور متن پروفیسر رحیم بخش شاہین نے "اسلامک ایجوکیشن" کے شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۵ء میں شائع کیا۔ خط کے عکس میں القاب محض sir ہے لیکن متن میں Dear sir لکھا ہے جو درست نہیں۔

(۴) چوتھی بار اس کا اردو ترجمہ "چٹان" کے حوالے سے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۵۳) میں نقل کیا گیا (اس میں the paper کا ترجمہ "اخباری تراشہ" محل نظر ہے)

مکتوب ۲۳

(۱) پہلی بار اس خط کا اردو ترجمہ "اقبال نامہ" حصہ دوم (ص ۲۵۴ - ۲۵۵) میں شائع ہوا۔ اس ترجمے میں کئی خامیاں ہیں مثلاً: (الف) Lucknow critics کا ترجمہ ہندوستانی ناقدین کیا گیا ہے۔

(ب) آخری پورے انگریزی جملے کا ترجمہ رہ گیا ہے۔

(ج) آخر میں Yours etc. کا اردو ترجمہ بھی نہیں دیا گیا۔

(۲) دوسری بار اس کا اردو ترجمہ عابد نظامی صاحب نے اپنے مضمون مطبوعہ چٹان ۲۱ر جون ۱۹۷۱ء میں نقل کیا۔ یہ اردو ترجمہ مکمل ہے۔

(۳) تیسری بار خط کا عکس اور متن رحیم بخش شاہین نے "اسلامک ایجوکیشن" کے شمارہ جنوری فروری

١٩٧٥ء میں شائع کیا۔ اس متن کے آخر میں "محمد اقبال" کے بعد لفظ "لاہور" زائد لکھا گیا ہے۔

(۴) چوتھی بار اس کا اردو ترجمہ چٹان کے حوالے سے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۵۸) میں شائع کیا گیا۔ اس ترجمے میں بھی Lucknow Critics کا ترجمہ "ہندوستانی نقادوں" کیا گیا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اقبال کی اپنی تحریر میں خط کا آخری جملہ اس طرح ہے:

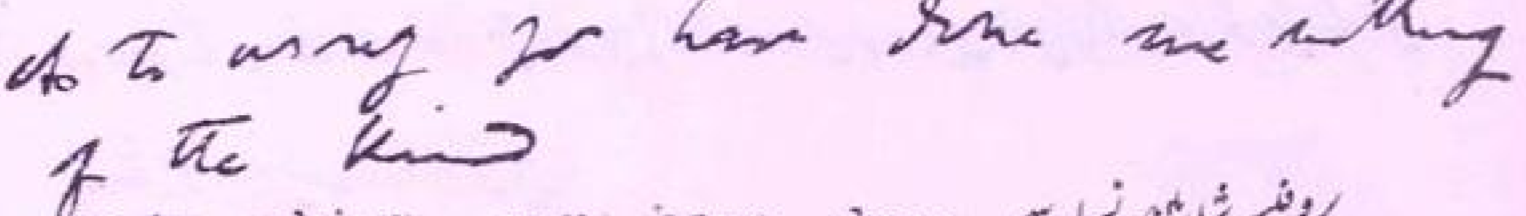

پروفیسر شاہین نے اسے As to asking, you have done me nothing of the kind. پڑھا ہے مگر اس طرح یہ جملہ بے معنی ہے۔ اگر اسے As to disreg you have done me nothing of the kind. پڑھا جائے تب یہ بامعنی بنتا ہے

مکتوب ۲۴

(۱) پہلی بار اسے شیخ عطاء اللہ نے "اقبال نامہ" حصہ دوم (ص ۲۵۵) میں شائع کیا۔

(۲) دوسری بار اس خط کو عابد نظامی صاحب نے اپنے مضمون مطبوعہ "چٹان" ۲۱ جون ۱۹۷۱ء میں نقل کیا۔

(۳) اس کا عکس پہلی بار ماہنامہ "ضیائے حرم" کے شمارہ اپریل ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔

(۴) چٹان کے حوالے سے اسے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۵۶) میں شامل کیا گیا۔ اس میں غلطی سے القاب "محترمی" لکھ دیا گیا ہے حالانکہ عکس میں "مخدومی" صاف نظر آتا ہے۔

بنام ڈاکٹر محمد حسین

مکتوب ۲۵:

اس کا عکس "روزگارِ فقیر" حصہ اول (ص ۱۹۲) میں شائع ہوا۔ میں نے یہ خط یہیں سے نقل کیا ہے۔

بنام شیخ نور محمد

مکتوب ۲۶:

(۱) خط کا عکس "ماہِ نو" اقبال نمبر اپریل ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا۔

(۲) ماہِ نو کے حوالے سے خط کا متن "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۲۰۴) میں شامل کیا گیا ہے۔ مگر متن کے نقل کرنے میں دو غلطیاں سرزد ہو گئی ہیں۔

بنام شیخ اعجاز احمد

مکتوب ۲۷:

(۱) پہلی بار یہ خط "اقبال ڈے سووینیر" ۱۶، ۱۷ اپریل ۱۹۶۶ء (کراچی اولڈ راوین ایسوسی ایشن) میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار اسی حوالے سے رحیم بخش شاہین نے "اسلامک ایجوکیشن" کے شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۵ء (ص ۲۵) میں نقل کیا۔

مکتوب ۲۸:

(۱) پہلی بار اس کا عکس روزگارِ فقیر، حصّہ دوم (ص ۲۱۸) میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار انگریزی متن "اسلامک ایجوکیشن" شمارہ جنوری فروری ۱۹۷۵ء (ص ۲۶) میں شائع ہوا۔

مکتوب ۲۹

(۱) روزگارِ فقیر، حصّہ دوم (ص ۱۳۰-۱۳۱) میں چھپا۔

بنام شاہ اسد الرحمٰن قدسی

مکتوب ۳۰:

(۱) خط کا عکس "اقبال اور بھوپال" (ص ۳۵) میں شائع ہوا۔ میں نے متن وہیں سے لیا ہے۔

بنام سید رحمت اللہ شاہ

مکتوب ۳۱، ۳۲، ۳۳:

(۱) یہ خطوط سب سے پہلے یوسف علی خان نے اپنے مضمون "اقبال کے تین غیر مطبوعہ خطوط" مطبوعہ "جنگ" کراچی، اقبال ایڈیشن اپریل ۱۹۷۳ء میں شائع کئے۔ خطوط کے عکس کے ساتھ مکتوب الیہ کی تصویر اور حواشی بھی شامل ہیں۔

(۲) دوسری بار ان خطوط کو قاضی افضل حق قریشی نے اپنے مضمون "نادراتِ اقبال" مطبوعہ "صحیفہ" اقبال نمبر حصہ اول (ص ۱۹۹ - ۲۰۰) میں شامل کیا۔ انہوں نے خطوط کے عکس بھی شائع کئے اور یہ وضاحت کی کہ خطوط اور حواشی مکتوب الیہ کی صاحبزادی عقیلہ شاہ کے ذریعے حاصل کیے گئے۔

(۳) تیسری بار انہیں "جنگ" کے حوالے سے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۴۹ - ۱۵۰) میں نقل کیا گیا۔ مگر یہ متون ناقص ہیں۔

بنام سید سجاد حیدر یلدرم

مکتوب ۳۴:

(۱) خط کا عکس اور متن خواجہ منظور حسین نے "علامہ اقبال کا ایک غیر مطبوعہ خط" عنوان کے تحت "صحیفہ" اقبال نمبر، حصہ اول میں شائع کیا اور ساتھ ہی خط کے پس منظر کی وضاحت بھی کی۔

(۲) صحیفہ کے حوالے اور "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۹۴) میں نقل کیا گیا۔

مکتوب ۳۵:

(۱) پہلی بار یہ خط علی گڑھ کالج میگزین ۱۹۲۵ء میں چھپا۔

(۲) دوسری بار قاضی افضل حق قریشی نے اس کا متن اور عکس "صحیفہ"، اقبال نمبر، حصہ اول (ص ۲۰۲) میں نقل کیا۔

بنام مدیر "زمیندار"

مکتوب ۳۶:

(۱) پہلی بار یہ مکتوب روزنامہ "زمیندار" کے شمارہ جون ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار اسے محمد رفیق افضل نے اپنی کتاب "گفتارِ اقبال" میں شائع کیا۔ میں نے جب اس متن کا "زمیندار" میں مطبوعہ اصل خط سے موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ "گفتارِ اقبال" کے مرتب نے خط کو نقل کرنے میں احتیاط سے کام نہیں لیا۔ اسی لئے کہیں کہیں سے عبارات چھوٹ گئی ہیں۔ میں نے "زمیندار" کے متن کو اختیار کیا ہے اور "گفتارِ اقبال" کے متن میں جہاں جہاں عبارات چھوٹ گئی ہیں، حاشیے میں اُن کی نشاندہی کر دی ہے۔

مکتوب ۳۷:

(۱) پہلی بار یہ خط ۵ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو "زمیندار" میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار "گفتارِ اقبال" (ص ۲۶۹) میں یہی متن نقل کیا گیا۔

میرا ماخذ "زمیندار" کا متذکرہ بالا شمارہ ہے۔

بنام جسٹس شیخ دین محمد

مکتوب ۳۸، ۳۹

(۱) دونوں خطوط کے عکس اور متن ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اپنے مضمون "آثارِ اقبال" مطبوعہ "صحیفہ" اقبال نمبر حصہ اول (۱۹۰ - ۱۹۳ میں شائع کئے۔ انہوں نے بتایا کہ دونوں اصل خطوط، عجائب گھر لاہور میں محفوظ ہیں۔

(۲) دوسرے خط کا ترجمہ "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۲۱۱) میں شامل ہے۔

بنام سیّد محمد سعید الدین جعفری

مکتوب ۴۰:

یہ خط "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۱۷ - ۱۱۸) پر ڈاکٹر اکبر حسین قریشی کے حوالے سے شائع ہوا۔

مکتوب ۴۱:

(۱) پہلی بار یہ خط بشیر احمد ڈار نے "اقبال ریویو"، جنوری ۱۹۷۰ء (ص ۸۳ - ۸۵) میں شائع کیا اور یہ وضاحت کی کہ اس کا عکس انہیں ڈاکٹر اکبر حسین قریشی صاحب نے مہیا کیا۔

(۲) دوسری بار اسے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۱۸ - ۱۲۱) میں نقل کیا گیا۔ پروفیسر رحیم بخش نے بتایا ہے کہ انہیں اس خط کا متن ڈاکٹر اکبر حسین قریشی نے مہیا کیا۔

دونوں متنوں میں کئی جگہ اختلاف ہے۔ میں نے "اقبال ریویو" میں مطبوعہ متن اختیار کیا ہے۔

بنام ڈاکٹر سیّد یامین ہاشمی

مکتوب ۴۲:

(۱) یہ مکتوب ڈاکٹر ہاشمی کی کتاب "اقبال کی پیش گوئیاں" (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۶۲ء) میں شامل ہے اور بظاہر یہ اصل مکتوب کا عکس معلوم ہوتا ہے۔

(۲) ڈاکٹر ہاشمی کی کتاب کے حوالے سے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۸۶ - ۱۸۷) میں نقل کیا گیا ہے۔

بنام مدیر نیرنگِ خیال

مکتوب ۴۳

(۱) پہلی بار یہ خط ماہنامہ "نیرنگِ خیال" کے شمارہ اگست ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار قاضی افضل قریشی نے "نیرنگِ خیال" کے حوالے سے اس خط کو اپنے مضمون ——

"علامہ اقبال سے متعلق غیر مدون تحریریں" مطبوعہ "صحیفہ" جنوری ۱۹۷۱ء (ص ۸۵) میں نقل کیا۔

(۳) تیسری بار "نیرنگِ خیال" کے حوالے سے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۵۰) میں نقل کیا گیا۔

بنام شاد عظیم آبادی

مکتوب ۴۴:

(۱) اصل خط خدا بخش لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے۔

(۲) اس کا متن پہلی بار "نقوش" کے خطوط نمبر حصّہ اوّل (ص ۴۷۶) میں شائع ہوا۔

(۳) "نقوش" کے حوالے سے قاضی افضل حق قریشی نے اسے اپنے مضمون "نادراتِ اقبال" مطبوعہ "صحیفہ" اقبال نمبر حصّہ اوّل (ص ۲۰۰ - ۲۰۱) میں شائع کیا۔

بنام مسٹر سمتھ

مکتوب ۴۵:

(۱) پہلی بار اس انگریزی خط کا عکس "روزگارِ فقیر" حصّہ اوّل (ص ۱۰۸) میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار پروفیسر رحیم بخش شاہین نے "روزگارِ فقیر" کے حوالے سے اسے "اسلامک ایجوکیشن" جنوری فروری ۱۹۷۵ء (ص ۲۶) میں نقل کیا مگر اُن کے منقول متن میں:

Lahore

19th October 1924

کے الفاظ موجود نہیں ہیں۔

بنام صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم

مکتوب ۴۶ :

یہ خط "اقبال ریویو" جولائی ۱۹۷۰ء میں شائع شدہ مولانا محمد حسین عرشی امرتسری کے مضمون "حیاتِ اقبال کا ایک گوشۂ پنہاں" کے ذریعے منظرِ عام پر آیا۔

بنام شیخ عطا محمد

مکتوب ۴۷ :

یہ خط "صحیفہ" اقبال نمبر حصّہ اوّل میں مطبوعہ ڈاکٹر محمد باقر کے مضمون "اقبال کے اجداد کا سلسلۂ عالیہ" کے ذریعے سامنے آیا۔ "صحیفہ" میں اس کا عکس بھی دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر کو خط، شیخ اعجاز احمد کے توسط سے حاصل ہوا۔ جن کے پاس اصل خط محفوظ ہے۔

بنام شیخ اکرام الحق سلیم

مکتوب ۴۸ :

اس خط کا عکس اور متن "اقبال ریویو" جنوری ۱۹۷۰ء میں بشیر احمد ڈار نے اپنے مضمون "اقبال پر نیا مواد" میں شائع کیا۔

بنام منشی رام پرشاد

مکتوب ۴۹ :

(۱) پہلی بار یہ خط کتاب "ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت" میں دیگر مشاہیر کی آرا کے ساتھ شائع ہوا۔

(۲) مذکورہ بالا حوالے سے قاضی افضل حق قریشی نے اپنے مضمون "علامہ اقبال کے متعلق غیر مدون تحریریں" "مطبوعہ صحیفہ" جنوری ۱۹۷۱ء (ص ۸۵) میں شائع کیا۔

بنام سراج نظامی

مکتوب ۵۰:

یہ خط "تحقیق" شمارہ ۳، ۱۹۶۷ء میں "بھولے بسرے خطوط" عنوان کے تحت دیگر مشاہیر کے خطوط کے ساتھ شائع ہوا۔

بنام مرزا محمد سعید

مکتوب ۵۱:

اس کا متن پہلی پروفیسر حمید احمد خاں کی تصنیف "اقبال کی شخصیت اور شاعری" (ص ۳۱) کے ذریعے منظرِ عام پر آیا۔ اس انگریزی متن کا اردو ترجمہ شامل کیا گیا ہے۔

بنام خلیفہ شجاع الدین

مکتوب ۵۲

(۱) یہ خط پروفیسر حمید احمد خاں نے اسلامیہ کالج لاہور کے رسالے "فاران" کو مہیا کیا چنانچہ پہلی بار یہ انگریزی مکتوب "فاران" جون ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار "فاران" کے حوالے سے انگریزی متن "اسلامک ایجوکیشن" (جنوری، فروری ۱۹۷۵ء (ص ۲۷) میں نقل کیا گیا۔

(۳) اردو ترجمہ پہلی بار "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۵۹ - ۱۶۰) میں شائع ہوا۔ اس ترجمے میں ایک جملے

He is occupying at present in the

Accounts Department.

کا ترجمہ درست نہیں ہے اور وہ "عالمانہ اطوار کے مالک ہیں" تو بالکل زائد ہے۔

بنام مہتمم رسالہ نورِ جہاں

مکتوب ۵۳ :

(۱) پہلی بار رسالہ "نورِ جہاں" امرتسر میں شائع ہوا۔ غالباً فروری کے شمارے میں۔

(۲) "نورِ جہاں" کے حوالے سے دوسری بار اسے قاضی افضل حق قریشی نے "اردو" شمارہ ۳، ۱۹۶۹ء میں نقل کیا۔

بنام ایڈیٹر روزنامہ "انقلاب"

مکتوب ۵۴ :

(۱) اوّلین اشاعت روزنامہ "انقلاب" کے شمارہ ۵ مئی ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔

(۲) دوسری بار "انقلاب" کے حوالے سے اسے "گفتارِ اقبال" میں نقل کیا گیا۔

میں نے اس خط کو "انقلاب" سے نقل کیا ہے۔

مکتوب ۵۵ :

یہ خط "انقلاب" ۳۱ مئی ۱۹۲۷ء (ص ۲) میں چھپا۔ میں نے اسے "انقلاب" سے لیا ہے۔ یہ خط "گفتارِ اقبال" یا کسی اور مجموعے میں شامل نہیں ہے۔

مکتوب ۵۶ :

(۱) پہلی بار "انقلاب" ۱۱ جولائی ۱۹۲۸ء میں چھپا۔

(۲) اسی حوالے سے دوسری بار "گفتارِ اقبال" (ص ۶۵-۶۶) میں نقل کیا گیا۔

مکتوب ۵۷

(۱) پہلی بار "انقلاب" ۲۰ فروری ۱۹۲۹ء میں شائع ہوا۔

(۲) "انقلاب" کے حوالے سے دوسری بار "گفتارِ اقبال" (ص ۲۰۲) میں نقل کیا گیا۔ میں نے "انقلاب" کا شمارہ دیکھ کر "گفتارِ اقبال" کے اختلافات کی نشاندہی کر دی ہے۔

مکتوب ۵۸

(۱) یہ خط بھی پہلی بار "انقلاب" ۶ر فروری ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار اسے "گفتارِ اقبال" (ص ۱۶۵) میں نقل کیا گیا۔

مجھے "انقلاب" کا مذکورہ شمارہ دستیاب نہیں ہوا، اس لئے "گفتارِ اقبال" کا متن اختیار کیا ہے۔

بنام پروفیسر محمد عبد الغنی

مکتوب ۵۹:

(۱) پہلی بار یہ انگریزی مکتوب پروفیسر محمد عبد الغنی کی کتاب A History of Persian Language and Literature at the Mughal Court مطبوعہ انڈین پریس الٰہ آباد، ۱۹۳۰ء کی تیسری جلد کے آخر میں شائع کیا گیا۔

(۲) مندرجہ بالا حوالے سے، اس کا اردو ترجمہ اکبر علی خان نے اپنے مضمون "چند نوادر۔ لسلسلہ اقبالیات" مطبوعہ "اقبال ریویو" جولائی ۱۹۶۲ء (ص ۸۵) میں شائع کیا۔ اس اردو ترجمے میں مکتوب الیہ کا نام درج نہیں ہے۔ نیز القاب "مائی ڈیر مسٹر غنی" کے بجائے "مائی ڈیر غنی" نقل کیا گیا ہے۔

(۳) تیسری بار اس کا مکمل متن قاضی افضل حق قریشی نے "نیا پیام" ریکم دسمبر ۱۹۶۸ء میں نقل کیا۔

(۴) قاضی افضل حق قریشی نے ایک بار پھر اس کا مکمل انگریزی متن اپنے مضمون "باقیاتِ اقبال" مطبوعہ "اردو" شمارہ ۳، ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔

میں نے "اردو" میں شائع شدہ متن اختیار کیا ہے اور از سرِ نو اس کا اردو ترجمہ کیا ہے۔

بنام بیگم صاحبہ،......،

مکتوب ۶۰:

اس خط کا عکس روزنامہ "انجام" کراچی کے کسی شمارے میں شائع ہوا۔ مجھے اس اخبار کا تراشہ پروفیسر انیس احمد اعظمی نے مہیا کیا تھا۔ یہ عکس صاف نہیں ہے۔ اس لیے بعض الفاظ پڑھے نہیں جا سکے۔

بنام سردار رب نواز

مکتوب ۶۱:

(۱) پہلی بار اس کا عکس ہفت روزہ "آزاد کشمیر" مظفر آباد، ۲۲ اپریل ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔

(۲) "انوارِ اقبال" (ص ۲۰۴) میں اس کا متن شامل ہے مگر یہ متن، اصل مکتوب کے مطابق نہیں۔ اختلافات کی میں نے حواشی میں نشان دہی کی ہے۔ "انوارِ اقبال" میں ماخذ بھی نہیں بتایا گیا۔

میں نے خط کا متن، عکس کے مطابق اختیار کیا ہے۔

بنام ایڈیٹر رسالہ "پیشوا"

مکتوب ۶۲:

(۱) پہلی بار یہ خط رسالہ "پیشوا" کے تتمہ رسول نمبر ستمبر ۱۹۳۰ء میں شائع ہوا

(۲) "پیشوا" کے حوالے سے دوسری بار اسے قاضی افضل حق قریشی نے "اردو" شمارہ ۳، ۱۹۶۹ء میں شائع کیا۔

بنام فقیر سید سراج الدین

مکتوب ۶۳:

اس خط کا عکس "روزگارِ فقیر"، حصہ اول (ص ۵۹) میں چھپا۔

بنام سکریٹری انجمن حمایت اسلام

مکتوب ۶۴ :

(۱) پہلی بار یہ خط، جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور کی قلمی روداد ۶ جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ دسمبر ۱۹۳۰ء میں نقل کیا گیا۔

(۲) قلمی روداد کے حوالے سے محمد حنیف شاہد نے اپنے مضمون، "علامہ اقبال کے چند نادر خطبات و مکاتیب" مطبوعہ مجلہ "اقبال" اکتوبر دسمبر ۱۹۷۱ء (ص ۵۸) میں شائع کیا۔

مکتوب ۶۵ :

(۱) یہ خط پہلی بار جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور کی قلمی روداد ۱۹۲۷ء تا ۱۳ اگست ۱۹۲۹ء میں نقل کیا گیا۔

(۲) قلمی روداد کے حوالے سے محمد حنیف شاہد نے اس خط کو مجلہ "اقبال" اکتوبر دسمبر ۱۹۷۱ء (ص ۶۸-۶۹) میں شائع کیا۔

میرا ماخذ مجلہ "اقبال" کا یہی شمارہ ہے۔

بنام شیخ عظیم اللہ

مکتوب ۶۶ :

(۱) پہلی بار یہ خط جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور کی قلمی روداد یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء میں نقل کیا گیا۔

(۲) اسی قلمی روداد کے حوالے سے محمد حنیف شاہد نے مجلہ "اقبال" اکتوبر دسمبر ۱۹۷۱ء (ص ۶۶-۶۷) میں شائع کیا۔

بنام منشی طاہر الدین

مکتوب ۶۷:

(۱) پہلی بار روز نامہ "انقلاب" کے شمارہ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار "انقلاب" کے حوالے سے اسے "گفتار اقبال" (ص ۱۴۰ - ۱۴۴) میں نقل کیا گیا مگر نقل نویسی میں احتیاط سے کام نہیں لیا گیا۔

(۳) تیسری بار یہ خط "سفر نامہ اقبال" (ص ۲۲ - ۲۸) میں "انقلاب" سے نقل کیا گیا۔ یہ متن "گفتار اقبال" کے متن سے زیادہ صحیح ہے۔

میں نے یہ خط "انقلاب" سے نقل کیا ہے اور "گفتار اقبال" کی بعض نمایاں غلطیوں کو حاشیے میں واضح کر دیا ہے۔

مکتوب ۶۸

یہ خط ماہنامہ "ریاض" کراچی کے شمارہ اپریل ۱۹۵۳ء میں چھپا۔ مجھے یہ خط قاضی افضل حق قریشی صاحب نے مہیا کیا۔

بنام محمد عبد القوی فانی

مکتوب ۶۹:

۱۔ یہ خط مکتوب الیہ کی مثنوی "عدلِ جہانگیری" میں شائع ہوا۔ مجھے اس کا متن قاضی افضل حق قریشی نے مہیا کیا تھا۔

بنام مس فارقوہرسن

مکتوب ۷۰

(۱) پہلی بار اس خط کا اردو ترجمہ "اقبال نامہ" حصہ دوم (ص ۲۸۳ - ۲۸۵) میں شائع ہوا۔ اس میں دو نقائص ہیں۔ ایک تو ترجمے میں متعدد غلطیاں ہیں۔ دوسرے اس میں مسئلہ فلسطین سے متعلق ایک

ایسے پیراگراف (جہاں تک مسلمین کا تعلق ہے ..... ارسالِ خدمت کر چکا ہوں) کا اضافہ کیا گیا ہے جو اصل انگریزی متن میں موجود نہیں، مزید براں خط کے آخر میں تحریر مابعد" کے تحت جو اردو عبارت ملتی ہے اس کا انگریزی متن بھی موجود نہیں۔

(۲) انگریزی متن "سول اینڈ ملٹری گزٹ" لاہور کے شمارہ ۲۱ اپریل ۱۹۵۱ء (ص ۳) میں شائع ہوا مگر بشیر احمد ڈار کے الفاظ میں یہ متن مکمل نہ تھا۔

(۳) شیخ عطاء اللہ مرحوم نے خط کا facsimile مہیا کیا، جس کی بنیاد پر بشیر احمد ڈار نے انگریزی متن "اقبال ریویو" اکتوبر ۱۹۶۹ء (ص ۸۷ - ۸۸) میں شائع کیا۔

"اقبال ریویو" میں مطبوعہ اسی متن کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

مکتوب ۷۱:

اس خط کا عکس بریگیڈیئر سید نذیر علی شاہ کی کتاب "صادق نامہ" (تاریخ ریاست بہاولپور) میں شائع ہوا مجھے اس خط کا عکس قاضی افضل حق قریشی نے مہیا کیا۔ اسی کا اردو ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

بنام ڈائریکٹر "ہمدم"

مکتوب ۷۲:

(۱) پہلی بار روزنامہ "انقلاب" ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔
ممکن ہے اس سے پہلے یہ خط "ہمدم" میں بھی چھپا ہو اور "انقلاب" نے وہاں سے نقل کیا ہو مگر "انقلاب" نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

(۲) دوسری بار "گفتارِ اقبال" میں نقل کیا گیا۔ اس متن میں متعدد غلطیاں ہیں۔ میں نے بعض نمایاں غلطیوں کی نشان دہی کر دی ہے۔

میں نے یہ خط روزنامہ "انقلاب" سے لیا ہے۔

بنام ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال

مکتوب ۷۳:

(۱) یہ ایک سطری خط، جو ایک تصویری کارڈ پر لکھا گیا تھا سب سے پہلے روزنامہ "انقلاب" ۹ فروری ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔

(۲) "انقلاب" کے حوالے سے "گفتارِ اقبال" (ص ۱۶۵) میں نقل کیا گیا۔ میں نے اسے "گفتارِ اقبال" سے نقل کیا کیونکہ "انقلاب" کا مذکورہ شمارہ نہیں مل سکا۔

بنام لارڈ لوتھین

مکتوب ۷۴:

(۱) پہلی بار یہ خط بشیر احمد ڈار نے "اقبال ریویو" اکتوبر ۱۹۶۹ء (ص ۸۹ - ۹۰) میں شائع کیا۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ انہیں یہ خط کہاں سے اور کس ذریعے سے حاصل ہوا۔

اس خط کا اردو ترجمہ پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے۔

بنام ڈاکٹر ریاض الحسن

مکتوب ۷۵:

(۱) پہلی بار یہ خط ڈاکٹر ریاض الحسن کے ایک مضمون A Unique Letter of Iqbal مطبوعہ "اقبال ریویو" اپریل ۱۹۶۸ء کے ذریعے منظرِ عام پر آیا۔

(۲) دوسری بار اسے بشیر احمد ڈار نے "اقبال ریویو" اکتوبر ۱۹۶۹ء (ص ۸۸ - ۸۹) میں نقل کیا۔

اس خط کا اردو ترجمہ پہلی بار شائع کیا جا رہا ہے۔

بنام سید غلام بھیک نیرنگ بخاری

مکتوب ۷۶:

(۱) اس خط کا عکس اور متن محمد حنیف شاہد نے اپنے مضمون "علامہ اقبال کی پانچ غیر مدون تحریریں" مطبوعہ

"صحیفہ"، اقبال نمبر، حصّہ اوّل (ص ۲۴۰ - ۲۴۱) میں شائع کیا۔ یہ مکتوب ایک پوسٹ کارڈ پر لکھا گیا تھا۔

(۲) صحیفہ کے حوالے سے دوسری بار خط کو "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۱۰۷) میں نقل کیا گیا۔

بنام فقیر سیّد وحید الدین

مکتوب ۷۷ :

اس خط کا عکس "روزگارِ فقیر" حصّہ اوّل (ص ۶) میں شائع ہوا۔

بنام پروفیسر محمد طاہر فاروقی

مکتوب ۷۸ :

(۱) اصل خط فاروقی صاحب سے تلف ہو گیا۔ اس کی ایک نقل محفوظ رہ گئی جو پہلی بار "سیرتِ اقبال" (ص ۱۲۸) میں شائع ہوئی۔

(۲) "سیرتِ اقبال" کے حوالے سے قاضی افضل حق قریشی نے اسے "صحیفہ" اقبال نمبر، حصّہ اوّل (ص ۲۰۷) میں نقل کیا۔

بنام قاضی تلمّذ حسین

مکتوب ۷۹ تا ۸۴ :

(۱) ڈاکٹر محمود الٰہی صدر شعبۂ اردو گورکھپور یونیورسٹی نے مکتوب الیہ کے ایک عزیز محمد حامد علی سے یہ خطوط حاصل کر کے "نگار" رام پور اپریل ۱۹۶۴ء (ص ۲۹ - ۳۰) میں شائع کرا دیے اور بتایا کہ اصل خطوط محمد حامد علی کے پاس محفوظ ہیں۔

(۲) نگار کے حوالے سے دوسری بار یہ خطوط "اقبال اور بھوپال" (ص ۲۶ - ۲۸) میں نقل کیے گئے۔

بنام خواجہ سجّاد حسین

مکتوب ۸۳ :

(۱) پہلی بار اس خط کا عکس "مخزن" کے شمارہ مئی ۱۹۵۱ء (ص ۵۲ - ۵۳) میں شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار اس کا متن ہفتہ وار "حمایتِ اسلام" لاہور کے شمارہ ۲۰ / اپریل ۱۹۵۶ء میں شائع ہوا۔

(۳) تیسری بار "مخزن" کے حوالے سے اسے "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۲۰۶) میں نقل کیا گیا۔

میں نے متن "مخزن" کی عکسی نقل سے اخذ کیا ہے۔

بنام ڈاکٹر سیّد عبدالباسط

مکتوب ۸۴ تا ۸۸ :

ان سب خطوط کے عکس پہلی بار "اقبال ریویو" (ص ۱۴۴ - ۱۵۶) میں شائع کیے گئے۔ اصل خطوط اقبال اکیڈیمی میں محفوظ ہیں۔

بنام سیّد ہاشمی فرید آبادی

مکتوب ۸۹ :

(۱) پہلی بار اس خط کا عکس ماہنامہ "کردارِ نو" منٹگمری، اپریل مئی ۱۹۶۳ء کے سرورق پر شائع ہوا۔

(۲) دوسری بار اسے بلا حوالہ قاضی افضل حق قریشی نے "صحیفہ"، اقبال نمبر، حصہ اوّل (ص ۲۹۴) میں نقل کیا۔

بنام مسعود عالم ندوی

مکتوب ۹۰ :

(۱) پہلی بار اس خط کا عکس ماہنامہ "ندیم" گیا کے بہار نمبر ۱۹۴۰ء میں شائع ہوا۔

(۲) اقبال نامہ، حصہ اوّل (ص ۱-۴) میں بھی یہ خط موجود ہے مگر القاب میں "مخدومی" کے بجائے "مخلصی" کے الفاظ ملتے ہیں۔ مزید برآں اس متن میں خط کا آخری حصہ شامل نہیں ہے۔

(۳) "اقبال ریویو" جولائی ۱۹۶۲ء (ص ۸۶ - ۸۷) میں نقل کیا گیا مگر اس کے متن میں کئی غلطیاں موجود ہیں۔

(۴) قاضی افضل حق قریشی نے "ندیم" کے حوالے سے "صحیفہ"، اقبال نمبر، حصہ اول (ص ۲۰۵) میں نقل کیا۔ میرا متن "ندیم" کی عکسی نقل سے ماخوذ ہے۔

بنام صادق الخیری

مکتوب ۹۱:

(۱) پہلی بار ماہنامہ "عصمت"، دہلی، مارچ ۱۹۳۶ء (ص ۲۰۸) میں ایک تعزیتی پیغام کی شکل میں شائع ہوا۔ اصل خط کے القاب و آداب اڑا دیئے گئے۔

(۲) دوسری بار "حریت"، کراچی یکم جنوری ۱۹۷۳ء میں مکمل خط، ایک مفصل وضاحتی نوٹ کے ساتھ چھپا

(۳) قاضی افضل حق قریشی نے "حریت" کے حوالے سے "صحیفہ"، اقبال نمبر حصہ اول (ص ۲۰۶) میں نقل کیا۔

(۴) "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۶۵ - ۶۶) میں قاضی افضل حق قریشی کے حوالے سے نقل کیا گیا۔

بنام عبدالوحید خاں

مکتوب ۹۲-۹۳:

(۱) پہلی بار دونوں خطوں کے عکس روزنامہ "پاکستان ٹائمز" لاہور ۲۱ اپریل ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئے۔

(۲) قاضی افضل حق قریشی نے "صحیفہ"، اقبال نمبر، حصہ اوّل (۲۰۳-۲۰۴) میں دونوں خطوط بلا حوالہ نقل کیے

میرا ماخذ، خطوط کی عکسی نقول ہیں۔

بنام پنڈت جواہر لال نہرو

مکتوب ۹۴:

(۱) یہ انگریزی مکتوب سب سے پہلے پنڈت نہرو کے نام مکاتیب کے مجموعے

A Bunch of old Letters

(ص ۱۸۱ - ۲۸۲) میں شائع ہوا۔

(۲) اس کا انگریزی متن، کسی حوالے کے بغیر، سید عبدالواحد نے

Thoughts and Reflections of Iqbal.

میں نقل کیا۔

(۳) اس کا ترجمہ اسی کے حوالے سے اکبر علی خاں نے "اقبال ریویو" جولائی ۱۹۶۲ء میں "چند نوادرِ سلسلہ اقبالیات" کے تحت شائع کیا مگر یہ ترجمہ ناقص ہے بلکہ کئی اعتبار سے غلط بھی۔ مثلاً:

(الف) Ahmadi press. کا ترجمہ "احمدی جماعت" کیا گیا ہے۔

(ب) continued ilness کا ترجمہ "مستقبل بیماری" کیا گیا ہے

(ج) a life practically of retirement

کا ترجمہ "مسلسل مجہولیت کی زندگی" کیا گیا ہے۔

(۴) اس کا دوسرا اردو ترجمہ شورش کاشمیری نے اپنی کتاب "اقبال اور قادیانیت" (ص ۶۲۔۶۳) میں شامل کیا ہے۔ یہ ترجمہ بھی پوری طرح صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کا ایک جملہ ہے:

Indeed, the main reason why I wrote a reply was to show, especially to you, how Muslim loyalty had originated and how eventually it had found a revelational basis in Ahmadism.

اس کا ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

"بلاشبہ یہ جواب لکھنے کا اہم سبب یہ تھا کہ میں بالخصوص آپ پر یہ واضح کرنا چاہتا تھا کہ مسلمانوں کی وفاداری کا اصل سرچشمہ کیا ہے اور احمدیت میں کس طرح ان کو نیا رنگ دیا گیا ہے۔"

ظاہر ہے کہ اس ترجمے کو کسی بھی اعتبار سے درست نہیں قرار دیا جا سکتا۔

(۵) اس کا ایک اور ترجمہ نعیم آسی نے اپنی کتاب "اقبال اور قادیانی" (ص ۱۴۹-۱۵۰) کے حوالے سے شائع کیا۔ یہ ترجمہ نسبتاً صحیح ہے مگر اس میں بھی کئی ایک خامیاں ہیں مثلاً:

(ا) your Muslim adviser کا ترجمہ "آپ کے ساتھی" کیا گیا ہے۔

(ب) for the last two years کا ترجمہ سرے سے کیا ہی نہیں گیا۔

(ج) ایک جگہ Punjab کا ترجمہ "لاہور" کیا گیا ہے۔

(د) proposed union for Civil Liberty کا ترجمہ محض "شہری آزادی" کیا گیا ہے۔

میں نے انگریزی متن سے از سرِ نو ترجمہ کیا ہے۔

بنام شیخ عنایت اللہ

مکتوب ۹۵:

(۱) پہلی بار اس خط کا عکس تاج کمپنی لمیٹڈ کی شائع کردہ کتاب "حیاتِ اقبال" میں شائع ہوا۔

(۲) "حیاتِ اقبال" کے حوالے سے ڈاکٹر افضل حق قریشی نے اس کا متن "صحیفہ" جنوری ۱۹۷۰ (ص ۸۴) میں نقل کیا۔

بنام سر راس مسعود

مکتوب ۹۶:

(۱) پہلی بار یہ خط ماہنامہ "قومی زبان" کراچی، ستمبر ۱۹۶۹ء (ص ۳۱-۳۲) میں شائع ہوا

(۲) "قومی زبان" کے حوالے سے اسے "اقبال اور بھوپال" (ص ۶۵) میں نقل کیا گیا۔

میں نے اس خط کو "اقبال اور بھوپال" سے نقل کیا ہے۔

بنام خلیفہ فضل حسین

مکتوب ۹۷:

یہ خط پہلی بار جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور کی قلمی روداد یکم جولائی ۱۹۳۳ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۴ء میں نقل کیا گیا۔

۲۔ قلمی روداد کے حوالے سے محمد حنیف شاہد نے اسے مجلہ "اقبال" اکتوبر تا دسمبر ۱۹۷۱ء (ص ۶۷، ۶۸)

میں شائع کیا۔

میں نے یہ خط مجلّہ "اقبال" سے نقل کیا ہے۔

مکتوب ۹۸ : بنام میجر شمس الدین قریشی

اس خط کا عکس "روزگارِ فقیر"، حصّہ دوم (ص ۱۱۱) میں شائع ہوا۔

مکتوب ۹۹ : بنام فضل شاہ گیلانی

(۱) اصل خط انگریزی میں تھا مگر انگریزی متن دستیاب نہ ہو سکا۔ اس کا اردو متن سب سے پہلے مکتوب الیہ نے بہت خوبصورت آرٹ پیپر پر چھاپا تھا۔ طاہر فاروقی صاحب نے نقل کرکے پہلی بار "سیرتِ اقبال" (ص ۲۸ - ۲۹) میں شائع کیا۔

(۲) آرٹ پیپر پر مطبوعہ خط کا حوالہ دیتے ہوئے ڈاکٹر مختارالدین آرزو نے اس مکتوب کو اپنے مضمون "اقبال کے چند قدیم رقعات" میں شامل کیا۔ یہ مضمون پہلے ماہِ نو ۔ استقلال نمبر ۱۹۵۳ء میں اور پھر "اقبال نمبر" اپریل ۱۹۷۰ء (ص ۲۶ - ۲۸) میں شائع ہوا۔

(۳) "سیرتِ اقبال" کے حوالے سے افضل حق قریشی نے اپنے مضمون "نادراتِ اقبال" مطبوعہ "صحیفہ" اقبال نمبر، حصّہ اوّل ص ۲۰۷ - ۲۰۸ میں نقل کیا۔

مکتوب ۱۰۰ : بنام حفیظ ہوشیارپوری

(۱) پہلی بار یہ خط حفیظ ہوشیارپوری کے مضمون "عمرِ عزیز کے بہترین لمحے" مشمولہ "ملفوظاتِ اقبال" (۱۲۷ - ۱۳۸) کے ذریعے منظرِ عام پر آیا۔

(۲) دوسری بار ملفوظاتِ اقبال" کے حوالے سے قاضی افضل حق قریشی نے اپنے مضمون "نادراتِ اقبال" (صحیفہ، اقبال نمبر، حصّہ اوّل ص ۲۰۹) میں نقل کیا۔

بنام ......؟

مکتوب ۱۰۱:

(۱) یہ خط پہلی بار حیدرآباد سٹی کالج کے مجلّے "الموسی میگزین" کے خصوصی شمارے "یادگار رومی" میں شائع ہوا۔

(۲) "الموسی میگزین" کے حوالے سے دوسری بار اسے قاضی افضل حق قریشی نے رسالہ "اردو" ۲۔ ۱۹۶۹ء (ص ۴۰) میں نقل کیا۔

بنام میاں بشیر احمد

مکتوب ۱۰۲:

(۱) پہلی بار یہ خط "ہمایوں" کے شمارہ اپریل ۱۹۵۳ء میں چھپا۔

(۲) قاضی افضل حق قریشی نے "ہمایوں" کے حوالے سے "نیا پیام" یکم دسمبر ۱۹۶۸ء میں شائع کرایا۔

(۳) قاضی افضل حق قریشی نے ایک بار پھر "ہمایوں" کے حوالے سے اپنے مضمون "باقیاتِ اقبال" مطبوعہ رسالہ "اردو" ۲، ۱۹۶۹ء (ص ۴۸) میں نقل کیا۔

بنام سکندر علی وجد

مکتوب ۱۰۳:

(۱) پہلی بار یہ خط رسالہ "اردو ادب" علی گڑھ، شمارہ ۴، ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔

(۲) "اردو ادب" کے حوالے سے قاضی افضل قریشی نے اپنے مضمون "علامہ اقبال سے متعلق بعض غیر مدون تحریریں" (صحیفہ، جنوری ۱۹۷۱ء ص ۹۱-۹۲) میں نقل کیا۔

بنام سر اکبر حیدری

مکتوب ۱۰۴:

(۱) پہلی بار یہ خط ڈاکٹر غلام جیلانی برق کے مضمون "اقبال اور میں" (ضیا بار، اقبال نمبر ۳/۱۹۷۳ء ص ۵۰) کے ذریعے منظرِ عام پر آیا — ڈاکٹر برق کا بیان ہے کہ انہیں اس مکتوب کی نقل لفٹننٹ کرنل عبدالرشید

صاحب نے عطا کی تھی جو اس زمانے میں سی۔ ایم۔ ایچ کیمبلپور کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ تھے (ڈاکٹر غلام جیلانی برق مکتوب بنام: رفیع الدین ہاشمی بتاریخ ۸ر مارچ ۱۹۷۸ء)

(۲) "ضیا بار" کے حوالے سے دوسری بار "اسلامک ایجوکیشن" (جنوری فروری ۱۹۷۵ء، ص ۴۴) میں نقل کیا گیا۔

(۳) کسی حوالے کے بغیر ماہنامہ "ضیائے حرم" نے اپریل ۱۹۷۵ء کے شمارے میں اسی مضمون (اور خط) کو نقل کیا۔

بنام ڈاکٹر حبیب النساء بیگم

مکتوب ۱۰۵:

(۱) پہلی بار یہ خط "نقوش" کے خطوط نمبر، حصہ اول میں شائع ہوا۔

(۲) "نقوش" کے حوالے سے لے کر قاضی افضل حق قریشی نے "صحیفہ" اقبال نمبر، حصہ اول ص ۲۰۹ میں نقل کیا۔

بنام جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام

مکتوب ۱۰۶:

(۱) سب سے پہلے یہ خط جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور کی قلمی روداد (۱۹۲۷ء) میں نقل کیا گیا۔

(۲) قلمی روداد کے حوالے سے محمد حنیف شاہد نے اسے مجلہ "اقبال" (اکتوبر تا دسمبر ۱۹۶۱ء ص ۶۹) میں شائع کرایا۔

بنام محمد مصطفےٰ المراغی

مکتوب ۱۰۷:

(۱) اس عربی مکتوب کا ایک نامکمل ترجمہ "اقبال نامہ" حصہ اول (ص ۲۵۱۔ ۲۵۲) میں شائع ہوا تھا۔

(۲) مجھے اس کا مکمل اردو ترجمہ سید اسعد گیلانی صاحب کے توسط سے چودھری نیاز علی صاحب کے کاغذات سے دستیاب ہوا۔ اصل عربی مکتوب بھی ملا مگر وہ مکمل نہیں ہے۔

علامہ کے اس مکتوب کے جواب میں جناب مصطفےٰ المراغی کا جواب مکتوب بھی متذکرہ بالا ذریعے سے حاصل ہوا۔ اس مکتوب کا عکس اور عربی ترجمہ بھی پیش کیا جا رہا ہے۔

بنام محمد نعمان

مکتوب ۱۰۸:

(۱) اصل خط انگریزی میں لکھا گیا تھا۔ انگریزی متن دستیاب نہیں اردو ترجمہ پہلی بار انقلاب کی اشاعت ۹ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں شائع ہوا۔

(۲) "انقلاب" کے حوالے سے دوسری بار "گفتارِ اقبال" (ص ۲۱۰) میں نقل ہوا۔

بنام فضل کریم

مکتوب ۱۰۹:

(۱) پہلی بار اس انگریزی کا متن اور جزوی عکس گورنمنٹ کالج سرگودھا کے مجلہ " THE DAWN (نوید صبح) کے شمارہ اکتوبر ۱۹۵۲ء۔ (ص ۲۲۔۲۳) میں شائع ہوا۔ اس کا متن اور جزوی عکس گورنمنٹ کالج سرگودھا کے فلسفے کے استاد پیرزادہ احمد اعجاز صاحب نے مہیا کیا تھا۔ پیرزادہ صاحب علی گڑھ میں جناب فضل کریم کے ہم جماعت تھے اور طالب علمی کے زمانے سے ان کے پاس علامہ اقبال کے اس خط کا متن محفوظ تھا۔

(۲) قاضی افضل حق قریشی صاحب نے "ڈان" کے حوالے سے دوسری بار اس خط کو اپنے مضمون نادراتِ اقبال" (صحیفہ۔ اقبال نمبر، حصہ اول۔ ص ۲۲۴۔ ۲۳۶) میں نقل کیا۔

(۳) تیسری بار پروفیسر رحیم بخش شاہین نے "صحیفہ" کے حوالے سے "اسلامک ایجوکیشن" (جنوری فروری ۱۹۷۵ء۔ ص ۲۲) میں نقل کیا۔

(۴) اس کا اردو ترجمہ پروفیسر رحیم بخش شاہین نے اپنی کتاب "اوراقِ گم گشتہ" (ص ۲۰۸-۲۱۰) میں "صحیفہ" کے حوالے سے شائع کیا۔ اس ترجمے میں ایک دو غلطیاں موجود ہیں۔

میں نے اس خط کا اردو ترجمہ از سرِ نو کیا ہے۔

بنام مرتضیٰ احمد خاں میکش

مکتوب ۱۱۰

(۱) پہلی بار یہ خط روزنامہ "احسان" لاہور کے سالنامہ ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔

(۲) "احسان" کے حوالے سے قاضی افضل حق قریشی نے "صحیفہ" جنوری ۱۹۷۱ء (ص ۹۲) میں نقل کیا۔

بنام سید مبارک شاہ جیلانی

مکتوب ۱۱۱:

(۱) پہلی بار یہ خط "نقوش" مکاتیب نمبر نومبر ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔

(۲) "نقوش" کے حوالے سے افضل حق قریشی نے اپنے مضمون "نادراتِ اقبال" (صحیفہ اقبال نمبر حصّہ اوّل۔ ص ۲۱۰) میں نقل کیا۔

---

(۵)

کتابیات

کتابیں

کلیاتِ اقبال ۔ اردو	علامہ اقبال	لاہور، ۱۹۷۳ء
کلیاتِ اقبال ۔ فارسی	علامہ اقبال	لاہور، ۱۹۷۳ء
سرودِ رفتہ	مرتبہ: غلام رسول مہر صادق علی دلاوری	لاہور، ۱۹۵۹ء
شادِ اقبال	مرتبہ: محی الدین قادری زور	حیدرآباد دکن، ۱۹۴۲ء
اقبال نامہ، حصہ اول	مرتبہ: شیخ عطاء اللہ	لاہور، (۱۹۴۵ء)
اقبال نامہ، حصہ دوم	مرتبہ: شیخ عطاء اللہ	لاہور ۱۹۵۱ء
مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خاں	مرتبہ: بزمِ اقبال	لاہور، ۱۹۵۴ء
مکتوباتِ اقبال	مرتبہ: سید نذیر نیازی	کراچی، ۱۹۵۷ء
انوارِ اقبال	مرتبہ: بشیر احمد ڈار	کراچی، ۱۹۶۹ء
مکاتیبِ اقبال بنام گرامی	مرتبہ: محمد عبداللہ قریشی	کراچی، ۱۹۶۹ء
حرفِ اقبال	مرتبہ: لطیف احمد شروانی	لاہور، ۱۹۵۵ء
گفتارِ اقبال	مرتبہ: محمد رفیق افضل	لاہور، ۱۹۶۹ء
مقالاتِ اقبال	مرتبہ: سید عبدالواحد معینی	لاہور، ۱۹۶۳ء
اقبال کے حضور	مرتبہ: سید نذیر نیازی	کراچی، ۱۹۷۱ء
تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ	مترجم: سید نذیر نیازی	لاہور، ۱۹۵۸ء
شذراتِ فکرِ اقبال	مترجم: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی	لاہور، ۱۹۷۳ء

اوراقِ گم گشتہ	مرتبہ: رحیم بخش شاہین	لاہور، ۱۹۷۵ء
سفر نامۂ اقبال	مرتبہ: محمد حمزہ فاروقی	کراچی، ۱۹۷۳ء
اقبال اور بھوپال	صہبا لکھنوی	کراچی، ۱۹۷۳ء
اقبال اور حیدر آباد دکن	نظر حیدر آبادی	کراچی، ۱۹۶۱ء
سیرتِ اقبال	پروفیسر محمد طاہر فاروقی	لاہور، ۱۹۶۶ء
اقبال کی شخصیت اور شاعری	پروفیسر حمید احمد خاں	لاہور، ۱۹۷۴ء
ذکرِ اقبال	عبدالمجید سالک	لاہور، ۱۹۵۵ء
علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی	السید حامد الجلالی	کراچی، ۱۹۶۲ء
روزگارِ فقیر (اوّل)	فقیر سید وحید الدین	کراچی، ۱۹۶۳ء
روزگارِ فقیر (دوم)	فقیر سید وحید الدین	کراچی، ۱۹۶۴ء
اقبال درونِ خانہ	خالد نظیر صوفی	لاہور، ۱۵۷۱ء
اقبال اور قادیانیت	شورش کاشمیری	لاہور، ۱۹۷۴ء
اقبال اور قادیانی	نعیم آسی	سیالکوٹ، ۱۰۰۲ء
احمدیت، اقبال کی نظر میں	عبدالمالک خاں	ربوہ، ۱۹۷۵ء
اقبال معاصرین کی نظر میں	مرتبہ: پروفیسر سید وقار عظیم	لاہور، ۱۹۷۳ء
شرح اسرارِ خودی	یوسف سلیم چشتی	لاہور،
ادبیاتِ مودودی	مرتبہ: خورشید احمد	لاہور، ۱۹۷۲ء
نقشِ اقبال	سید عبدالواحد معینی	لاہور، ۱۹۶۹ء
گنجینۂ گوہر	شاہد احمد دہلوی	کراچی، ۱۹۶۲ء
حیاتِ جامی	محمد اسلم جیراجپوری	دہلی، —
تاریخ مذاہبِ اسلامی	عباد اللہ فاروقی	لاہور، —

سرگزشت — عبدالمجید سالک — لاہور، ۱۹۵۵ء

مرقع مسعود — مرتبہ: جلیل قدوائی — کراچی، ۱۹۶۶ء

تذکرہ مصنفین درسِ نظامی — اختر راہی — لاہور، ۱۹۷۵ء

جدید شعرائے اردو — ڈاکٹر عبدالوحید — لاہور، ۱۹۶۹ء

اردو انسائیکلوپیڈیا — مرتبہ فیروز سنز — لاہور، ۱۹۶۲ء

شاہکار انسائیکلوپیڈیا — مرتبہ: عطش درانی — لاہور، ۱۹۶۶ء

قاموس المشاہیر — نظامی بدایونی — بدایوں، ۱۹۲۶ء

اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ، جلد اوّل — پنجاب یونیورسٹی — لاہور

- Thoughts and Reflections of Iqbal
by S.A. Vahid Lahore 1973

Letters and Writings of Iqbal
: edited by B.A. Dar Karachi : 1967

Iqbal - The Great Poet Of Islam
Edited by : M. Hanif Shahid
Lahore : 1975

Iqbal : The Poet of Tomorrow
Edited by: Khawaja Abdur Rahim
Lahore : n.d.

- Who's who in India, Burma and Ceylon
by Thos Peters Bombay 1939

اخبارات و رسائل

"اقبال" لاہور — اپریل ۱۹۵۴ء - اپریل ۱۹۵۶ء - اکتوبر ۱۹۵۷ء -
اپریل ۱۹۶۲ء - اکتوبر ۱۹۷۱ء

"اقبال ریویو" کراچی — اپریل ۱۹۶۸ء اکتوبر ۱۹۶۹ء - جنوری ۱۹۷۰ء جولائی ۱۹۷۴ء

"ادبی دنیا" لاہور	اقبال نمبر، ۱۹۶۷ء
"ادبی دنیا" لاہور	اپریل مئی ۱۹۷۰ء
"نیرنگ خیال" راولپنڈی	تاثیر نمبر، ۱۹۷۰ء
"اردو نامہ" کراچی	جون، ۱۹۶۶ء
"اردو" کراچی	شمارہ ۳، ۱۹۶۹ء
"تخلیق" لاہور	شمارہ ۳ ۱۹۶۷ء
"صحیفہ" لاہور	جنوری ۱۹۷۱ء
"صحیفہ" لاہور	اقبال نمبر، حصہ اول ۱۹۷۳ء
"صحیفہ" لاہور	غالب نمبر حصہ پنجم، اپریل، ۱۹۷۳ء
"نقوش"	خطوط نمبر، حصہ اول
"نگار" رام پور	اپریل ۱۹۶۳ء
"ضیاء بار" مجلہ گورنمنٹ کالج، سرگودھا	اقبال نمبر ۱۹۷۳ء
"نوید صبح" مجلہ گورنمنٹ کالج، سرگودھا	اقبال نمبر ۱۹۵۲ء
"ضیائے حرم" لاہور	اپریل ۱۹۷۵ء
"مخزن" لاہور	نومبر ۱۹۰۴ء - اپریل ۱۹۵۱ء
"ماہ نو" کراچی	اقبال نمبر، ۱۹۷۰ء
"ندیم" گیا	بہار نمبر، ۱۹۴۰ء
"فاران" مجلہ اسلامیہ کالج لاہور	یادگار نمبر، مارچ ۷۵ء
"کردار نو" منٹگمری	اپریل مئی ۱۹۶۳ء
پندرہ روزہ "نیا پیام" لاہور	یکم دسمبر ۱۹۴۸ء
ہفت روزہ "آزاد کشمیر" مظفر آباد	۲۲ اپریل ۱۹۵۵ء

امروز، لاہور — اقبال نمبر، ۲۲ اپریل ۱۹۴۹ء

روزنامہ "انقلاب" لاہور — ۱۵ مئی ۱۹۲۷ء - ۳۱ مئی ۱۹۲۷ء - ۱۱ جولائی ۱۹۲۸ء

۲۰ فروری ۱۹۲۹ء - ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۱ء - ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۲ء

روزنامہ "جنگ" کراچی — اقبال ایڈیشن اپریل ۱۹۷۳ء

روزنامہ "انجام" کراچی — ——

Islamic Education (Bi-Monthly)
Lahore - Jan. Feb. 1975

مکاتیب (بنام رفیع الدین ہاشمی)

مکتوب ڈاکٹر غلام جیلانی برق — ۸ مارچ ۱۹۷۴ء

" پروفیسر احمد اعجاز پیرزادہ — ۱۲ اگست ۱۹۷۴ء

" سردار محمد سعد اللہ خان — ۵ اپریل ۱۹۷۵ء

" سردار کریم نواز خان — ۱۹ اپریل ۱۹۷۵ء

" محمد عبداللہ قریشی — ۹ دسمبر ۱۹۷۵ء

" ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال — ۱۲ دسمبر ۱۹۷۵ء

" یوسف سلیم چشتی — ۲۴ دسمبر ۱۹۷۵ء

" پروفیسر احمد اعجاز پیرزادہ — ۱۰ اپریل ۱۹۷۶ء

(٦)

اشاریہ

اس اشاریے کی تیاری میں برادرم
صادق عارف صاحب نے میری
معاونت کی، جس کے لئے اُن کا
ممنون ہوں۔

(مرتب)

اشخاص

آنحضور، محمد صلی اللہ علیہ وسلم: ۹۰، ۹۱، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۲۶، ۱۵۶، ۱۶۶، ۱۹۷، ۲۶۲، ۲۷۸، ۲۸۶، ۳۰۷۔

آسی، پروفیسر: ۲۱۱، ۲۲۶

آلِ احمد سرور: ۵۵

ابنِ تیمیہ: ۶۳،

ابنِ رشد: ۱۶۴

ابنِ عربی، محی الدین: ۵۴، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸

ابوبکر صدیقؓ: ۱۱۷

ابوالاعلیٰ مودودی: دیکھئے: مودودی، ابوالاعلیٰ

ابوالکلام آزاد: ۱۶۷

احسان رشید ڈاکٹر: ۲۸۲

احسن الدین خاموش: ۱۱۳

احمد بن حنبلؒ امام: ۶۳۔

احمد اعجاز پیرزادہ، پروفیسر: ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۴۲

احمد بخش ڈاکٹر، خان بہادر: ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷

احمد الدین، خواجہ: ۱۷۴

احمد، سردار ایم پی: ۳۷، ۴۳

احمد سعید خان چھتاری، ح نظ سر: ۲۰۹

احمد سعید، مولانا: ۲۶۶

احمد یار دولتانہ، نواب: ۱۸۹، ۱۹۰

اختر الٰہی: ۲۵۱، ۳۴۰، ۲۶

اختر شیرانی: ۳۸

اراکین انجمن کشمیری مسلمانان: ۱۰، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۳۱۲

ارسطو: ۳۰۵

اسعد گیلانی، سید: ۳۴۱، ۲۶

اسماعیل پاشا، خدیو مصر: ۲۰۸

اشوک راجہ: ۶۷

اعجاز احمد شیخ: ۱۰، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۲ تا ۱۴۵، ۲۰۴، ۲۶۲، ۳۲۰، ۳۲۵

افتخار احمد صدیقی ڈاکٹر: ۳۴۶

افضل حق قریشی: ۲۶، ۱۴۷، ۱۶۷، ۳۱۵، ۳۱۸، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۸ تا ۳۴۳

اقبال عظیم: ۳۱۳

اکبر الٰہ آبادی: ۴۹، ۵۳، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲

اکبر (بادشاہ): ۷۹، ۱۱۶

اکبر حبیبی قریشی، ڈاکٹر: ۳۲۳

اکبر حیدری، سر: ۱۴، ۵۲، ۹۲، ۱۸۱، ۲۷۵ تا ۲۷۸، ۲۹۶، ۳۴۱

اکبر شاہ خاں نجیب آبادی: ۲۱، ۵۵

اکبر علی خان: ۳۲۸، ۳۳۷

اکرام الحق سلیم، شیخ: ۱۰، ۱۷۸، ۳۲۵

اللہ نواز خاں، سردار: ۱۹۵

الیاس برنی، پروفیسر: ۲۶۳

امان اللہ، شیخ : ۱۶۰

امبیدکر، ڈاکٹر، ۲۱۹

امداد امام اثر، نواب : ۲۰۹

امیر : ۴۴

امیر خسرو : ۷۷

امیر الدین، شیخ : ۲۶۲

امین الحسینی، مفتی : ۲۰۳، ۲۰۵

انشاء اللہ خان، مولانا : ۹، ۷۵، ۷۶، ۹۳، ۳۱۱

انصاری، ڈاکٹر : ۲۴۲، ۲۴۴

انعام اللہ شاہ، سید : ۱۲۵، ۱۲۶

انور سدید : ۲۶

انور شاہ کاشمیری، مولانا : ۵۳

انیس احمد اعظمی : ۲۶، ۳۲۹

انیس شاہ جیلانی : ۲۹۷

ایڈیٹر انقلاب : ۱۲، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۱، ۲۲۲، ۲۲۷

ایڈیٹر پیشوا : ۱۲، ۱۹۷، ۳۲۹

ایڈیٹر پیغام صلح : ۱۰، ۱۲۴، ۳۱۷

ایڈیٹر زمیندار : ۱۱، ۲۲۹، ۱۵۳ تا ۱۵۵، ۱۵۸، ۳۲۲

ایڈیٹر سہیل الرشاد : ۱۵۱

ایڈیٹر نیرنگ خیال، دیکھئے : مدیر نیرنگ خیال

باربروسہ، امیر البحر خیر الدین : ۹۵

باقی باللہ، خواجہ : ۱۱۶

برق، ڈاکٹر غلام جیلانی : ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۶

برگلے، جارج : ۲۲۶

برگساں : ۲۲۶، ۲۷۰

بشیر احمد ڈار : ۲۰، ۳۰، ۳۷، ۴۱، ۱۱۴، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۳، ۳۴۶

بشیر احمد، سید : ۱۲۵

بشیر احمد میاں : ۱۴، ۱۳۰، ۲۷۲، ۲۷۳، ۳۴۰

بشیر حسین کرنل (ریٹائرڈ) : ۱۳۶

بشیر کمال : ۱۵۱

بوتراب : ۳۰۶

بہرام خاں مزاری، سر : ۱۹۵

بیگم راس مسعود : ۲۶۱، ۲۶۳، ۲۸۰ تا ۲۸۲

بیگم شاہ نواز : ۱۳۰

بیگم صاحبہ (؟) : ۱۲، ۱۹۳، ۳۲۹

بیگم عنایت اللہ : ۱۸۶

پطرس : ۱۸۲

تاثیر، ڈاکٹر محمد دین : ۵۴، ۱۷۰

تاج، امتیاز علی : ۱۸۲

تبسم، صوفی غلام مصطفیٰ : ۱۱، ۱۷۴، ۱۷۵، ۳۲۵

تسلیم سلیم چھتاری : ۲۰۹

تصدق حسین تاج : ۳۷

تفتہ، مرزا ہرگوپال تفتہ : ۱۲۰

تمکین حسین، قاضی : ۱۳، ۲۱۶، ۲۳۵ تا ۲۳۸

تھامس ایڈورڈ : ۲۲۴

ٹالسٹائی : ۸۹، ۹۱

ٹیپو سلطان : ۳۶

ٹینی سن : ۶۹

ثروت صولت : ۱۵۲

جامی، مولانا عبدالرحمن نورالدین : ۱۲۱

جاوید اقبال، ڈاکٹر جسٹس : ۱۳، ۳۱، ۱۷۶، ۲۰۲، ۲۱۲، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۳۳، ۲۳۹، ۲۶

جعفری، سید محمد سعید الدین: دیکھئے محمد سعید الدین جعفری سید

جگن ناتھ آزاد: ۱۰۴

جلال الدین مرزا: ۱۴۱

جلیل احمد: ۱۵۲

جلیل قدوائی: ۳۴۸

جنرل سیکرٹری انجمن کشمیری مسلمانان: ۱۰۶

جوش ملیح آبادی: ۱۸۳

جوہر، محمد علی: ۱۱۳، ۱۳۱، ۲۳۶

چراغ دین، خان بہادر: ۱۸۸

چشتی، یوسف سلیم: ۲۱۳، ۳۱۴، ۳۴۷

چھجو رام وکیل، پنڈت: ۶۹

حافظ شیرازی، خواجہ محمد شمس الدین: ۱۱۵، ۱۲۷

حالی، مولانا: ۶۸ تا ۷۰، ۱۱۰، ۲۰۵، ۲۲۰، ۲۳۹

حامد جلالی، السید: ۳۴۷

حبیب احمد آفندی، الشیخ: ۲۶۵

حبیب النساء، ڈاکٹر بیگم: ۱۴۱، ۳۴۱

حریری: ۹۶

حسرت موہانی: ۱۱۰

حسن اختر، راجہ: ۲۳۹

حسن الدین، میر: دیکھئے: میر حسن الدین

حسن نظامی، خواجہ: ۱۰، ۳۲، ۵۵، ۷۹، ۷۷، ۱۱۱،
۱۱۲، ۱۱۹، ۱۲۰، ۳۰۱، ۳۱۳ تا ۳۱۵

حسین احمد مدنی، مولانا: ۵۲

حسین، امام: ۱۳۷

حفیظ جالندھری: ۲۳۱

حفیظ ہوشیارپوری، عبدالحفیظ سلیم: ۱۴، ۱۵، ۲۶۹
تا ۲۷۱، ۳۳۹

حکیم نابینا: ۲۴۱

حمید احمد خاں، ڈاکٹر، پروفیسر: ۱۰۲ تا ۱۰۵، ۳۲۶،
۳۴۷،

حمید اللہ خاں، نواب بھوپال: ۲۳۱، ۲۳۹، ۲۴۰،
۲۴۲، ۲۶۱،

حیدر: ۳۰۷

خاقانی: ۲۴

خالد نظیر صوفی: ۳۴۷

خان بہادر، ڈاکٹر: دیکھئے: احمد بخش ڈاکٹر خان بہادر

خان محمد نیاز الدین خاں: ۳۲، ۳۷، ۵۷

خضر، خواجہ: ۸۸

خورشید رضوی، پروفیسر: ۲۶، ۲۸۶، ۲۸۷

دادا بھائی، نوروجی: ۸۵

داراشکوہ: ۷۸، ۷۹

دھنپت رام وکیل، لالہ: ۸۶

دین محمد، جسٹس شیخ: ۱۱، ۳۲۲

دین محمد خان بہادر ملک: ۱۵۸

ڈائریکٹر، بھدم: ۱۳، ۲۱۸، ۳۳۲

راجہ صاحب محمود آباد: ۱۵۰، ۲۹۶

رازی امام: ۱۶۵

راس مسعود، نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سر: ۱۴،
۲۳۶، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۱، ۲۴۴، ۲۴۷،
۲۶۱ تا ۲۶۳، ۲۸۰ تا ۲۸۲

راشد الخیری: ۲۵۲، ۲۵۳

رام پرشاد منشی: ۱۱، ۱۷۹، ۳۲۵

رادن: ۵۶

رب نواز خان، سردار محمد: دیکھئے: محمد رب نواز خاں سردار

رحمان : ۲۱۲
رحمان، ڈاکٹر: ۲۴۵، ۲۴۷
رحمان، جسٹس ایس اے: ۳۳، ۳۹
رحمان لطیف : ۳۱۲
رحیم بخش شاہین، پروفیسر: ۲۶، ۱۲۲، ۱۴۰، ۳۱۳، ۳۱۶، ۳۱۸ تا ۳۲۰، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۶
رحیم بخش، شیخ : ۱۶۰
رحمت اللہ شاہ، سید: ۱۱، ۳۲۱
رسول بخش، خان بہادر: ۱۴۸
رشید احمد سردار: ۳۱۳، ۳۱۶
رشید احمد صدیقی: ۲۸۳
رشید احمد گنگوہی، مولانا: ۱۱۱
رفیع الدین ہاشمی: ۴۳، ۹، ۱۷، ۱۸، ۲۶، ۱۹۶، ۲۹۱، ۳۱۴، ۳۱۵
رفیق غزنوی: ۲۳۲، ۲۳۳
رنجیت سنگھ، راجہ: ۲۳۱،
رومی، جلال الدین: ۱۶۴، ۲۳۸،
ریاض الحسن ڈاکٹر: ۱۳، ۲۲۷، ۲۳۳
ریڈنگ، لارڈ: ۱۶
زمخشری، جاراللہ: ۱۶۴
زور، ڈاکٹر محی الدین قادری: ۲۰، ۳۴، ۳۴۶
سالک، عبدالمجید: ۲۱۲، ۳۴۸
سائمن، سر جان: ۱۸۹
سجاد حسین، خواجہ: ۱۳، ۲۳۸ تا ۲۴۰
سجاد نقوی، پروفیسر: ۲۶
سمعانی نجفی، ابوسعید: ۹۱
سدھار تھ، راجہ: ۹۷،
سراج الدین پال: ۱۱۶،
سراج الدین، منشی: ۹۴، ۱۶۳
سراج نظامی: ۱۱، ۱۸۰، ۳۲۶
سرسوتی: ۱۹۱
سرمد: ۳۰۷
سری رام آنجہانی: ۱۲۰
سری کرشن : ۱۹۱
سعید احمد مارہروی، مولانا: ۱۱۳،
سعید پاشا، محمد: ۹۷،
سعید محمد خان، میجر: ۳۶،
سعید نفیسی : ۱۴۱،
سکندر حیات خان، سر: ۱۸۹
سکندر علی وجد: ۱۴، ۲۷۳، ۲۳۴، ۳۴۰
سلطان محمد فاتح : ۱۵۲،
سلیمان اول (اعظم) ۹۵،
سلیمان، ڈاکٹر: ۲۰۶،
سلیمان پھلواری، سید: ۵۴
سلیمان ندوی، سید: ۵۳، ۵۴، ۱۱۶، ۱۶۷، ۱۴۸، ۲۵۱، ۲۶۱، ۲۹۶
سمتھ، مسٹر: ۱۱، ۱۷۳، ۳۲۴
سہروردی، جسٹس: ۲۱۰
سہروردی، حسین شہید: ۲۱۰
سہیل بخاری، ڈاکٹر: ۲۶
سید احمد خان، سر: ۱۳۰، ۲۶۱، ۲۸۱
سید عبداللہ، ڈاکٹر: دیکھیے: عبداللہ، ڈاکٹر سید
سید محمود: ۲۶۱، ۲۸۱
سیکرٹری انجمن حمایت اسلام: ۱۲، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۳۰

سیشن سکیرٹری لفٹننٹ گورنر صوبہ پنجاب : ۱۰۷

شاد عظیم آبادی، خان بہادر علی محمد : ۱۱، ۷۰، ۱۰۰، ۱۶۶، ۳۲۴

شاد، مہاراجہ سرکشن پرشاد : ۲۵، ۳۴، ۵۵، ۲۷۵

شاطر مدراسی : ۹، ۶۷، ۳۱۱

شاہ اسعد الرحمٰن قدسی : ۱۱، ۱۴۵، ۱۴۶، ۳۲۰

شاہ جہاں : ۷۹، ۱۱۶

شاہد احمد دہلوی : ۳۴۷

شاہنواز، ڈاکٹر : ۱۳۱

شاہ نواز میاں محمد : دیکھئے محمد شاہ نواز میاں

شاہ ولی اللہ : ۱۶۳، ۱۲۴

شبلی، مولانا : ۵۳، ۷۰، ۹۱، ۱۱۰

شبیر حیدر، سید : ۲۱۲

شجاع الدین، ڈاکٹر خلیفہ : ۱۲، ۱۴۷، ۱۸۴، ۳۲۶

شرر : ۱۱۰، ۱۱۲

شعیب قریشی : ۲۳۶

شفق عمادپوری، مولانا سید حسن مرتضیٰ : ۱۱۳

شمس الدین حسن : ۱۵۳

شمس الدین قریشی، میجر : ۱۴، ۲۶۲، ۲۶۵

شو نہار : ۲۷۱، ۲۷۰، ۳۰۸

شورش کاشمیری : ۳۳۷، ۳۴۷

شوکت حسین، سید : ۱۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۵، ۳۱۸

شوکت علی، مولانا : ۲۱۸، ۲۱۵

شیر محمد، مولانا : ۷۱

شیروانی، نواب صدر یار جنگ بہادر ڈاکٹر محمد حبیب الرحمٰن خان : ۳۵، ۵۴، ۷۳، ۷۴

صادق عارف : ۲۵۲

صادق علی دلاوری : ۳۴۶

صادق الخیری : ۲۵۲، ۳۳۶

صغریٰ بیگم، ہمایوں مرزا : ۳۶

صلاح الدین سلجوقی، سردار : ۲۰۴

صلاح الدین شیخ : ۲۶۵

صہبا لکھنوی : ۲۴۲، ۳۴۷

ضیاء الدین احمد برنی : ۴۰، ۲۰۵

ضیاء الاسلام : ۲۵۴

طارق اعظم، (فاتح اندلس) ۳۰۵

طالع محمد، ماسٹر : ۳۷، ۴۳

طاہر الدین، مفتی : ۱۲، ۳۱، ۳۰۲ تا ۲۰۴، ۲۱۱، ۳۳۱

طاہر فاروقی، پروفیسر محمد : ۱۳، ۲۳۳، ۲۳۴، ۳۳۹، ۳۴۷

طلعت یزدی، مرزا : ۲۰۴

ظفر احمد صدیقی : ۴۱

ظفر اسلام خان، سردار : ۲۰۶

ظفر علی خان، مولانا : ۷۵، ۱۱۱

ظفر الحسن، ڈاکٹر : ۲۹۱

ظفر یاب علی، الحکیم : ۴۲

عابد رضا بیدار، ڈاکٹر : ۴۱

عابد علی عابد : ۱۱۶

عابد نظامی : ۲۶، ۳۱۸، ۳۱۹

عباد اللہ فاروقی : ۳۴۷

عبد الرحمٰن چغتائی : ۱۷۰

عبد الرحمٰن سعید : ۳۵

عبد الرحمٰن کاشغری ندوی : ۲۵۱

عبد الرحیم مولانا : ۱۶۴

عبدالرشید جسٹس : ۲۸۲
عبدالرشید، لفٹننٹ کرنل ڈاکٹر: ۳۴۰
عبدالشکور، حکیم سید: ۲۵۰
عبدالباسط، ڈاکٹر: ۱۳، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۱ تا ۲۴۷
عبدالحق، بابائے اردو، مولوی: ۵۵
عبدالحمید ثانی، سلطان: ۸۲، ۸۳،
عبدالحمید سدھی، شیخ: ۲۱۸،
عبدالعزیز خالد: ۴۰
عبدالعزیز، میاں: ۱۵۸،
عبدالغنی، خواجہ: ۲۰۲، ۲۶۲
عبدالقادر جیلانی، شیخ: ۱۴۷،
عبدالقادر، شیخ، سر: ۶۷، ۱۷۱، ۱۹۴
عبدالقدوس ہاشمی، مولانا: ۲۶
عبدالمالک خاں: ۳۴۷
عبدالمجید خاں، پروفیسر: ۲۶
عبدالمجید عتیقی، حکیم: ۱۴۷
عبدالواحد، ڈاکٹر: ۱۶۳
عبدالواحد معینی، سید: ۴۵، ۷۶، ۱۴۱، ۳۱۲، ۳۴۶، ۳۴۷
عبدالوحید خاں: ۱۳، ۱۴۱، ۲۵۳، ۲۵۴، ۳۳۶
عبدالوحید، ڈاکٹر: ۳۴۸
عبداللہ ڈاکٹر، سید: ۹، ۱۸، ۲۶، ۶۲
عبداللہ چغتائی، ڈاکٹر محمد: دیکھئے محمد عبداللہ چغتائی
عبداللہ، شیخ: ۲۵
عبداللہ، صوفی: ۱۲۷، ۱۲۸
عبداللہ قریشی، محمد: دیکھئے محمد عبداللہ قریشی

عبداللہ، محمد
عبداللہ ہارون، سیٹھ: ۲۹۶
عبداللہ یوسف علی: ۱۸۱
عرشی امرتسری، محمد حسین: ۳۲۵
عرفان، مولانا: ۲۱۴
عزیز جاوید، سردار: ۲۰۶
عزیز حسن بقائی: ۱۹۷
عزیز لکھنوی: ۱۳۵
عشرت رحمانی: ۱۴۱
عطا محمد شیخ: ۱۱، ۴۰، ۴۳، ۷۳، ۷۷، ۷۸، ۱۷۶، ۳۲۵، ۳۴۶
عطاء اللہ خاں، سردار: ۱۹۵
عطاء اللہ شیخ: ۲۰، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷، ۴۴، ۱۳۴، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۲
عطش درانی: ۳۴۸
عطیہ بیگم فیضی: ۲۸، ۳۱، ۳۲، ۳۵، ۳۹، ۵۰، ۶۱، ۲۰۵
عظیم اللہ شیخ: ۱۲، ۱۷، ۱۸۹، ۲۰۱، ۳۳۰
عقیلہ شاہ، سیدہ: ۳۲۱
علی امام، سر سید: ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰،
علی بخش: ۲۰۵، ۲۴۴، ۲۴۸، ۲۶۳،
علی تہار تارلان: ۱۵۲
عمر خیام: ۹۱،
عمر فاروق: ۳۰۷
عنایت اللہ شیخ: ۱۴، ۱۶۰، ۲۵۹، ۳۳۸
غالب، مرزا: ۳۰، ۴۵، ۶۴، ۷۷، ۷۸، ۱۲۰، ۳۰۱، ۳۰۲

غزالی: ۱۲۴

غلام جیلانی اصغر، پرنسپل: ۲۶

غلام حسن کامریڈ: ۱۵۳،

غلام سرور مغل: ۱۸۸

غلام شبیر بخاری، علامہ سید: ۱۳، ۲۳۰/۲۳۳

غلام محمد، شیخ: ۳۶۹

غلام مرتضیٰ شاکر ترک، پروفیسر: ۲۶

فاروقہ ہرسن، مس: ۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۶/۲۳۱

فانی چشتی صابری، محمد عبدالقوی: ۱۲، ۲۱۳، ۲۳۱

فاروق (حضرت عمر): ۳۰۷، ۱۱۷

فخر یار جنگ، نواب: ۳۱

فرانسس ینگ ہزبینڈ: ۲۰۳

فرخ درانی: ۱۹۵

فردوسی: ۲۳۴

فرڈی نندڈے سیس: ۱۹۷،

فرید گنج شکر، بابا: ۷۷

فصیح اللہ کاظمی، سید: ۱۰، ۱۲۷، ۳۱۷

فضل حسین، خلیفہ: ۲۹۴، ۳۳۸

فضل حسین، سر: ۱۴، ۱۹۶

فضل شاہ گیلانی (جیلانی)، ۱۴، ۱۴۸، ۲۶۴، ۳۳۹

فضل کریم: ۱۴، ۲۹۱، ۲۹۲، ۳۴۲

فضل محمد، منشی: ۱۶۰

فقیر سید افتخار الدین: ۱۹۸

فقیر سید سراج الدین: ۱۹۸، ۳۲۹

فقیر سید عزیز الدین: ۲۳۱

فقیر سید نجم الدین: ۲۳۱

فقیر سید وحید الدین: ۱۳، ۷۵، ۱۳۶، ۲۳۱ تا ۲۳۳، ۳۴۷

فقیر محمد چشتی نظامی، حکیم: ۱۹۲

فکری ایرانی، آغا: ۲۰۶

فوق، منشی محمد دین: ۴۳، ۹۳،

قائد اعظم محمد علی جناح: ۳۵، ۱۵۹، ۲۱۹، ۲۹۶

قدسی، شاہ اسد الرحمٰن، دیکھیے، شاہ اسد الرحمٰن قدسی

قیصر: ۳۰۷

کارلائل، تھامس: ۸۰

کتانی پرنس: ۲۹۲

کچلو، ڈاکٹر سیف الدین: ۱۵۸

کچنر: ۱۰۷، ۱۰۸

کریم نواز خان، سردار: ۱۹۶، ۱۹۵،

کسریٰ: ۳۰۷

کلیم: ۳۰۵

کمال بے: ۸۴،

گاندھی، مہاتما: ۲۱۹

گرامی، مولانا: ۳۱، ۴۳، ۵۵، ۵۶، ۶۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۲۰۳، ۲۶۹، ۲۷۵

گلاب دین، شیخ: ۲۰۱

گل حسن شاہ: ۱۴۶

گوتم بدھ، مہاتما: ۹۷

لالہ لاجپت رائے: ۱۹۱

لطفی بے: ۲۰۶،

لطیف احمد شروانی: ۳۴۶

لمعہ حیدرآبادی، ڈاکٹر عباس علی خان: ۵۴،

لوتھین، لارڈ: ۲۲۳، ۲۲۴، ۳۳۳

لیڈی مسعود: دیکھیے بیگم راس مسعود

لیوی، پروفیسر: ۲۲۹

مارکس، کارل: ۱۵۳، ۱۵۴

مازنی: ۱۰۲

مبارک شاہ جیلانی، سید: ۱۴۱، ۲۹۷، ۳۴۳

مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی: ۱۱۶

محرم علی چشتی، مولوی: ۱۵۸

محروم، تلوک چند: ۹، ۱۵، ۱۰۴، ۳۰۳، ۳۱۲

محمد احمد خان، حاجی: ۳۳

محمد احمد سوڈانی: ۱۰۷

محمد اسد اللہ خان سردار: ۲۰۶

محمد اسلم جیراجپوری: ۳۴۷

محمد اعظم شاہ خواجہ: ۱۷۷

محمد اکبر منیر: ۳۷

محمد اکرام، ڈاکٹر شیخ: ۷۹،

محمد اکرام، شیخ: ۷۹،

محمد امین (نومسلم): ۱۴۷

محمد باقر، ڈاکٹر: ۳۲۵

محمد تقی سید: ۷۶، ۳۱۱

محمد حامد علی: ۳۳۴

محمد حسین، چودھری: ۱۹۷، ۲۰۲، ۲۱۲،
۲۳۹، ۲۶۲

محمد حسین، ڈاکٹر: ۱۱، ۱۳۶، ۱۳۷، ۳۱۹

محمد حسین ملک: ۱۵۰، ۱۸۸

محمد حمزہ فاروقی: ۳۴۷

محمد حنیف شاہد: ۲۶، ۳۳۰، ۳۳۳، ۳۴۱

محمد دین، خان بہادر ملک: ۱۵۸،

محمد رب نواز خان، سردار: ۱۲، ۱۹۵، ۱۹۶،
۳۲۹، ۲۶

محمد رفیق افضل: ۳۲۳، ۳۴۶

محمد سعد اللہ خان، سردار: ۱۹۵

محمد سعید الدین جعفری: ۱۱، ۳۲۳

محمد سعید، مرزا: ۱۲، ۱۸۲، ۱۸۱، ۳۲۶

محمد سلیم اللہ نواب سر: ۱۰۲، ۱۰۶ تا ۱۰۸

محمد شاہ، سید: ۷۱،

محمد شاہنواز، میاں: ۱۰، ۱۳۰، ۳۱۷، ۲۷۳

محمد شفیع، سر: ۱۳۰، ۱۸۱، ۲۷۲

محمد شفیع، مولوی ڈاکٹر: ۲۴۸

محمد شفیع، میاں: ۳۱

محمد عاکف: ۱۵۱،

محمد عبد اللہ چغتائی، ڈاکٹر: ۳۰، ۳۱، ۴۴، ۵۵،
۱۹۷

محمد عبد اللہ قریشی: ۲۰، ۲۵، ۳۴، ۴۳، ۴۵، ۵۱،
۱۶۳، ۱۰۶، ۱۱۳، ۲۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵،
۳۱۷،

محمد عبد الغنی، پروفیسر: ۱۲، ۱۹۲، ۳۲۸

محمد علی پاشا: ۹۷

محمد علی جوہر دیکھئے: جوہر، محمد علی

محمد مصطفٰے المراغی، علامہ: ۱۴، ۲۴، ۲۸۷، ۳۴۲

محمد نعمان: ۱۴، ۲۶۰،

محمود الٰہی، ڈاکٹر: ۳۳۴

محمود شیرانی، پروفیسر: ۳۸، ۲۴

محمود غزنوی: ۱۱۵،

مختار الدین آرزو، ڈاکٹر: ۲۶۸، ۳۳۹،

مدن موہن مالوی، پنڈت: ۲۱۹

مدیر سیاست: ۱۹۰

مدیر نیرنگ خیال: ۱۱۱، ۱۷۰، ۱۸۹، ۳۲۳

مدیر پیغام صلح، دیکھئے ایڈیٹر پیغام صلح

مرزا صاحب (غلام احمد قادیانی): ۱۲۶

مریم، حضرت: ۱۰۲

مسعود عالم ندوی، مولانا: ۱۳، ۲۵۰، ۳۳۵،

مسعود علی ندوی، مولوی: ۱۳۵

میسولینی: ۲۲۷

مشتاق احمد خان، نواب: ۳۱

مشتاق صاحب: ۱۴۲

مشیر حسین قدوائی، شیخ ۲۰۱

مظفر الدین، ڈاکٹر پروفیسر: ۶۱

مظفر علی، ڈاکٹر: ۲۴۴ تا ۲۴۷

معین الدین اجمیری، خواجہ: ۱۱۲

معین الرحمٰن، ڈاکٹر سید: ۲۶

مقبول حسین قریشی، کرنل: ۲۳۷

ملا واحدی: ۱۰، ۳۱۶،

ممتاز احمد: ۷

ممتاز دولتانہ: ۱۸۹

ممتاز حسن: ۳۰، ۴۳، ۴۴

ممنون حسن خاں: ۲۸۰، ۲۸۱

منصور: ۳۰۷

منظر عباس نقوی، ڈاکٹر: ۴۰

منظر علی: ۱۶۷

منظور حسین، خواجہ: ۱۵، ۲۲۱

منیرہ بیگم (دختر اقبال): ۲۱۲، ۲۴۸

مہاراجہ پٹیالہ: ۱۸۳

مہتمم رسالہ نور جہاں: ۱۸۶، ۳۲۷

مہر علی شاہ گولڑوی، پیر: ۵۳

مہر، غلام رسول: ۴۳، ۹۶، ۲۰۴، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۲۴، ۳۴۶

مودودی، سید ابوالاعلیٰ: ۲۳۵، ۲۵۰، ۲۸۳

میر احمد خاں، سردار: ۱۰، ۱۲۲، ۳۱۶، ۳۱۷

میر حسن الدین: ۳۷، ۴۲، ۲۷۹، ۲۸۰

میر حسن، علامہ سید: ۷

میکش، مرتضیٰ احمد خاں: ۱۴، ۲۹۶، ۳۲۳،

میور، سر ولیم: ۹۱

نادر شاہ: ۲۵۱

نادر حسین، سید: ۱۳۶، ۱۳۷

نادرہ مسعود: ۲۸۲

ناسخ، شیخ امام بخش: ۹۰

نامعلوم: ۱۴۰، ۲۷۱

نطشے: ۲۷۰، ۲۷۱

نذر محمد منشی: ۶، ۳۰۱

نذیر احمد محمود، جسٹس: ۱۴۰

نذیر علی شاہ، بریگیڈیئر: ۲۱۹، ۳۳۲

نذیر نیازی، سید: ۲۰، ۳۱، ۴۰، ۵۴، ۹۱، ۲۳۴، ۲۳۹، ۲۴۲، ۲۹۴، ۳۴۶، ۶۶

نریندر ناتھ، راجہ: ۲۰۹

نظام دکن: ۵۲، ۲۰۸

نظام الدین اولیاء، خواجہ: ۷۷، ۱۱۱، ۳۰۱

نظام بدایونی: ۳۴۸

نظر حیدر آبادی: ۳۴۷

نعیم آرزو: ۹۲

نعیم آسی: ۳۳۷، ۳۴۷

نواب بہاولپور، امیر صادق خان پنجم عباسی: ۱۳۷، ۲۱۶، ۲۳۶، ۲۶۷

نواب چھتاری: دیکھیے: احمد سعید خاں چھتاری

نواب علی، پروفیسر سید: ۱۱۳،

نورالدین، حضرت: ۱۷۷

نور محمد شیخ: ۱۰، ۱۳۸، ۱۴۳، ۴۴، ۳۲۰،

نہرو، پنڈت جواہر لال: ۱۴، ۲۱، ۱۲۴، ۲۵۲، ۲۵۶، ۳۳۶

نیاز علی خاں، چودھری: ۲۸۳، ۳۴۱

نیرنگ، امیر غلام بھیک: ۷۴، ۷۸، ۷۹، ۱۱۱، ۳۰۱، ۳۰۲

والدۂ جاوید: ۶۱، ۲۴۱

وجد، سکندر علی: دیکھیے، سکندر علی وجد

وحشت کلکتوی، خان بہادر سید رضا علی: ۱۱۰، ۳۱۳،

وحید احمد: ۱۴

وحید قریشی، ڈاکٹر: ۱۲۲، ۱۵۹، ۱۶۰، ۳۱۶، ۳۲۲، ۲۶

وزیر آغا، ڈاکٹر: ۲۶

وقار عظیم، سید: ۳۴۷

ولایت (قوال): ۳۰۱

ولی دکنی: ۲۷۱، ۲۷۲

ولیم روتھنسٹین، سر: ۲۲۶

ہاشمی فرید آبادی، سید: ۱۳، ۲۴۸، ۲۴۹، ۳۳۴،

ہٹلر: ۲۲۷

ہدایت حسین، حافظ: ۲۰۹

ہمایوں، جسٹس شاہ دین: ۱۳۰، ۱۳۱، ۲۷۲،

ہمایوں، شہنشاہ نصیر الدین: ۷۸،

یامین ہاشمی، ڈاکٹر سید: ۱۱، ۱۶۸، ۱۶۹، ۳۲۳

یزید: ۱۳۷

یلدرم، سید سجاد حیدر: ۱۱، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۳۲۱

یوسف علی خاں: ۳۲۱

کتب

آزادی کی چھپ : ۲۵۳
آزادیٔ ہند — دوسرا رُخ : ۲۵۳
آفتابِ تازہ : ۲۷۴
آیات اللہ الکاملہ : ۱۶۴
احمدیت، علامہ اقبال کی نظر میں : ۱۷۶، ۳۴۷
احیاء العلوم : ۱۶۴
اعجازِ عشق : ۷۰، ۷۱، ۷۲
ادبیاتِ ایرانِ نو : ۲۳۳
ادبیاتِ مودودی : ۳۴۷
اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ (انسائیکلو پیڈیا آف اسلام)،
۲۴۸، ۳۴۸
اردو نثر نگاری کا فن : ۲۳۳
اردوئے فصیح : ۱۲۷
ارمغانِ حجاز : ۹۲، ۲۷۶، ۲۸۱
ازالۃ الخفا : ۱۶۴
اسرارِ خودی : ۷۹، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۲۱، ۱۲۶ تا ۱۲۹، ۱۳۵
اسرار و رموز : ۱۲۱، ۱۳۸
اسلامی تصوف کی تاریخ : ۵۹
اسلامی فقہ کی تاریخ : ۵۹
اشتراکیت اور اسلام : ۲۵۰
اصنافِ ادب : ۶
اعجازِ عشق : ۳۱۱
اقبال : ۲۸، ۳۱، ۳۹، ۵۰، ۲۰۵
اقبال اور بھوپال : ۱۱۳، ۱۴۶، ۲۴۰، ۲۴۲، ۳۳۴
۳۳۸، ۳۴۷،
اقبال اور حیدرآباد دکن : ۳۴۷
اقبال اور قادیانی : ۲۴، ۳۳۷، ۳۴۷
اقبال اور قادیانیت : ۲۴، ۳۳۷، ۳۴۷
اقبال بحیثیت شاعر : ۶
اقبال، تصویروں میں : ۲۳۲
اقبال درونِ خانہ : ۱۷۶، ۳۴۷
اقبال خواتین کی نظر میں : ۳۶
اقبال کی پیش گوئیاں : ۱۶۸، ۳۲۳
اقبال کی شخصیت اور شاعری : ۳۲۶، ۳۴۷
اقبال کی طویل نظمیں : ۶
اقبال کے آخری دو سال : ۲۱
اقبال کے حضور : ۲۹۶، ۳۴۶
اقبال کے خطوط جناح کے نام : ۲۰، ۲۸، ۳۵
اقبال، معاصرین کی نظر میں : ۳۴۷
اقبال نامہ، حصہ اوّل : ۲۰، ۲۱، ۲۴، ۲۸، ۳۱، ۳۲
۳۵، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۴۹، ۵۰، ۵۱،
۵۳، ۵۴، ۵۸، ۶۳، ۱۶۴، ۲۱۳، ۲۴۴،
۲۵۱، ۲۸۱، ۲۸۴، ۲۹۲، ۳۳۵، ۳۴۱،
۳۴۶،
اقبال نامہ، حصہ دوم : ۲۰، ۲۴، ۲۸، ۳۳ تا ۳۵،
۳۸، ۳۹، ۴۲، ۴۹، ۵۱، ۵۷، ۵۹،
۹۳، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۳۱۳،
۲۸۴، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۳۱، ۳۴۶،
البدور البازغہ : ۱۶۴

الفوز الکبیر : ۱۶۴
الہاماتِ شاد : ۱۷
انجمن : ۲۳۲
انوارِ اقبال : ۲۰، ۲۴، ۲۸، ۳۴، ۵۲، ۵۴، ۵۵، ۵۷،
۵۸، ۱۱۲، ۱۱۴، ۱۳۰، ۱۶۲، ۱۶۸، ۱۹۲،
۱۹۶، ۱۹۷، ۲۱۴، ۲۲۴، ۲۹۲، ۲۹۶
۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۴۶،
اوراقِ گم گشتہ : ۱۱۲، ۱۲۲، ۱۳۲، ۱۳۴، ۱۳۵،
۱۳۸، ۳۱۳، ۳۱۵ تا ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۶
۳۲۹، ۳۳۵، ۳۴۳، ۳۴۷،
بالِ جبریل : ۷۲، ۸۱، ۱۵۶
بانگِ درا : ۷۱، ۷۷، ۸۲، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۳۰، ۲۷۵
بزمِ اقبال : ۲۲۳
بست سالہ عہدِ حکومت سلطان عبدالحمید خاں : ۷۵
پاکستان میں اردو : ۲۲۳
پس چہ باید کرد : ۲۵۵، ۲۶۳
پیامِ مشرق : ۱۵۱، ۲۷۳،
تاریخ ادبِ اردو : ۵۹
تاریخ افکار و سیاست اسلامی : ۲۵۳
تاریخ اقوام عالم : ۲۹۶
تاریخ حجاز ریلوے : ۷۵
تاریخ خاندانِ عثمانیہ : ۷۵
تاریخ صحفِ سماوی : ۱۱۳
تاریخ کشمیرِ اعظمی : ۱۷۷
تاریخ مذاہبِ اسلامی : ۳۴۷
تہافۃ الفلاسفہ : ۱۶۴
تذکرہ : ۱۶۷
تذکرہ مصنفین درسِ نظامی : ۳۴۸
ترجمہ مقدمہ ابنِ خلدون : ۷۵
تشکیلِ جدید الٰہیاتِ اسلامیہ : ۱۱۶، ۱۶۴، ۳۴۶
ترکی کی موجودہ حالت : ۷۵
جاوید نامہ : ۱۵۶
جدوجہد آزادی کا البم : ۱۲۲
جدید شعرائے اردو : ۳۴۸
جذباتِ ہمایوں : ۱۳۰
چند ماہ دیارِ عرب میں : ۲۵۱
حجۃ اللہ البالغہ : ۱۶۴
حرفِ اقبال : ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۸، ۳۴۶
حقیقت النبوّۃ : ۱۲۶
حیاتِ اقبال : ۳۳۸
حیاتِ جامی : ۳۴۷
حیاتِ مستقبلۂ اسلامیہ : ۵۹
خطابِ اقبال : ۱۳۵
خطباتِ احمدیہ : ۹۱
خطوطِ اقبال : ۱۱، ۳۰، ۶، ۲۰، ۲۳، ۲۵، ۲۲۹
خمخانۂ جاوید : ۱۲۰
خوابِ ہستی : ۱۸۲
خیابانِ اقبال : ۲۲۳
دیوانِ طرزی : ۱۴۸، ۱۴۹
دیوانِ وحشت : ۱۱۰
ذکرِ اقبال : ۳۴۶
رامائن : ۵۹
رموزِ بے خودی : ۵۴
روزگارِ فقیر، جلد اوّل : ۷۶، ۱۳۶، ۲۱۱، ۲۳۲،
۳۲۴، ۳۳۱، ۳۳۹، ۳۴۶،

روزگارِ فقیر، جلد دوم: ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۵، ۲۳۲، ۲۶۵، ۳۲۰، ۳۳۹، ۳۴۶

زبورِ عجم: ۱۵۲

سرگذشت: ۳۴۸

سرودِ رفتہ: ۱۱۵، ۱۳۰، ۲۴۰، ۳۴۶

سرور اور فسانۂ عجائب: ۶

سفرنامۂ اقبال: ۲۰۵، ۳۳۱، ۳۴۶

سیرتِ اقبال: ۲۲۳، ۲۲۴، ۳۳۹، ۳۴۶

سیرتِ امیرِ ملت: ۲۲۳

سیرتِ رسول اللہؐ: ۱۱۳

شادِ اقبال: ۴۴، ۳۴۶

شامِ زندگی: ۲۵۲

شانِ غزل: ۲۶۹

شاہکار انسائیکلوپیڈیا: ۳۴۸

شبلی نامہ: ۷۹

شرحِ اسرارِ خودی: ۲۱۳، ۳۴۷

شذراتِ فکرِ اقبال: ۱۰۲، ۳۴۶

صادق نامہ: ۳۳۲، ۳۴۸

صبحِ زندگی: ۲۵۲

ضربِ کلیم: ۲۴۹، ۲۵۴، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۳،

عدلِ جہانگیری: ۳۳۸

عروسِ کربلا: ۲۵۲

علامہ اقبال اور ان کی پہلی بیوی: ۱۲۶، ۳۴۷

غبارِ افق: ۷۸

غبارِ خاطر: ۱۶۷

فتوحاتِ مکیہ: ۵۴، ۱۱۶

فلسفۂ عجم: ۳۷، ۲۰۰

فصوص الحکم: ۵۴، ۵۹، ۱۱۶

فوسٹ: ۱۸۰

قاموس المشاہیر: ۳۴۸

قرآن آسان قاعدہ: ۱۱۹، ۳۱۵

قرآنِ حکیم: ۷۰، ۹۶، ۱۱۴، ۱۱۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۶۷، ۲۲۹

قلب و دماغ کی سرگذشت: ۵۹

قوسِ قزح: ۲۷۳

کتابیاتِ اقبال: ۶

کتبِ اقبالیات: ۶۰

کشاف: ۱۶۴

کلامِ نیرنگ: ۷۸

کلیاتِ اقبال، اردو: ۳۴۶

کلیاتِ اقبال، فارسی: ۳۴۶

گفتارِ اقبال: ۲۱، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۲۰، ۲۲۱، ۳۲۲، ۳۲۶ تا ۳۲۸، ۳۳۱ تا ۳۳۳، ۳۴۲

گلزارِ عشاقی: ۲۱۲

گنجِ معانی: ۱۰۴

لائف آف محمدؐ: ۹۱

لہو ترنگ: ۲۷۴

مثنوی مولانا روم: ۲۳۵

مجمع البحرین: ۷۹

محاربات پلیوتا: ۷۵

محسنِ اعظم و محسنین: ۲۳۲

محمد بن عبدالوہاب : ۲۵۱

محمد عاکف : ۱۵۲

مختصر تاریخ ادب فارسی : ۲۳۳

مختصر تواریخ انجمن حمایت اسلام : ۲۰۰

مراۃ المثنوی : ۲۳۷ ، ۲۳۵

مرقع مسعود : ۳۴۸

مسعود عالم ندوی، سوانح و مکتوبات : ۲۵۱

مشرقی پاکستان میں اردو : ۳۱۳

مظالم آرمینا : ۷۵

مقالات اقبال : ۶۲ ، ۷۶ ، ۸۱ ، ۸۳ ، ۸۴ تا ۸۹ ، ۹۴ ، ۹۵ ، ۹۷ تا ۱۰۰ ، ۱۱۴ ، ۱۱۷ ، ۳۱۲ ، ۳۴۶ ،

مقالات یوم اقبال : ۳۰۸

مقامات حریری : ۹۶

مقدمۃ القرآن : ۵۹

مکاتیب اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان : ۲۰ ، ۲۸ ، ۲۹ ، ۳۳ ، ۳۸ ، ۵۲ ، ۵۳ ، ۵۷ ، ۳۴۶

مکاتیب اقبال بنام گرامی : ۲۰ ، ۲۴ ، ۲۸ ، ۴۳ ، ۵۱ ، ۵۶ ، ۶۳ ، ۱۱۳ ، ۳۴۶

مکاتیب سلیمان : ۲۵۱

مکتوبات اقبال بنام نذیر نیازی : ۲۰ ، ۲۴ ، ۲۸ ، ۶۱ ، ۱۳۶ ، ۱۸۰ ، ۲۴۲ ، ۲۶۴ ، ۳۴۶ ،

ملفوظات اقبال : ۲۰ ، ۳۳۹

موج کوثر : ۷۹

میرے زمانے کی دلی : ۱۲۱

نثر نگاری کا فن : ۲۳۳

نغمۂ الہام : ۱۷۰

نقش اقبال : ۴۵ ، ۳۴۷

نوحۂ زندگی : ۲۵۴

ہفت اورنگ : ۱۲۱

ہندو تیوہاروں کی اصلیت اور ان کی جغرافیائی کیفیت : ۱۷۹ ، ۳۲۵

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک : ۲۵۱

یاسمین : ۱۸۲

اخبارات و رسائل

آرگس: ۱۹۵

آزاد کشمیر، مظفر آباد: ۳۲۹، ۳۴۹

آفاق، لاہور: ۳۷

احسان: ۲۶۴، ۲۶۹، ۳۴۳

ادبی دنیا، اقبال نمبر، ۱۹۶۷ء: ۴۸، ۲۶۹، ۳۱۷، ۳۴۹

اردو (سہ ماہی): ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۴۰، ۳۴۹،

اردو، اقبال نمبر: ۲۳۴

اردو ادب، علی گڑھ: ۳۴۰

اردو نامہ: ۳۴۹

اسلامک ایجوکیشن (دوماہی): ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۴، ۳۲۶، ۳۴۱، ۳۴۲،

الضیاء، لکھنؤ: ۲۵۱

اقبال (سہ ماہی): ۴۷، ۱۰۶، ۲۸۱، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۳، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۱

اقبال ریویو: ۱۱۳، ۲۰۰، ۱۷۷، ۱۷۵، ۲۰۸، ۲۲۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۳۲، ۳۳۵، ۳۳۷، ۳۴۱

البلاغ: ۱۶۷

الفضل، قادیان: ۲۵۵

المؤسی میگزین، مجلہ حیدرآباد سٹی کالج: ۳۵۰

الہلال: ۱۶۷

امروز: ۳۱۱، ۳۴۹

انجام: ۱۹۳، ۳۲۹، ۳۴۹

انقلاب: ۲۱، ۱۵۳، ۱۸۷، ۲۰۴، ۲۹۶، ۳۲۸، ۳۳۱ تا ۳۳۳، ۳۴۲، ۳۴۹

اودھ پنچ: ۱۳۲

بلاغ، امرتسر: ۱۴۷

بندے ماترم، لاہور: ۱۹۱

پاکستان ٹائمز: ۳۱۶، ۳۳۶

پھول: ۲۶۹

پیام امید: ۱۲۸، ۱۲۹

پیغامِ صلح: ۳۱۷

پیشوا (دہلی): ۳۲۹

ترجمان القرآن: ۲۳۵

تخلیق: ۳۲۶، ۳۴۹

توحید، خواجہ نمبر: ۱۱۲، ۱۱۳

تہذیبِ نسواں: ۲۶۹

تیج: ۱۰۴

جنگ: ۳۲۱، ۳۴۹

چٹان: ۳۱۸، ۳۱۹

حریت: ۳۳۶

حمایتِ اسلام: ۳۳۵

خطیب: ۱۱، ۳۰۴، ۳۱۶

درویش: ۱۲۱

راوی، مجلہ گورنمنٹ کالج لاہور: ۱۷۵

ریاست: ۲۶۵

زمانہ، کانپور: ۳۱۵

زمیندار: ۲۱، ۷۵، ۱۱۱، ۱۵۳ تا ۱۵۵، ۱۵۸، ۲۸۱، ۲۹۶، ۳۲۲

ستارۂ صبح: ۱۱۱

سٹیٹسمین: ۲۵۵

سہیل الرشاد: ۱۵۱

سول اینڈ ملٹری گزٹ: ۳۲۲

سیارہ ڈائجسٹ: ۱۸۰

سیاست: ۱۹۰

شہباز: ۲۹۶

شیرازہ: ۲۶۹

صحیفہ، جنوری ۱۹۷۱ء: ۲۴، ۳۲۶، ۳۳۸ تا ۳۴۰، ۳۴۳

صحیفہ، اقبال نمبر ۱۹۷۳ء: ۲۵، ۳۴، ۱۵۹، ۱۶۷، ۱۷۷، ۳۱۶، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۳۴، ۳۳۶، ۳۳۹، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۹

صحیفہ، غالب نمبر پنجم: ۷۹، ۱۶۰، ۲۸۴

ضیا بار، اقبال نمبر، مجلہ گورنمنٹ کالج سرگودھا: ۳۴۰

ضیائے حرم: ۳۱۹، ۳۴۱، ۳۴۹

عصمت: ۳۳۶، ۳۵۲

علی گڑھ کالج میگزین: ۳۶۸

فاران، مجلہ اسلامیہ کالج، لاہور: ۱۸۴، ۳۲۶، ۳۴۹

فکر و نظر: ۱۵۲

قومی زبان: ۳۳۸

کردار نو، منٹگمری: ۳۳۵، ۳۴۹

کریسنٹ، مجلہ انگریزی اسلامیہ کالج لاہور: ۱۶۸

کشمیری گزٹ: ۱۰۶

کشمیری میگزین: ۱۰۷، ۳۱۲

ماڈرن ریویو: ۲۵۲، ۲۵۵

ماہ نو: ۹۳، ۲۰۵، ۳۲۰، ۳۳۹، ۳۴۹

مخزن: ۶۴، ۶۹، ۷۹، ۹۴، ۱۰۴، ۳۰۴، ۳۱۲، ۳۳۵، ۳۴۹،

مدینہ: ۲۵۰

معارف: ۱۶۸، ۲۰۹، ۲۵۱

منادی: ۳۱۵، ۳۱۶

ندیم، گیا (بہار): ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۴۹

نظام المشائخ: ۱۲۱

نقوش، خطوط نمبر: ۳۱، ۳۲۴، ۳۴۱، ۳۴۹

نقوش، مکاتیب نمبر: ۳۴۳

نقیب: ۱۴

نگار، اقبال نمبر: ۳۳۴، ۳۴۹

نوائے پاکستان: ۲۹۶

نوائے وقت: ۳۱۳

نورجہاں، امرتسر: ۱۸۶، ۳۲۷

نوید صبح، مجلہ گورنمنٹ کالج، سرگودھا: ۳۰، ۴۴، ۳۴۹

نیا پیام: ۳۱۷، ۳۴۰، ۳۴۹

نیرنگ خیال، اگست ۱۹۲۴ء: ۱۶۰، ۳۲۳

نیرنگ خیال، تاثیر نمبر: ۸۵، ۳۴۹

وطن: ۷۵، ۷۶، ۹۳، ۳۱۱

وکیل: ۷۵، ۱۱۱، ۱۱۴، ۱۲۸، ۱۶۷، ۳۱۴

ہزار داستان: ۳۱۵

ہمایوں: ۱۳۰، ۲۷۲، ۲۷۳، ۳۱۷، ۳۴۰
ہزار داستان: ۳۱۵
ہمدم: ۲۱۸، ۳۳۲
ینگ انڈیا: ۲۳۶

ادارے، انجمنیں، مطابع، کتب خانے

آکسفورڈ یونیورسٹی پریس: ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۶۱،
۲۷۲،
آگرہ یونیورسٹی: ۲۳۳
آل انڈیا کشمیر کمیٹی: ۲۵۵
آل انڈیا مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن: ۲۹۰
آئینۂ ادب، لاہور: ۴۰
ادارہ اشاعت اردو، حیدرآباد دکن: ۳۵
اردو دائرۂ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور: ۱۸
ارسطالین سوسائٹی: ۲۲۴
اسلامیہ ہائی سکول، شیرانوالہ لاہور: ۱۳۱
اسلامیہ کالج لاہور: ۱۳۱، ۱۴۰، ۱۸۱، ۱۸۴،
۱۸۵، ۲۷۲، ۳۲۶
اسلامیہ مدرسہ بمبئی: ۸۳
اقبال اکیڈیمی، کراچی: ۳۹، ۴۰، ۴۲، ۴۴، ۳۱۶
۳۳۵،
اقبال لائبریری، گورنمنٹ کالج سرگودھا: ۲۹۲
اقوام متحدہ: ۲۲۲
الٰہ آباد یونیورسٹی: ۱۷۷، ۲۲۷
امپیریل ریکارڈ ڈپارٹمنٹ کلکتہ: ۱۱۰
امپیریل لیجیسلیٹو کونسل: ۲۱۹
امریکن ہومیوپیتھک کالج: ۱۴۷
انبالہ مسلم ہائی سکول سرگودھا: ۶
انجمن شباب المسلمین: ۲۶۸
انجمن اردو، پنجاب، لاہور: ۲۶۹
انجمن حمایت اسلام، لاہور: ۱۸۴، ۲۹۹ تا ۲۰۲
۲۳۸، ۲۴۴، ۲۶۵، ۲۸۰، ۲۸۲
انجمن خواتین اسلام، مدراس: ۱۹۷
انجمن کشمیری مسلمانان، لاہور: ۱۰۶، ۱۰۷، ۳۱۲
اندور ہائی کورٹ: ۲۸۲
انڈیا سوسائٹی: ۲۰۳
انڈین پریس الٰہ آباد: ۳۲۸
القرہ یونیورسٹی: ۲۳۳
ایڈورڈز کالج، پشاور: ۱۵۳
ایف سی کالج، لاہور: ۹۴
بڑودہ کالج: ۱۱۳
بزم اقبال، لاہور: ۲۰، ۲۷۹، ۳۴۶
پبلک سروس کمیشن: ۹۴
پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی: ۱۷۳
پنجاب لیجیسلیٹو کونسل (مجلس قانون ساز): ۱۵۸
۱۶۰، ۱۸۴۔

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور: ۶، ۱۸، ۱۰۶
پنجاب یونیورسٹی کیمپ کالج، دہلی: ۱۰۴
پنجاب یونیورسٹی، لاہور: ۱۴۷، ۱۸۱، ۱۸۳،
۱۸۴، ۳۴۸
پٹنہ ہائی سکول: ۲۶۱
تاج کمپنی، لاہور: ۲۵۹، ۲۶۰، ۳۳۸
تہذیب الاخلاق ٹرسٹ، لاہور: ۲۴۸
ٹامس لگ، ۷۹
جامعہ ازہر: ۲۴، ۲۶۴ تا ۲۶۷، ۲۸۴،
۲۸۸،
جامعہ فواد: ۱۵۱
جماعت اسلامی پاکستان: ۲۵۰
جمعیت العلماء: ۱۹۴
جناح لیگ: ۱۸۹
جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور:
چیف کورٹ (ہائی کورٹ) لاہور: ۷۱، ۹۴،
۱۳۰، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۷۱، ۱۷۲،
۲۲۲، ۲۷۲،
حالی مسلم ہائی سکول، پانی پت: ۲۳۴
حمیدیہ ہسپتال، بھوپال: ۲۷۲
حیدرآباد سٹی کالج: ۳۴۰
خدابخش لائبریری پٹنہ: ۳۵۰، ۳۲۴
خلافتِ عثمانیہ: ۸۲، ۹۵
دارالترجمہ، جامعہ عثمانیہ: ۲۳۵، ۲۴۸
دارالسلام (نزد پٹھان کوٹ)، ۲۸۳
دارالعروبہ: ۲۵۰
دارالعوام (برطانیہ): ۸۵

وڈ کی کالج: ۱۷۵
رائیٹرز: ۲۰۷
رائٹرز گلڈ، پاکستان: ۱۸۲
رائل ایشیاٹک سوسائٹی: ۲۰۹
راول سوسائٹی: ۲۰۷
ریڈیو پاکستان: ۲۶۹
سائمن کمیشن، ۱۸۹، ۱۹۰
سکاچ مشن کالج، سیالکوٹ: ۷۱
سکاچ مشن ہائی سکول، سیالکوٹ: ۱۴۰
سنٹرل ٹریننگ کالج، لاہور: ۱۰۴، ۱۷۴
سندھ مسلم کالج، کراچی: ۱۶۸
سنڈیکیٹ، پنجاب یونیورسٹی لاہور: ۱۸۴
سورت کالج: ۲۶۸
شبان المسلمین، مصر: ۲۰۶
شعبۂ اردو، انبالہ مسلم کالج، سرگودھا: ۶
شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی: ۲۳۳
شعبۂ اردو، غزالی کالج، جھنگ صدر: ۶
شعبۂ اردو، گورکھپور یونیورسٹی: ۳۳۴
شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، سرگودھا: ۶
شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، مری: ۶
شعبۂ فارسی و اردو، اسلامیہ کالج، کلکتہ: ۱۱۰
شعبۂ فلسفہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ: ۲۹۱
شفیع لیگ: ۱۸۹، ۲۲۰
شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور: ۱۶۸
عثمانیہ یونیورسٹی: ۱۸۱، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۸
علی گڑھ کالج: ۹۶، ۱۵۰
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی: ۱۳۱، ۱۵۰، ۲۲۳، ۲۳۵،
۳۶۱، ۲۹۴

عجائب گھر، لاہور: ٣١٦، ٣٢٢
غالب سوسائٹی، دہلی: ١٢٠
فیروز سنز: ٣٤٨
فیض عام ہائی سکول، میرٹھ: ٢٥٤
قومی کتب خانہ، لاہور: ١٦٤
کانگریس: ١٩٧، ٢١٩
کننگ کالج: ٢٦١
کراچی یونیورسٹی: ١٨٣، ٢٢٧، ٢٨٢
کنونشن مسلم لیگ: ٢٥٣
کیمبرج یونیورسٹی: ٩٤، ١٨٢، ٢٢٢
گورنمنٹ کالج، سرگودھا: ٣، ٢٩١، ٣٤٢
گورنمنٹ کالج، لاہور: ٦٨، ١٠٦، ١٤٤، ١٨١، ١٨٢، ٢٦٩، ٢٧٠، ٢٧٢
گورنمنٹ کالج، ملتان: ١٩٥
گورنمنٹ ہائی سکول، کمالیہ: ١٣١
گورنمنٹ ہائی سکول، گونڈہ: ١٤٩
لکھنؤ یونیورسٹی: ٢١٢
لاء کالج، لاہور: ٢٢٢
لندن یونیورسٹی: ٢٢٩
لوزاک اینڈ کمپنی اورینٹل بک سیلرز لندن: ٢٧٩
لیڈی براہورن کالج، کلکتہ: ١١٠
مجلس اقبال، گورنمنٹ کالج سرگودھا: ٢٩١
محکمہ تعلیم پنجاب: ٢٣٠، ٢٩١
مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ: ٢٥٠
مدرسۃ العلوم، علی گڑھ: ١١٢
مدرسہ عالیہ کلکتہ: ٢٥١
مسلم اکادمی، سیالکوٹ: ١٢٤
مسلم لیگ: ١٨٢، ١٨٤، ١٨٩، ٢٢٠، ٢٢٣، ٢٥٣، ٢٦٢
مسلم ایجوکیشنل کانفرنس: ١٨٤
مشن ہائی سکول، ڈیرہ غازی خان: ١٠٤
مطبع معارف، اعظم گڑھ: ١٣٥
مطبع نافع الاسلام، مدراس: ٧٠
مطبوعات چٹان: ١٢٤
مکتبۂ جدید، لاہور: ٣٣٢
مورس کالج، ناگپور: ١٩٢، ٢١٣
میڈرڈ کالج: ٢٢٦
میرٹھ کالج: ٢٦٨
میونخ یونیورسٹی: ٢٧٩
ندوۃ العلماء، لکھنؤ: ٢٣٥، ٢٥٠
نیشنل لیگ لندن: ٢١٣، ٢١٦
وائسرائے کونسل: ٩٤
ہائی کورٹ حیدرآباد دکن: ٢٧٥
ہندو مہاسبھا: ٢١٩
ہندو یونیورسٹی بنارس: ٢١٩
ینگ ٹرک پارٹی (انجمن اتحاد و ترقی): ٨٢
یونانی طبیہ کالج، لاہور: ١٤٧
یونین اسٹیم پریس، لاہور: ١٢٩

موضوعات

اتحادِ عالمِ اسلام : ۲۰۳

اتحادِ مسلمین : ۱۵۸

اجتہاد : ۵۷، ۵۹

احمدی : ۲۵۶، ۲۵۸

احمدی — اسلام کے غدار : ۲۵۸

احمدیت : ۲۵۶، ۲۵۸

احمدی جماعت : ۲۱، ۱۲۶

ادبی اخلاقیات : ۱۳۲

اردو ادب : ۳۲، ۲۵۳

اردو شاعری : ۱۹

اسلام : ۵۱، ۹۶، ۱۱۴ تا ۱۱۸، ۱۲۷، ۱۵۵ تا ۱۵۷،
۱۶۳ تا ۱۶۶، ۱۶۹ تا ۱۸۵، ۲۲۶، ۲۲۹،
۲۳۰، ۲۵۴، ۲۵۸، ۲۷۸، ۲۸۶،
۲۸۷، ۲۹۴،

اسلام کا اقتصادی پہلو : ۱۵۶

اسلام کا معاشی نظام : ۱۵۶، ۲۲۶

اسلامی احیائے نو : ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۹۴

اسلامی اخلاقیات : ۴۸

اسلامی اخوت : ۹۶

اسلامی تاریخ : ۲۹۲

اسلامی تربیت : ۲۸۳

اسلامی تصوف : ۱۱۵، ۱۱۶

اسلامی سٹیٹ : ۱۹۴

اسلامی علمی مرکز : ۲۸۶، ۲۹۴

اسلامی علوم : ۲۹۴

اسلامی فقہ : ۱۹۱

اسلامی فکر کی تجدید : ۲۸۶

اسلامی معاشیات : ۲۲۷

اشتراکی : ۱۵۴، ۱۵۵

اشتراکی خیالات : ۱۵۳

اشتراکیت : ۱۵۳، ۱۵۴

اقبال — آباؤ اجداد : ۱۷۷، ۱۷۸

آبائی میلانات : ۱۱۴

خاندانی تربیت : ۱۶۶

حصولِ تعلیم : ۴۷، ۷۱

سفرِ بلوچستان : ۷۳، ۷۴، ۱۷۶

قیامِ دہلی (۱۹۰۵ء) : ۷۶، ۳۰۱، ۳۰۲

سفرِ انگلستان (۱۹۰۵ء) : ۷۶ تا ۱۰۳

یورپ سے واپسی : ۳۰۳

وکالت : ۷۰، ۷۱

حیدر آباد کی ججی : ۲۷۵

انتخابِ مجلسِ قانون ساز : ۱۵۸

مدراس کا سفر : ۱۹۰

سفرِ انگلستان کی روداد : ۲۰۳ تا ۲۱۰

دوسری گول میز کانفرنس : ۲۰۳، ۲۰۹، ۲۱۴،
۲۹۲

تیسری گول میز کانفرنس : ۱۹۱، ۲۲۳

برگساں سے ملاقات : ۲۲۲، ۲۲۵

ہسپانیہ کا سفر: ۲۱۱، ۲۲۶، ۲۵۱
سفرِ افغانستان: ۲۵۱
سفرِ پانی پت: ۲۳۷ تا ۲۴۰
اقبال کی علالت: ۴۰، ۹۱، ۱۹۹، ۲۰۱،
۲۰۲، ۲۲۴، ۲۳۱، ۲۳۴، ۲۳۸، ۲۴۱،
۲۴۲، ۲۴۴ تا ۲۴۸، ۲۵۸، ۲۶۲،
۲۶۳، ۲۶۹، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۹۰،
بھوپال سے پنشن: ۲۹۲
ادائے حج: ۲۷۷، ۲۷۸
وصیت نامہ: ۲۰۲، ۲۶۲، ۲۹۲
روزمرہ معمولات: ۴۸، ۲۰۸، ۲۶۰
حیاتِ اقبال کی متفرق تفصیلات: ۳۹،
۴۶، ۴۷، ۴۸، ۶۰، ۷۰، ۱۰۶ تا ۱۰۹،
۱۴۰، ۱۴۱، ۱۸۸، ۱۹۰، ۱۹۱، ۲۰۰ تا
۲۰۳، ۲۱۱، ۲۱۵، ۲۲۴، ۲۳۱، ۲۳۴،
۲۳۷،
یومِ اقبال (حیدر آباد) ۲۷۳
اقبال کی شخصیت — اطاعتِ والدین: ۱۴۲،
۱۴۳،
انکسار: ۲۸، ۹۱، ۵۳، ۷۰، ۷۲،
۱۲۸، ۱۴۹
افکار و نظریات: ۱۷، ۵۷، ۵۸، ۹۷،
۱۰۰، ۱۰۹، ۱۴۴، ۱۵۵، ۱۵۷، ۱۶۶،
۲۷۰، ۲۹۱، ۲۹۶
تنقیدی شعور: ۶۷ تا ۷۰، ۷۲، ۱۳۳،
۱۳۴، ۱۶۹ تا ۱۷۱، ۱۸۶، ۱۹۲، ۲۱۲،
۲۷۴

حبِ رسولؐ: ۹۲، ۲۷۸
حق پرستی: ۱۲۸
سہل انگاری: ۴۷، ۴۸،
شخصیت: ۱۷، ۱۹، ۲۹، ۳۰، ۴۶ تا ۴۸
۵۰ تا ۵۳، ۵۶، ۵۷، ۱۹۶
ملفوظاتِ اقبال: ۴۰، ۵۱، ۵۸، ۱۴۵،
۱۵۰،
نظریۂ خودی: ۵۷، ۵۸، ۲۷۰، ۳۰۸
اقبال کا نثری ذخیرہ (نثری تحریریں) ۱۹، ۲۹،
۴۶،
اقبال کی نثر: ۱۹، ۶۲، ۶۳، ۶۴
اقبال کے تصنیفی منصوبے: ۵۹
اقبال کے خطوط:
اختصار پسندی: ۳۲، ۴۹
اختلافِ متون: ۲۱، ۲۲، ۳۶، ۴۳،
۴۴، ۳۱۲، ۱۵
اسلوب: ۳۹، ۶۱ تا ۶۴
القابات: ۲۱ تا ۲۳، ۵۳ تا ۵۵
تدوینِ نو: ۲۳، ۳۰، ۴۴، ۴۵، ۴۹
تراجم: ۲۰ تا ۲۴، ۲۶، ۳۶، ۴۰، ۴۲،
۴۴، ۲۵۱
تعدادِ مکاتیب: ۳۲
حواشیِ مکاتیب: ۱۸، ۲۳ تا ۲۵،
۳۹، ۴۵
خطوط کی اہمیت: ۱۹، ۲۳، ۴۵ تا ۴۷
ضائع شدہ خطوط: ۳۰
کاتبینِ خطوط: ۳۱

کلیاتِ مکاتیب: ۲۶، ۴۴
ماخذات: ۲۴، ۲۵
مجموعہ ہائے مکاتیب: ۱۷، ۱۹، ۲۰، ۲۹
نقل نویسی میں عدم احتیاط: ۱۷، ۲۰ تا ۲۲
۲۵، ۳۶ تا ۳۸، ۴۱ تا ۴۴
واحد عربی مکتوب: ۲۴
فارسی مکتوبات: ۴۱
اقبال شناسی کی تحریک: ۱۸
اقبالیات: ۲۶، ۳۰، ۳۲، ۴۰
اقبالیاتی ادب: ۱۸
بالشوزم: ۱۵۵، ۱۵۶، ۲۲۷، ۲۲۹
بالشویک خیالات: ۱۵۴، ۱۵۵
بالشویک نظامِ حکومت: ۱۵۳
بدھ ازم: ۱۶۵
پونا پیکٹ: ۲۱۹
تاریخ اسلام: ۱۱۴
تحریکِ خلافت: ۱۳۱
ترکِ موالات: ۲۹۶
تصوف: ۵۷، ۵۹، ۱۱۱، ۱۱۴ تا ۱۱۶،
۱۲۷، ۱۲۸، ۱۳۲
توحید: ۱۱۷، ۱۱۸
جداگانہ انتخاب: ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۹
حج بیت اللہ: ۸۹، ۲۳۷
حدیث نبوی: ۵۷، ۱۶۶
حرمت ربا: ۱۵۵
رسم پرستی: ۲۶۸، ۲۶۹
رہبانیت: ۱۱۵، ۱۱۶

زردشتی رنگ: ۸۲
زکوٰۃ: ۱۵۵
سرمایہ داری: ۱۵۵ تا ۱۵۷، ۲۲۷، ۲۲۹
سنتِ رسولؐ: ۲۸۶
سوشل (معاشرتی) اصلاح: ۱۹۴، ۱۹۷
سوشلزم یا کمیونزم: ۱۵۴
سیرتِ رسولؐ: ۱۹۷
شاعری: ۱۹، ۲۹، ۴۲، ۶۴، ۱۲۸، ۱۳۳،
۲۷۴،
عجمیت: ۱۶۹
عجمی شاعری: ۱۲۸
عربی شاعری: ۱۶۹
علمائے ازہر: ۲۸۸
علمائے دین (اسلام): ۱۱۶، ۲۲۰
عیسائی مذہب: ۱۱۵
فقہ: ۵۷، ۵۹
فلسفۂ یورپ: ۱۱۴، ۱۱۸
قادیانی: ۱۴۰، ۲۵۳، ۲۵۵
قادیانیت: ۱۲۴ تا ۱۲۶، ۲۵۲، ۲۵۳،
۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۸
قرآن: ۵۷، ۵۹، ۱۵۷
قرملی تحریک: ۱۱۵
قومیت کا مغربی تصور: ۲۲۱
قومیتِ متحدہ: ۱۶۵
کشمیری مسلمان: ۱۰۸
گول میز کانفرنس: ۲۰۳، ۲۰۹، ۲۱۴،
۲۹۲

گول میز کانفرنس، تیسری : ۱۹۱، ۲۱۳، ۲۱۸، ۲۲۳، ۲۲۶

مسلم افکار : ۲۹۴

مسلمان : ۵۸، ۲۵۸

مسلمان اور مغرب : ۲۲۱، ۲۰۹

مسلم جداگانہ ہستی : ۲۲۰

مسلمانانِ ہند : ۲۰۷، ۲۹۶

مسلم فلسفیانہ لٹریچر : ۲۹۲

مسیحیت : ۱۶۵

مکاتیبِ غالب : ۳۰، ۴۵، ۴۶، ۴۹

وحدت الوجود : ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۱۸

ہند مسلم سیاست : ۱۸۷

ہندوستان کا مستقبل : ۲۱۴، ۲۱۹ تا ۲۲۱

ہندوستان کی آزادی : ۲۰۷

ہندوستان میں جمہوریت : ۲۱۴

ہندو مسلم مفاہمت : ۲۱۹، ۲۲۱

ہندی مسلمانوں کا مستقبل : ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱

یہودی : ۸۲

I N D E X

یہاں صرف اُن اشخاص و کتب کے حوالے دیئے جا رہے ہیں جن کا تذکرہ اردو اشاریے میں نہیں آسکا۔ جن انگریزی کتابوں کا ذکر صرف کتابیات کے ضمن میں آیا ہے، ان کا حوالہ بھی یہاں نہیں دہرایا گیا۔

BOOKS

- A Bunch of Old letters 336
- A History of Persian Language and Literature at the Mughal Court 328
- Divine Comedy of Islam 211, 225, 226
- Iqbal, The Great Poet of Islam 348
- Iqbal, The Poet of Tomarrow 348

- Letters and Writings of Iqbal 20, 28, 30, 42, 211, 226, 348

- Social Structure of Islam 229

- Sociology of Islam 228, 229

- The Book of a Forgotton Prophet 60

- The Development of Metaphysics in Persia 278

- Thoughts and Reflections of Iqbal 348

Who's who in India, Burma and Ceylon 348

NEWSPAPERS - MAGAZINES

- El-debate 211

- Islamic Education 350

- The Dawn 291, 342

- The Truth 268

ARTICLES

- A Critical Study of Iqbal 254

- A Unique Letter of Iqbal 333

- Economic Theory of Islam 227

- Is Religion Possible? 225

- Self in the Light of Relativity 178

- Spain and the Intellectual World of Islam 211, 225, 226

- The Development of Muslim Political Philosophy 222